سلسلۂ اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن نمبر ۵۶

اللھم انا نعوذ بک من علم لا ینفع و من قلب لا یخشع

بحمد اللہ العزیز العلام کتاب

نور افزائے بصیرت اہل اسلام بکشف حقیقت ازالۃ الاوہام

موسوم بہ

افادۃ الافہام

حصہ دوم

مولفہ

عالیجناب عارف باللہ مولانا حافظ حاجی محمد انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی سرکار عالی

باہتمام

جناب مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

در مطبع اختر دکن بازار افضل گنج حیدرآباد دکن طبع شد

فہرست مضامین افادۃ الافہام حصہ دوم

تمت

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اس لحاظ سے کہ خود معجزے نہیں دکھلا سکتے عقلی معجزے اختراع کئے جس کی وجہ سے اُن کو حقیقی معجزات کی توہین کی ضرورت ہوئی اور ان معجزات کو ایک قسم کا سحر اور انبیا کو ساحر قرار دیا۔ اور خدائے تعالیٰ نے جو اپنے کلام قدیم میں اُن کی تعریفیں کیں اور فضائل بیان کئے اُس کی کچھ پروا نہ کی۔ اسیطرح احادیث بھی چونکہ اُن کے دعووں کو ثابت نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے مثل اور فرق باطلہ کے انہوں نے احادیث کو بھی ساقط الاعتبار بنانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۳۰) میں ایک طولانی تقریر کے بعد لکھتے ہیں۔ کیوں جائز نہیں ہے کہ راویوں نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو انتہے ہم یہاں تھوڑا سا حال احادیث کے احکام کا بیان کرتے ہیں جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ علما رحمہم اللہ نے کس قدر جان فشانیاں کرکے سرمایہ حدیث ہمارے لئے فراہم اور محفوظ کر رکھا ہے اور وہ کس قدر قابل اعتبار ہے۔

امام نووی رحہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام سے فارغ ہو کر عالم جاودانی کو جب تشریف لے گئے اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار (۱۱۴۰۰۰)

صحابہ موجود تھے۔ اہل اسلام پر صحابہ کی حالت پوشیدہ نہیں کہ اشاعت دین میں کیسے ساعی تھے اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ اس راہ میں جان دینا اُن کے نزدیک پوری کامیابی اور سعادت ابدی تھی جو اُن کے کارناموں سے اظہر من الشمس ہے اُن کے ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ہمارا دین وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات فرمائے ہیں اور اس حیثیت سے کہ یہ دین ناسخ ادیان ہے سوائے قرآن و احادیث کے اُن کو نہ کسی کتاب سے تعلق تھا نہ کسی علم سے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مقتضائے طبیعت انسانی ہے کہ جس قوم میں کوئی بزرگ جلیل القدر ہو اس کی ادنیٰ ادنیٰ بات اُس قوم میں شہرت پاتی ہے اسی وجہ سے سلاطین و امرائے نامدار کی ہر بات تمام ملک میں مشہور ہو جاتی ہے۔

جب عموماً یہ حال ہو تو سردار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات کو ان عشاق جانباز نے اسلامی دنیا میں کیا کچھ شہرت نہ دی ہوگی پھر جب حاضرین کو بار بار حکم فلیبلغ الشاہد الغایب ہوا کرتا تھا یعنی جو کچھ دیکھو اور سنو غائبوں کو پہنچا دیا کرو اس حکم صریح نے تو ان حضرات پر اشاعت کو فرض ہی کر دیا پھر اُس زمانے میں سوائے قرآن و حدیث کوئی علم ہی نہ تھا اور علم کے فضائل میں جو احادیث بکثرت وارد ہیں پوشیدہ نہیں جن سے ثابت ہے کہ وہ تمام عبادات بلکہ جہاد سے بھی افضل ہے تو قیاس کیا جائے کہ وہ حضرات جو تحصیل کمالات اُخروی پر جان دیتے تھے تعلیم و تعلم قرآن و حدیث پر کس قدر حریص اور اس میں ساعی ہونگے۔ الغرض متعدد قرائن قویہ سے ثابت ہے کہ اُسی زمانے میں احادیث نبویہ مثل قرآن متداول تھیں اور تقریباً

پوری قوم ان کی حفاظت میں مصروف اور سرگرم تھی اور جہاں جہاں اسلام اپنی روزافزوں ترقیوں سے قدم بڑھاتا اور پہنچتا گیا اُس کے ساتھ ساتھ علم بھی پہلو بہ پہلو ترقی کرتا رہا اور نزدیک اور دور والے اس سحاب جان بخش سے یکساں سیراب تھے تقریباً ایک صدی تک ان اکابر دین کے سینے اس گنجینۂ بے بہا کے صندوق بنے رہے جب تابعین کا زمانہ صحابہ کے انوار و فیوض سے خالی ہو گیا تو یہ رائے قرار پائی کہ ان علوم نبویہ کی حفاظت کا طریقہ اب یہی ہے کہ قید کتابت میں لائے جائیں۔ چنانچہ اُس وقت سے کتابیں تصنیف ہونے لگیں یہ زمانہ وہ تھا کہ غیر اقوام کے لوگ اسلام میں بہت کچھ داخل ہو چکے تھے اور مذاہب باطلہ کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اور جس طرح خود غرض بے دینوں کی عادت ہے بہت سے شریر النفس اس تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی داؤ چل جائے تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ کر کے مقتدا بن بیٹھیں چنانچہ بہت سے تمنا اُن کے دام میں پھنس بھی گئے جس کا حال تواریخ سے ظاہر ہے اس لئے علما نے یہ التزام و اہتمام کیا کہ جب تک پورے طور سے راویوں کی دیانت و تقویٰ ثابت نہ ہو اُن سے روایت نہ لی جائے اور اگر لاعلمی سے کوئی روایت بھی لی جائے تو جب کوئی بے دینی ثابت ہو جائے اُس کی کل روایتیں ساقط الاعتبار کر دی جائیں۔ اور تحقیق کی یہ کیفیت کہ جب کوئی دو شخص ہم مشرب ملتے تو جرح و تعدیل ہی میں بحث رہتی اور اپنے اپنے تجربوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ایک دوسرے کو خبر دیتے جس سے ایک بڑا فن رجال کا مدون ہوا جس میں ہر راوی کی جرح و تعدیل سے متعلق چشم دید واقعات مذکور ہیں۔ غرض کہ اس تحقیق و تنقیح سے گو بعض صحیح روایتیں جو اس

قسم کے لوگوں سے مروی تھیں متروک ہو گئیں لیکن بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنائی ہوئی روایتوں کی قلعی کھل گئی اور ساقط الاعتبار کر دی گئیں اور یہی طریقہ علما میں جاری رہا اگرچہ ایسے لوگوں کی روایتیں متروک کر دی جاتی تھیں مگر بعض روایات جو راوی کے عیب متدین ہونے پر دلیل تھیں وہ زبان زد تھیں مثلاً تدریب الراوی میں امام سیوطی رحمہ نے لکھا ہے کہ محمد ابن سعید شامی نے یہ روایت کی عن حمید

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لانبی بعدی الا ان یشاء اللہ

چونکہ اس شخص کو نبوت کا دعوے کرنا منظور تھا اس لئے اس نے اس حدیث میں الا ان یشاء اللہ بڑھا دیا اور اس کے بعد نبوت کا دعوے کیا مگر اس زمانے میں ایسی زیادتیاں اور داؤ پیچ کب چل سکتے تھے آخر وہ سولی پر چڑھایا گیا اور اسکی روایتیں موضوعات میں شامل کی گئیں اسیطرح وہ روایات جو قبل تحقیق کتابوں میں درج ہو چکی تھیں وہ باقی رہ گئی تھیں۔ ایسے احادیث کے لئے محدثین رحمہ نے خاص خاص کتابیں تصنیف کیں اور سب موضوعات کو اُن میں داخل کر دیا۔ چنانچہ یہ بھی ایک فن جداگانہ مدون ہو گیا۔ فن اصول حدیث کے دیکھنے سے یہ بات مبرہن اور منکشف ہو جاتی ہے کہ اکابر محدثین رحمہم اللہ نے کیسی کیسی جان فشانیاں اور موشگافیاں کرکے آخری زمانے والوں کے لئے ان کے دین کا سرمایہ محفوظ رکھا ہے ان کی محنت کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے۔ جو شرح اشباہ النظائر صفحہ (۳۹۷) میں منقول ہے

ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری الرجل لا یصیر محدثا کاملا الا ان یکتب

اربعاً مع اربع کاربع مع اربع فی اربع عند اربع بار بع علی اربع عن اربع

لاربع وہذہ الرباعیات لاتتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له
کلہا ہانت علیه اربع وابتلی باربع فاذا صبر اکرمه اللہ تعالیٰ
فی الدنیا باربع واثابه فی الآخرۃ باربع اما الاولی فاخبار الرسول
صلی اللہ علیه وسلم وشرائعه واخبار الصحابۃ ومقادیرہم والتابعین واحوالہم
وسائر العلماء وتواریخہم مع اربع اسماء رجالہم وکناہم وامکنتہم وازمنتہم کاربع التحمید
مع الخطب والدعاء مع التوسل والتسمیۃ مع السورۃ والتکبیر مع الصلوٰۃ مع اربع
المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فی اربع فی صغرہ فی ادراکه فی شبابه
فی کہولته عند اربع عند شغله عند فراغه عند فقرہ عند غناہ باربع بالجبال بالبحار
بالبراری بالبلدان علی اربع علی الحجارۃ علی الاخزاف علی الجلود علی الاکتاف الی الوقت
الذی یمکن نقلہا الی الاوراق عن اربع عمن ہو فوقه ودونه ومثله وعن کتابۃ ابیه اذا
علم انه خطه لاربع لوجه اللہ ورضاہ وللعمل به ان وافق کتاب اللہ تعالیٰ ولنشرہا
بین طالبیہا ولاحیاء ذکرہ بعد موته ثم لاتتم له ہذہ الاشیاء الا باربع من کسب العبد و
ہو معرفۃ الکتابۃ واللغۃ والصرف والنحو مع اربع من عطاء اللہ تعالیٰ الصحۃ والقدرۃ
والحرص والحفظ فاذا تمت له ہذہ الاشیاء ہانت علیه اربع الاہل والولد والمال والوطن
وابتلی باربع بشماتۃ الاعداء وملامۃ الاصدقاء وطعن الجہال وحسد العلماء فاذا صبر اکرمه اللہ
تعالیٰ فی الدنیا باربع بعز القناعۃ وہیبۃ النفس ولذۃ العلم وحیوۃ الابد واثابه
فی الآخرۃ باربع بالشفاعۃ لمن اراد من اخوانه وبظل العرش حیث لاظل الاظله
والشرب من الکوثر وجوار النبیین فی اعلی علیین فان لم یطق احتمال ہذہ المشاق
فعلیه بالفقه الذی یمکنه تعلمه الخ

حاصل اس کا یہ ہے کہ آدمی کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک امور ذیل پر پورے طور سے واقف اور ماہر نہ ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخبار اور جو احکام حضرت مقرر فرمائے ہیں اور نیز صحابہ کے اخبار و حالات اور تابعین اور جمیع علما کے احوال اور تواریخ اور ہر ایک کا نام اور کنیت اور وطن اور زمانہ اور احادیث کے اقسام کہ کونسی حدیث مسند ہے اور کونسی مرسل اور مقطوع اور موقوف وغیرہ ہے اس کے سوا رسم الخط اور صرف و نحو اور لغت کا بھی ماہر ہو اور عمر بھر خالصاً لوجہ اللہ اسی کام میں لگا رہے۔

فن رجال کے واقفین پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جتنے اکابر محدثین تھے وہ سب ان صفات کے ساتھ متصف تھے۔ اور یہ سب باتیں ان کو ازبر تھیں۔ اگرچہ بظاہر یہ امر کسیقدر مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے یہ استبعاد رفع ہو سکتا ہے۔ آخر قوت حافظہ کے مدارج ہیں بعض حافظے ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جو چیز انہوں نے دیکھی یا سنی وہ کنقش الحجر ہو گئی جیسے عکسی تصاویر میں ہوتا ہے اور اس کے نظائر من وجہ اس زمانے میں بھی موجود ہیں مثلاً بعض وکلا کو کل قانونی کتابیں ایسی ازبر ہوتی ہیں کہ جو مضمون پوچھئے اس کی دفعہ وغیرہ بتلا کر صدہا نظائر اور فیصلوں کے پورے پورے مضامین پیش کر دیتے ہیں۔ اصل سبب اسکا یہ ہے کہ حق تعالے کو اس دین کی حفاظت منظور ہے جو قولہ تعالے وانا له لحافظون سے ظاہر ہے اس لئے ایسے افراد منتخب روزگار پیدا کر کے ان سے یہ کام لیا اُن حضرات نے وہ وہ موشگافیاں کیں کہ فن حدیث ایک سو فنون پر مشتمل ہو گیا جسکی تصریح امام سیوطی رح نے تدریب الراوی میں کی ہے اور ان حضرات

نے بفضلہ تعالےٰ اُن میں اعلیٰ درجے کی ترقی کرکے ان سب کو کمال پر پہنچا دیا۔
اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیا اُن حضرات کے روبرو کسی کے داؤپیچ اسلام میں
چل سکتے تھے کیا ممکن ہے کہ کسی کی بنائی ہوئی حدیث ان کی غامض نظروں سے
چھپ کر صحت کے پیرائے میں آسکتی تھی۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو
ہمارے یہاں کی ضعیف حدیث دوسری ملتوں کی قوی اور صحیح روایتوں سے
بدرجہا قوی ہوگی۔

اول ما آخر ہر منتہی ہ آخر ما جیب تمنا ہتھی

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو سو
یہ ظاہر اور درست ہے کیونکہ امکان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ جس چیز کا نہ کبھی
وجود ہوا ہو نہ ہوگا وہ بھی اُس میں داخل ہے مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ اُن حضرات
نے نہ عمداً خطا کی ہو نہ سہواً۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ خطا کا امکان پیش کرکے وہ اکابر
دین نشانۂ ملامت بنائے جائیں۔ قرائن مذکورہ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر
پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ ہزارہا اکابر دین اور متدین علما نے جب فن حدیث کا اُس قدر
اہتمام کیا ہے تو صرف ایک خفیف سا احتمال اس قابل نہیں کہ اُس کے مقابل
پیش ہو سکے یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اکابر محدثین جنہوں نے نہ سلاطین و امرا کی صحبت
اختیار کی جس سے احتمال ہو کہ ان کی خاطر سے کوئی حدیث بنائی ہو نہ اشاعت علوم
پر ماہوار یا کسی قسم کا چندہ مقرر کیا جس سے خیال ہو کہ کثرت احادیث کی
ضرورت سے کچھ حدیثیں بنائی ہوں اُن حضرات نے تو اشاعت علوم میں
جان دینے میں بھی دریغ نہیں کیا چنانچہ امام نسائی رح کا حال مشہور و معروف ہے

کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کی حدیثیں شایع کرنے کی غرض سے شام
تشریف لے گئے جہاں علی کرم اللہ وجہہ کی سخت منقصت ہوا کرتی تھی اور جان کی
کچھ پروانہ کی چنانچہ اسی جرم میں شہید کئے گئے ایسے حضرات کی روایات میں
تو اقسام کے احتمالات پیدا کئے جائیں۔ اور مرزا صاحب علیسویت اور وحی
کی وجہ سے لاکھوں روپے حاصل کریں اُن کی خبروں میں احتمال بھی قائم
نہ کیا جائے عجیب بات ہے اگر عقل سے تھوڑا بھی کام لیا جائے تو معاملہ بالعکس
ثابت ہو جائیگا۔ فن اصول حدیث و فقہ میں یہ بحث نہایت مبسوط ہے
کہ احادیث صحیحہ قابل تصدیق اور واجب العمل ہیں۔ انہیں احادیث
پر اکثر مسائل فقہ کا دارومدار ہے اگر وہ بے اعتبار قرار دئے جائیں تو تمام مذاہب
حقہ درہم وبرہم ہو جائیں گے اور بے دینوں کو آیات قرآنیہ میں تصرف کا
موقع ہاتھ آجائیگا چنانچہ ملاحدہ نے یہی کام کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ
جو چیز تواتر سے ثابت ہو اس کا علم یقینی اور ضروری ہوتا ہے
اور احادیث غیر متواترہ کا علم ظنی ہے مگر شریعت نے اس ظن غالب کو
اعتبار کر لیا ہے۔ دیکھ لیجئے دو گواہوں کی خبر سے جملہ حقوق ثابت ہو جاتے
ہیں یہاں تک کہ انہیں دو گواہوں کی گواہی سے مسلمان کا قتل قصاص میں
مباح ہو جاتا ہے اب دیکھئے کہ دو شخصوں کی خبر کسی طرح متواتر نہیں ہو سکتی
بلکہ اُس سے صرف ظن غالب ہو جاتا ہے باوجود اس کے شریعت نے
اُس کا اعتبار کر لیا ہے۔ اسیطرح ثبوت نسب صرف باپ کے اقرار پر ہو جاتا ہے
اگر اس کے لئے تواتر شرط ہو تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے آبا و اجداد کی میراث

اور جائداد کا مالک بنے۔ پھر باپ جو لڑکے کے نسب کا اقرار کرتا ہے اس کا مدار
صرف ظن غالب پر ہے جو اپنی زوجہ کے بیان اور قرائن خارجیہ مثل عفت وغیرہ
کے لحاظ سے اسکو حاصل ہوتا ہے اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کرکے کسی غیور
شخص کے نسب میں ناشائستہ احتمال پیش کئے جائیں تو کیا ان احتمالوں کو وہ قابل
تسلیم سمجھیگا یا کسی اور طریقے سے پیش آئیگا جو دشنام کے جواب میں اختیار
کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاں قبلہ مشتبہ ہو جائے تو ظن غالب پر عمل لازم ہو جاتا ہے
گو وہ خلاف واقع ہو اور اسی طرف نماز صحیح بھی ہو جاتی ہے اگرچہ سمت قبلہ کی
مخالف پڑھی ہو۔ غرضکہ جو چیز ظن غالب سے ثابت ہوتی ہے شرعاً عرفاً عقلاً
قابل تصدیق سمجھی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جو احتمال ضعیف
پیش کرکے احادیث کو بے اعتبار بنانا چاہتے ہیں اہل اسلام اسکو ہرگز جائز نہیں
رکھ سکتے۔ کیونکہ یہ بات گویا فطرتی ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدا اور پیشوا کی باتیں
جو اُن کے اسلاف نے اُن تک پہنچائی ہیں ان کو قابل قبول اور اُن کے
مخالفین کتنے ہی احتمال پیدا کریں اُن کو لغو سمجھتی ہے اسی وجہ سے مرزا صاحب کی
کوئی بات نہ نصاریٰ میں فروغ پائی نہ آریہ وغیرہ میں۔ باوجودیکہ براہین احمدیہ
میں انہوں نے اقسام کے احتمال اُن کے مذاہب میں پیدا کردئے۔ پھر مسلمانوں پر
یہ آفت کیوں آگئی کہ جس نے جیسا کہدیا ایسکی چل گئی اور ایسے شخص کے مقابلے میں
کل اسلاف جن میں فقہا محدثین اور اولیاء اللہ شریک ہیں سب جھوٹے سمجھے جائیں

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۵۴ میں لکھتے ہیں کہ اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو
مفید ظن ہیں والظن لایغنی من الحق شیئاً اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت

کفار کی شان میں ہے۔ اُن کی عادت تھی کہ جب قیامت وغیرہ امور حقہ کا ذکر سنتے تو اُس کے خلاف میں اٹکل کی باتیں بناتے تھے چنانچہ حق تعالے فرماتا ہے وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیْبَ فِیْھَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَۃُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ یعنی جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں کہتے ہیں اس کا ظن ہے یقین نہیں ہے اور ارشاد ہے اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ یعنی صرف وہ گمان پر چلتے ہیں اور وہ صرف اٹکل کی باتیں بناتے ہیں اسیطرح اس آیۂ شریفہ میں بھی ارشاد ہے وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا یعنی اکثر کفار صرف گمان پر چلتے ہیں اور گمان حق کے مقابلے میں کام نہیں آتا۔ الحاصل جس گمان کی توہین ہورہی ہے وہ وہی گمان ہے جو آیات واحادیث کے خلاف میں عقل دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے جس کے مرتکب مرزا صاحب ہورہے ہیں دیکھ لیجئے جہاں کوئی حدیث وہ اپنے مقصود کے مخالف پاتے ہیں اٹکل کی باتیں بنانے لگتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راوی عمداً یا خطاءً جھوٹ کہدیا ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں وغیرہ اب اہل انصاف غور کریں کہ آیۂ شریفہ ہمارے لئے مفید ہے یا ان کے لئے۔ اگر راویوں میں احتمالات پیدا کرکے احادیث بے اعتبار قرار دے جائیں تو دین کی کوئی بات ثابت نہ ہوسکیگی۔ دیکھ لیجئے نماز سے زیادہ کوئی حکم ضروری نہیں ہے پھر نہ پانچ وقت کی نماز قرآن سے صراحتاً ثابت ہوتی ہے نہ اُس کے ادا کرنے کا طریقہ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ بعض لوگ خصوصاً مرزا صاحب خواہ مخواہ احادیث کو مخالف قرآن قرار دیکر اُن کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں یہ اُن کی کم فہمی ہے اس لئے کہ اکابر علمانے جب

کسی حدیث کو صحیح مان لیا اگر وہ فی الواقع مخالف قرآن ہو تو یہ کہنا پڑیگا کہ اُن کو قرآن کا علم نہ تھا۔ پھر ایسے لوگ جو قرآن ہی کو نہ جانیں وہ اکابر دین اور مقتدا کیونکر ہوسکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر مخالف قرآن معلوم ہو وہ ہمارے فہم کا قصور ہے۔ درحقیقت مخالفت ممکن نہیں اسی وجہ سے محدثین کی ضرورت ہوئی جن کا کام یہ تھا کہ قرآن وحدیث کو تطبیق دیکر قول فیصل اور دونوں کا ماحصل بیان کردیں اُس کی تصدیق اس سے بخوبی ہوسکتی ہے کہ آدمی جو فن پڑھتا ہے ہر سبق میں اقسام کے تعارض وتخالف اُس کے ذہن میں آتے ہیں مگر استاد کامل اُن سب کا جواب دیکر تسکین کردیتا ہے اسی طرح محدثین کا بھی حال سمجھنا چاہیئے۔

مرزا صاحب نے احادیث کی توہین تو بہت کچھ کی لیکن لطف خاص یہ ہے کہ خود ہی ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۶ میں یہ بھی فرماتے ہیں اب سمجھنا چاہیئے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصۂ کثیرہ دین کا اور طریقۂ عبادات وغیرہ کا مفصل اور بابسوط طور پر احادیث سے ہمنے لیا ہے انتہی۔ ابھی احادیث کو ان الظن لا یغنی من الحق شیئًا کے تحت میں داخل کرکے غیر معتمبہ بنا رہے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ جو حصۂ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہے وہ لا شئے محض ہے اس تقریر میں احادیث کی وقعت جو بیان فرماتے ہیں وہ بھی ایک حکمت عملی ہے۔ وجہ اُس کی یہ ہوئی کہ نیچریوں نے مرزا صاحب کی مسیحائی کی بنیاد ہی کو زیروزبر کردیا عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۵ میں لکھتے ہیں کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن

مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں شاید اُن کا
ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تااس عاجز کے اس دعوے کی تحقیر کرکے کسیطرح
اسکو باطل ٹھیرایا جائے انتہیٰ - چونکہ مرزا صاحب کو عیسویت سے خاص قسم کی
دلچسپی ہے اور نزول عیسےٰ علیہ السلام کے ثبوت کا مدار احادیث کے ثبوت
پر ہی تھا اس لئے انہیں احادیث کے توہین کی ضرورت ہوئی ورنہ اُن کو اس سے
کیا تعلق - دیکھ لیجئے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی موت پر جب کوئی حدیث نہ ملی تو
انجیل موجودہ کو پیش کردیا کہ اُس سے اُن کا سولی پر چڑھایا جانا ثابت ہے
پھر اُس کی توثیق میں کہدیا کہ بخاری سے ثابت ہے کہ انجیل میں کوئی تحریف
لفظی نہیں ہوئی جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا - اور اُس کی کچھ پروا نہ کی کہ حق تعالےٰ
بتصریح وما قتلوہ فرما رہا ہے یعنی عیسےٰ علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا
اب غور کیا جائے کہ جیسے مرزا صاحب اپنی مضر حدیثوں کو رد کرنے کے لئے کہتے ہیں
کہ راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہوگی - اسی طرح نیچری بھی اسی احتمال سے اپنی خواہش
بھی پوری کرینگے - کیا وجہ کہ مرزا صاحب تو اس احتمال سے نفع اٹھائیں اور
نیچری اُس سے رد کئے جائیں - نزول عیسےٰ علیہ السلام کے باب میں جو حدیثیں
وارد ہیں اُن کی اس قدر توثیق کی کہ حد تواتر کو پہنچا دیا چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۵۵۷ میں
فرماتے ہیں یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اول
درجے کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے تواتر کا اول درجہ
اسکو حاصل ہے انتہیٰ - دوسرے مقام میں ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۰۳ میں لکھتے ہیں
غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ

اتریگا نہایت لغو اور بے اصل بات ہے صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں جھلا اگر ہے تو
کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارے میں اپنی شہادت ادا کر گئے
ورنہ ایک یا دو آدمی کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے انتہیٰ - اس تقریر سے
ظاہر ہے کہ جسم خاکی کے ساتھ عیسٰے علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ایک دو صحابہ کے
قول سے ثابت ہے جس کو اجماع نہیں کہہ سکتے اور اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ کل
صحابہ نے مسیح ابن مریم کے آنے پر اتفاق کیا ہے اور وہ اعلیٰ درجے کے تواتر کو پہنچ گیا ہے
چونکہ ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ کل صحابہ کا اس مسئلہ میں اتفاق تھا اور مرزا صاحب اسکو
قبول نہیں کرتے تو اُن کو چاہیئے کہ کوئی ایسی روایت پیش کر دیں کہ اس مسئلے میں صحابہ
کے دو فرقے ہو گئے تھے دو صحابی جسم کے ساتھ اترنیکے قائل تھے اور باقی کل
صحابہ نے بغیر جسم کے روحانی طور پر اترنے کی تصریح کی ہے اور اگر کل نہیں تو جیسا کہ
خود فرماتے ہیں تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیں اور جب تک یہ اختلاف ثابت نہ کیا جائے
انہیں صحابہ کی تصریح پر اجماع سکوتی کل صحابہ کا واجب التسلیم ہوگا۔ اگر اہل انصاف
غور کریں تو یہی قول فیصل ہو سکتا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ وہ ہرگز کسی صحابی کا
یہ قول پیش نہیں کر سکتے کہ مسیح روحانی طور پر اترینگے ۔

مرزا صاحب نے جو ابھی فرمایا ہے کہ ایک حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہوتا ہے
معلوم نہیں اس میں بخاری کی تخصیص کیوں نہیں کی وہ تو اُس حدیث کو قابل
اعتبار نہیں سمجھتے جو بخاری میں نہیں ہوتی - چنانچہ ازالۃ الاوہام ص۲۱۴ میں لکھتے ہیں

یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو
یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے شرقی کنارے میں منارہ کے پاس اتریگا ۔ انتہیٰ ۔

اور لکھتے ہیں یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے جسکو ضعیف سمجھکر رئیس المحدثین امام محمد اسمعیل بخاری نے چھوڑ دیا انتہے۔ ان دونوں تقریروں سے ظاہر ہے کہ جو حدیث بخاری میں نہیں ہوتی اُن کے نزدیک وہ حدیث ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو ضعیف جو قابل اعتبار نہیں کیونکہ جو حدیث رئیس المحدثین کو نہ ملی ہو وہ دوسرے کسی محدث کو کہاں سے مل گئی اور اگر وہ حدیث ہو بھی تو اسکو ضعیف سمجھکر انہوں نے اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اب مرزا صاحب سے پوچھنا چاہئیے کہ ضرورۃ الامام صہ ۲ میں آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے اُس کی موت جاہلیت کی ہوتی ہے۔ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں اور وہ صحیح حدیث یہ ہے من معاذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات بغیر امام مات میتۃ جاہلیۃ کذا فی مسند امام احمد والترمذی وابن خزیمۃ وابن حبان اور نیز ضرورۃ الامام صہ ۲۴ میں لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی رسول محدث مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دئیے گئے وہ گو ولی ہوں یا ابدال امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔ اس وقت میں بے دھڑک کہتا ہوں کہ وہ امام الزمان میں ہوں انتہے۔ حدیث موصوف تو بخاری میں نہیں ہے پھر وہ صحیح کیسی ہوگئی۔ اگر یہ روایت ہماری طرف سے پیش ہوتی تو مرزا صاحب ضرور فرماتے کہ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو شخص بغیر امام کے مرے وہ مردار موت مرا اس لئے ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ مرتے وقت امام کو لیکر مرے اور ظاہر ہے کہ قتل عمد شرعًا نا جائز ہے۔ اس سبب سے

یہ حدیث موضوع ہے اور بڑی دلیل اس کے موضوع ہونے پر یہ ہے کہ اس کا مضمون یہاں تک نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہ ملی اور اگر ملی ہو تو ضعیف سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اب انصاف کیا جائے کہ ایسی حدیث کو خود اپنے استدلال میں کس بے پروائی سے پیش فرماتے ہیں اور اگر قابل استدلال سمجھتے ہیں تو مسلم کی دمشق والی حدیث نے کیا قصور کیا حالانکہ مسلم کی روایتیں بہ نسبت مستدرک وغیرہ کے وثوق میں زیادہ ہیں علاوہ اس کے کل احادیث ان الظن لا یغنی من الحق شیئا میں داخل کر کے بے اعتبار کر دیا تھا پھر ایسی حدیث سے آپ کا استدلال کیونکر صحیح ہوگا پھر استدلال بھی کیسا کہ جو آپ کو امام زمان نہ مانے وہ کافر بلکہ شقاوت جامعہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب دیکھئے جو سزا اس حدیث کے نہ ماننے پر تجویز کر رہے ہیں وہ اس قدر سخت ہے جو کافر قرآن کے نہ ماننے والے کی ہونی چاہئے حالانکہ وہ حدیث انہیں کے اصول پر قابل اعتماد نہیں۔ پھر اگر اس حدیث میں ان کا نام مصرح ہوتا تو جب بھی ایک بات تھی گو اس وقت بھی مناظر کو گنجائش تھی کہ اس نام کے بہت لوگ موجود ہیں اور آئندہ بھی رہ سکتے ہیں جب سرے سے اس میں ان کا ذکر ہی نہیں تو اب تو احتمال کو بھی گنجائش نہ رہی باوجود اس کے اپنے منکر کی سزا دوزخ جو ٹھیرا رہے ہیں کیسی بیجا کی ہے بخلاف اس کے بخاری اور مسلم کی حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح فرما دیا ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ بن مریم آخری زمانے میں آسمان سے دمشق میں اتریں گے اور یہ مجموعہ صفات سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی پر صادق نہیں آتا باوجود اس کے

مرزا صاحب یہ کہکر ٹال دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم نبی اللہ رکھدیا ہے۔ الحاصل مرزا صاحب جب دیکھتے ہیں کہ کوئی حدیث اپنے دعوے کو مضر ہے تو کبھی یہ

کہہ دیتے ہیں کہ وہ بخاری میں نہیں ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ صحیح بھی ہو تو اُس سے ظن ثابت ہوگا اور اس کا اعتبار ہی کیا اور جب ان کو استدلال منظور ہوتا ہے تو بخاری و مسلم میں نہ بھی ہو تو وہ حدیث صحیح بھی ہو جاتی ہے ۔ اور خود اس کا مصداق بھی بن جاتے ہیں اور نہ ماننے والے کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی متدین شخص اس قسم کی کارسازیاں اور ناجائز تصرفات احادیث نبویہ میں کر سکتا ہے۔ کیا ایسے قوی قوی قرائن دیکھنے کے بعد بھی عقل کو کسی قسم کی جنبش نہ ہو گی آخر عقل بیکار نہیں پیدا کی گئی۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۲۹۵ میں خود فرماتے ہیں

اسلام اگرچہ خدائے تعالے کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا اور رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو بیکار اور معطل ٹھیرانا نہیں چاہتا انتہے جب خدا و رسول کے مقابلے میں عقل بیکار نہیں ہوتی تو اُس عقل پر افسوس ہے کہ اس قسم کی کارسازیاں دیکھکر بھی ساکت اور بے حس و حرکت رہے اور کوئی حکم نہ لگائے۔

مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ ممکن ہے کہ حدیثوں کے راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو یہ اُن راویوں کی نسبت فرماتے ہیں جن پر اکابر محدثین و فقہا نے اعتماد کیا ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے تحقیق کر کے فن رجال میں اُن کی توثیق کی ہے اور خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام ص ۳۷۴ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلف خلف کے لئے بطور وکیل کے ہیں اور ان کی شہادت آنے والی ذریت کو ماننی پڑتی ہے انتہی۔ باوجودیکہ سلف نے اُن راویوں کی توثیق کی ہے مگر اقسام کے احتمالات پیدا کر کے ان کو نہیں مانتے اب اُن کی روایتوں کو دیکھئے ازالۃ الاوہام ص ۷۰ میں تحریر فرماتے ہیں کریم بخش روایت کرتے ہیں کہ گلاب شاہ مجذوب نے بیس برس کے پہلے

مجھکو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانے میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا

پھر کریم بخش کی تعدیل بہت سے گواہوں سے کی گئی جن میں خیراتی ۔ بوٹا ۔ کنھیا لال

مراری لال ۔ روشن لال ۔ کنھیا لال وغیرہ ہیں اور ان کی گواہی یہ کہ کریم بخش کا کوئی جھوٹ

کبھی ثابت نہ ہوا ۔ ویسے قطع نظر گواہوں کی حیثیت کے اُن کی گواہیوں سے یہ

ثابت نہیں ہو سکتا کہ کریم بخش سچا آدمی تھا اس لئے کہ انہوں نے یہی کہا کہ کبھی جھوٹ اس کا

ثابت نہ ہوا اعلیٰ درجے کے جھوٹے کی نسبت بھی کہسکتے ہیں کہ اُس کا جھوٹ کبھی

ثابت نہ ہو سکا یعنی کمال درجے کا چالاک اور بیباک ہے کہ باوجودیکہ عمر بھر جھوٹ

کہا مگر اُس کو ثابت ہونے نہ دیا اسی وجہ سے کتب رجال میں توثیق کے محل میں

یہ لکھتے ہیں کہ فلاں صدوق عدل لیس بکاذب وغیرہ جس سے جھوٹا نہ ہونا بتصریح

معلوم ہوتا ہے ۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ راوی منفرد ہے کوئی اس کا تابع

نہیں اور روایت کی یہ کیفیت کہ ایک شخص مجذوب کا کلام جسکو خود خبر نہیں کہ

بڑبڑا رہا کیا کہ رہا ہوں پھر اُس حدیث کا مضمون کیسا کہ عیسیٰ قرآن میں غلطیاں نکالیگا

عجیب قسم کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے محدثین کے یہاں سلسلۃ الذہب مشہور ہے

معلوم نہیں کہ اس سلسلے کو اگر وہ دیکھیں تو کیا کہینگے ۔

اس روایت کے بعد ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۱۹) میں لکھتے ہیں کہ مکاشفہ مذکورہ بالا کے

مویدایک رویائے صالحہ ہے جسکو ایک بزرگ محمد نام خاص مکے کے رہنے والے عربی

نے دیکھا ہے کہ میں مشرق کی طرف کیا دیکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے

اتر آیا پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ سلام

میری زندگی میں اتر آئیگا اور میں اُسکو اپنی آنکھ سے دیکھ لونگا انتہے یہ بزرگ علم سے

سب بے بہرہ تھے عیسیٰ کو خواب میں دیکھتے ہی سچ مچ عیسیٰ سمجھ لیا اور یہ خیال جما لیا کہ عیسیٰ اپنی زندگی میں اتریگا۔ یہ تو مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام صفحہ (۸۵) میں لکھتے ہیں

کہ صدہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیز نظر آئی ہے اور دراصل اس سے

مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے انتہیٰ۔ یوسف علیہ السلام کو جو تعبیر کا علم دیا گیا تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے وہ تعبیر نہیں ہوتی۔ چنانچہ بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا کہ دبلی گایوں نے موٹی گایوں کو کھا لیا اسکی تعبیر قحط سالی دی گئی جس سے ظاہر ہے کہ سنین قحط گایوں کی شکل میں دکھلائے گئے تھے جن میں نہ صورتا مماثلت ہے نہ اسماً۔ اسی طرح تعبیر کی معتبر کتابوں میں مصرح ہے کہ جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھے وہ دور و دراز کا سفر کریگا یا طبیب بنیگا یا طاعت کی اسکو توفیق ہوگی تعجب نہیں کہ اس خواب کے بعد کسی صاحب نے مرزا صاحب کی زیارت کے شوق میں ہندوستان کے سفر دور و دراز کی مشقت گوارا کی ہو جس سے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی ہوگی۔ غرض کہ اس خواب کی تعبیر کو نہ عیسیٰ سے تعلق ہے نہ مثیل عیسیٰ سے اگر یورپ کا سفر بھی انہوں نے کیا ہو تو جب بھی تعبیر پوری ہو گئی۔ بہر حال اول تو وہ خواب اور وہ بھی ایک مجہول اور جاہل شخص کا جسکو تعبیر کا علم نہیں پھر تعبیر اسکی حسب تصریح کتب فن ایسی کہ جسکو مرزا صاحب کے مقصود سے کوئی تعلق نہیں اس پر وہ وثوق کہ اپنے عیسیٰ موعود ہونے پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہزارہا کتب تفسیر و حدیث سے جو ثابت ہے وہ تو بالائے طاق رکھا رہے اور ایسی روایتوں کی بنیاد پر مرزا صاحب کا نیا کارخانہ قائم ہو جائے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی بجز اس کے کہ آخری زمانہ کا مقتضا کہا جائے۔

اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۰۴) میں لکھتے ہیں کہ محمد یعقوب صاحب نے میرے پاس بیان
کیا کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم سے میں نے سنا ہے کہ آپکی نسبت
یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ
مامور کئے جائینگے ۔ مجھے یاد نہیں کہ اُس وقت کون کون موجود تھے مگر میاں عبد اللہ
سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرہ کے وقت موجود تھا اور میں نے
اپنے کانوں سے سنا ہے انتہیٰ ۔ اس روایت کے راوی فقط یعقوب صاحب
ہیں اور جس طرح کریم بخش کی توثیق کی گئی تھی اُن کی نہیں کی گئی ۔ اور روایت جو غزنوی صاحب
سے ہے اُس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کو اس غیب کی خبر کسی نے دی تھی یا مرزا صاحب
کی جودت طبع کو دیکھکر اپنا قیاس اُنہوں نے ظاہر کیا تھا ۔ پھر عظیم الشان کام کی تعیین
بھی نہیں اور نہ لغت یا عرف میں اُس کے معنی عیسویت کے ہیں ۔ غور کرنے کی
جگہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعیین اُن متعدد الفاظ سے
فرما رہے ہیں کہ وہ کسی دوسرے پر ہرگز صادق نہیں آسکتے یعنی عیسیٰ ابن مریم روح اللہ
مسیح آسمان سے اترینگے وہ تو قابل اعتبار نہ ہو اور غزنوی صاحب کا یہ کہدینا کہ مرزا صاحب
ایک عظیم الشان کام کے مامور ہونگے عیسیٰ موعود ہونے کے لئے کافی ہو جائے
کس قدر جرأت و بیباکی کی بات ہے ۔ جس کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
معمولی عظمت بھی ہو اُس سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا ۔

اب اہل انصاف سے ہم پوچھتے ہیں کہ جتنا وثوق و اعتماد مرزا صاحب کو الٰہی بخش اور
یعقوب صاحب اور بوٹا اور کنہیا لال اور روشن لال اور کنیشا مل پر ہے کیا مسلمانوں کو
امام مسلم و نسائی وغیرہ محدثین اور ان کے اساتذہ پر اتنا بھی نہ ہونا چاہیے ۔

مرزا صاحب تو اُن لوگوں کی روایت اپنے استدلال میں پیش کریں اور اُن کی امت اُسکو مان لے اور اہل اسلام اکابر محدثین کی روایتیں پیش کریں اور وہ قابل وثوق نہ سمجھی جائیں۔ ہمیں مرزائیوں سے شکایت نہیں اُن کو ضرور ہے کہ اپنے مقتدا کی بات مان لیں کیونکہ ہر فرقے والے کا یہی فرض منصبی ہے۔ اگر شکایت ہے تو مسلمانوں سے ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی بات نہ مان کر مرزا صاحب کی طرف مائل ہوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ لاکھ سے زیادہ مسلمان مرزائی ہو گئے اور برابر ہوئے جاتے ہیں۔ جس سے اُن کو یہ لازم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ہم خیال ہو کر احادیث کو قابل اعتبار نہ سمجھیں مسلمانوں کو نصاریٰ وغیرہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئیے کہ اپنے دین کی روایتوں پر وہ کس قدر وثوق رکھتے ہیں کہ کسی کی تشکیک وجرح کا اُن پر اثر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں بہت کچھ لکھا مگر کسی نے اُسکو قابل توجہ نہیں سمجھا اور بہت سے مسلمان ازالۃ الاوہام کو دیکھکر اپنے اعتقادوں سے پھر گئے۔ اگر پہلے ہی سے وہ لوگ برائے نام مسلمان تھے جن پر مرزا صاحب کا افسوں کارگر ہو گیا تو ہمیں اُن میں بھی کلام نہیں ایسے لوگوں کا دین اسلام سے خارج ہو جانا ہی اچھا ہے۔ ہمارا روئے سخن اُن حضرات کی طرف ہی جو لاعلمی سے مرزائی دین اختیار کر لئے ہیں اُن کو چاہئیے کہ ان امور پر اطلاع ہونے کے بعد توبہ کر کے تجدید اسلام کریں وما علینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اُس سے زیادہ تفسیروں کے وہ دشمن ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۲۶) میں لکھتے ہیں

کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے اور اُن کے دلی

دماغی قویٰ پر اثر ان سے پڑا ہے اس زمانے میں بلاشبہ کتاب الٰہی کیلئے ضرورت ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کے مزاحم ہو رہی ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۶) میں لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں انتہیٰ۔ ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے احادیث میں رخنہ اندازی کی کیسی کیسی تدبیریں نکالیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ راویوں نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کے پہنچانے میں خطا کی ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں والظن لایغنی من الحق شیئاً۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ جو حدیث بخاری میں نہ ہو وہ ضعیف ہے قابل اعتبار نہیں۔

بخاری شریف میں کئی قسم کی حدیثیں مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال صحابہ کے اقوال و افعال اور تابعین وغیرہم کے افعال واقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کی حدیثیں بحذف مکررات اگر اس میں دیکھی جائیں تو دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہونگی۔ حالانکہ محدثین کی تصریح اور عقل کی رو سے اگر دیکھا جائے تو تیئیس ۲۳ سال کی مدت نبوت میں لاکھوں باتیں آپ نے کی ہونگی جو کل حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب نے سوائے ان دو تین ہزار حدیثوں کے جو بخاری میں ہیں سب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ پھر بخاری کی حدیثوں میں بھی یہ احتمال کہ راویوں نے خطا کی ہوگی اور معراج کی حدیثیں باوجودیکہ بخاری میں

موجود ہیں عقلی احتمالات سے سب کو رد کر دیا اور تمام حدیثوں میں یہ کلام کہ اگر وہ صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہونگی والظن لا یغنی من الحق شیئاً۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے احادیث میں کیسے کیسے رخنے ڈال دئے اور ان کے مخالفین کو بھی دیکھ لیجئے کہ ان کا کیا دعویٰ ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ معجزات۔ معراج۔ علامات قیامت۔ جسمانی حشر۔ نزول عیسےٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ مباحث مختلف فیہ میں جس قدر احادیث وارد ہیں وہ قابل تسلیم ہیں اور مرزا صاحب کسی کو نہیں مانتے۔ اب غور کیا جائے کہ اگر وہ چوہوں کا الہام صحیح ہے تو مرزا صاحب چوہوں کی طرح حدیثوں کو کترتے ہیں یا اہل سنت۔ مرزا صاحب کو الہاموں کا تو دعوےٰ ہے مگر معنی نہیں سمجھتے۔

مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اس سے زیادہ وہ تفسیروں کے دشمن ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۲۶) میں لکھتے ہیں کتاب آلہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے ان کے دلی اور دماغی قویٰ پر اثر ان سے پڑا ہے اس زمانے میں بلاشبہ کتاب آلہی کی لئے ضرورت ہے کہ ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کرسکتی ہیں نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کے مزاحم ہورہی ہیں۔

مرزا صاحب تفسیروں پر نہایت خفا ہیں اور ان کے پہلے سرسید صاحب بھی بہت خفا تھے

چنانچہ تہذیب الاخلاق وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان صاحبوں کی کوئی خصوصیت
نہیں جتنے مذاہب باطلہ کے فرقے ہیں سب کا یہی حال رہا ہے وجہ اُس کی
یہ ہے کہ تفاسیر میں کل احادیث واقوال صحابہ جو ہر آیت سے متعلق ہیں۔
اُن میں پیش نظر ہو جاتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو نئی بات تراشنے کا موقع
نہیں ملتا اور اگر مل بھی گیا تو کوئی ایماندار اس کو نہیں مانتا اس لئے کہ وہ جانتے
ہیں کہ ہر آیت قرآنی میں جو حق تعالے کی اصل مراد ہے اسکو حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم ہی جانتے تھے اس لئے کہ قرآن حضرت پر ہی نازل ہوا ہے اور
چونکہ صحابہ ہمیشہ حاضر خدمت رہتے تھے اُن کو ہر آیت کے اترنے کا موقع اور
شان نزول وغیرہ اسباب وقرائن معلوم رہتے تھے جس سے مضمون مقصود
آیت کا خود سمجھ میں آجاتا اور جب حضرت پڑھ کر سناتے تو جو غوامض معلوم نہ ہوتے
پوچھ لیتے تھے یا خود حضرت بیان فرما دیتے پھر حضرت کی مجلس مبارک
میں بلکہ اس زمانے میں سوائے خدا کی باتوں کے کسی چیز کا ذکر ہی نہ تھا خواہ
کوئی دنیوی کام ہو یا دینی وقائع گزشتہ ہوں یا آئندہ سب کی تعلیم حق تعالے اپنے
کلام پاک سے فرما دیتا اگر کوئی اعتقاد یا عمل کسی کا خلاف مرضی الٰہی ہوتا تو فوراً وحی
اتر آتی چنانچہ صحابہ کہتے ہیں کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں
تشریف رکھتے تھے ہم اپنی بی بیوں سے معاشرت کرنے میں ڈرتے رہتے
تھے کہ کہیں ایسی بے موقع کوئی بات ہمارے نہ ہو جس کے باب میں وحی اُتر آئے
اور قیامت تک مسلمانوں میں اس کا ذکر ہوتا رہے۔ الغرض علاوہ فہم قرآن
کے اُن کے حرکات سکنات اعمال اخلاق اعتقادات تمام کل مطابق

قرآن شریف کے ہو گئے تھے اور فیضان صحبت نبوی اور روزمرہ کی مزاولت اور ممارست کی وجہ سے اُن کو مضامین قرآنیہ کا ملکہ ہو گیا تھا اور اُن کے سینے نور وحی سے منور تھے اُن کے دلوں میں قرآن ایسا سرایت کئے ہوئے تھا جیسے روح جسد میں الحاصل مختلف اسباب اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ اصل معانی قرآن کا علم صحابہ کو بخوبی حاصل تھا اور چونکہ تفسیر بالرائے کو وہ کفر سمجھتے تھے اس وجہ سے یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ جن آیات کی تفسیریں صحابہ سے مروی ہیں وہی حق تعالیٰ کی مراد ہیں اُس کے خلاف کوئی ہندی پنجابی وغیرہ قرآن کی تفسیر کرے تو وہ خدائے تعالےٰ کی ہرگز مراد نہیں پھر صحابہ کا کمال علم اور جوش طبیعت اور ترغیب ابلاغ اور ترہیب کتمان علم وغیرہ اسباب کا مقتضا یہی تھا کہ اسلامی دنیا آفتاب علم سے مثل نصف النہار روشن ہو جائے چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ جہاں تک اسلام کی روشنی پھیلتی گئی اُس کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی روشنی بھی پھیلتی جاتی تھی۔ تابعین صحابہ کے علوم سے مالا مال تھے اور اُن کے علوم سے تبع تابعین وعلی ہذا القیاس۔ انہیں حضرات نے اُن تمام علوم کو اپنی مفید تصانیف میں درج کر دئے جن کی بدولت ہم آخری زمانے والے بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت معنوی سے محروم نہیں ہیں۔

اُن حضرات کے جس قول کو دیکھئے ہزاروں تفاسیر وغیرہ کتب دینیہ میں موجود ہے مثلاً ابن عباسؓ کا کوئی قول کسی آیت سے متعلق دیکھا جائے تو ہزاروں کتابوں میں بعینہ وہ قول یا اُس کا مضمون مل سکتا ہے اسی طرح صحابہ کے کل اقوال اور احادیث ہزاروں کتابوں میں ملتی ہیں جس سے بتواتر اُن کا ثبوت ظاہر ہے

گو ابتدا میں یہ تواتر نہ تھا مگر جب متقدمین اور معتمد علیہ اشخاص نے اپنی کتابوں میں
اُن احادیث و آثار کو ذکر کیا تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ اُن کو اُس کے ثبوت
کا یقین ضرور تھا پھر جب ہزاروں معتمد علیہ علما کا یقین اُن روایات کے
ثبوت پر ہم تک پہنچا تو ہمیں اُن کے ثبوت میں شک کرنے کا کوئی موقع
نہیں جب تک یقینی طور پر اُن کا غلط ہونا یا من جمیع الوجوہ نصوص قطعیہ کا معارض
ہونا ثابت نہ ہو جائے چنانچہ مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا مناظرہ
مسئلہ عرض الحدیث علی القرآن میں جو ہوا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ کسی معتبر عالم کا
کتاب میں لکھدینا مرزا صاحب اعتقاد کے لئے کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام (صفحہ ۸۸۲)
میں لکھتے ہیں کہ صاحب تلویح نے لکھا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث
علی القرآن بخاری میں موجود ہے اب اُس کے مقابلے میں یہ عذر پیش کرنا کہ نسخجات
موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں اُن میں یہ حدیث موجود نہیں سراسر
ناسمجھی کا خیال ہے جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت
رویت سے اُس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے تو صاحب تلویح
کی شہادت بالکل نکمی نہیں ہو سکتی۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے
اگر صاحب تلویح کا ذب ہوتا تو اسی زمانے کے علما کی زبان سے اُس کی
تشنیع کی جاتی اور اُس سے جواب پوچھا جاتا اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں
گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اُس کی روایت صحیح تھی انتہی ملخصاً
مقصود یہ کہ وہ حدیث گو اب بخاری میں نہ پائی جائے۔ مگر جب صاحب
تلویح نے صحیح بخاری سے نقل کی ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ بخاری

میں مذکور ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک جماعت کثیرہ ایسے علما کی جن کے سلسلۂ تلامذہ میں صاحب تلویح جیسے ہزاروں افراد منسلک ہیں احادیث و آثار کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو اُن کی اس شہادت کے مقابلے میں اگر کوئی دعوئے نفی کرے تو کیونکر وہ قابل قبول ہوگا۔ اگر اُن کی بات غلط ہوتی تو اُسی زمانے کے علماء اُن پر تشنیع کرتے اور جبکہ کسی نے اُن پر تشنیع نہیں کی تو اب مرزا صاحب کا ازالہ الاوہام صفحہ (۲۵۰) میں یہ لکھنا کہ لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے خود انہیں کے قول پر ہرگز قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ الغرض ہر آیت کی تفسیر احادیث و آثار سے جب ہمیں بہ تواتر پہنچے اور یقین ہو گیا کہ وہی معنی حق تعالیٰ کی مراد ہیں تو ایمان داروں کا ایمان اس بات کو کیونکر گوارا کریگا کہ کسی کے دل سے گھڑے ہوئے معنی کو مان کر عذاب الٰہی کا مستحق بنے کیونکہ جو معنی خلاف اُن تفاسیر کے ہیں وہ قرآن کے معنی ہی نہیں اب اُس معنی کو مان کر قرآن کے اصلی معنی پر ایمان نہ لانا قرآن کے ایک حصہ کو چھوڑ دینا ہے جس کی نسبت سخت وعید وارد ہے کما قال تعالیٰ اَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ۔

ترجمہ کیا تم ایمان لاتے ہو تھوڑی کتاب پر اور منکر ہوتے ہو تھوڑی کتاب سے پھر جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اُس کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں اُس کی رسوائی ہو اور قیامت کے روز سخت سے سخت عذاب میں پہنچایا جائے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔ اب دیکھئے کہ پورے قرآن پر ایمان لانیکی بجز اس کے اور کونسی صورت ہے کہ ہر آیت کے جو معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہیں اس پر ایمان لایا

اور یہ بات بغیر کتب تفاسیر کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس صورت میں کتب تفاسیر کی مسلمانوں میں کس قدر وقعت ہونی چاہئیے اور حضرات مفسرین کے کس قدر شکر گزار ہونا چاہئیے کہ قرآن کے اصلی معنی کی حفاظت کر کے مسلمانوں کو کیسی کیسی بلاؤں سے نجات دی سب بے ایمانی سے بچالیا۔ خود غرضوں کے داؤ پیچ سے امن میں رہنے کے لئے ایک مضبوط حصار کھینچ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے معنی میں کوئی شبہ ڈالے تو حدیث سے اُسکو صاف کرلو کیونکہ اہل حدیث جو مفسرین قرآن ہیں اُن کو خوب جانتے ہیں چنانچہ امام سیوطی رحمہ نے درمنثور میں دارمی سے یہ روایت نقل کی ہے اخرج الدارمی عن عمر بن الخطاب قال انہ سیاتیکم ناس یجادلونکم بشبہات القرآن فخذوہم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ یعنی عمر رضہ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑا کرینگے سو اُن کو حدیثوں سے الزام دو اس لئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں انتہی مفسرین نے یہی کام کیا کہ ہر آیت سے متعلق جو احادیث و آثار صحابہ ہیں سب کو ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ اہل شبہات کو الزام دینے کا سامان اور سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے جس سے مرزا صاحب سخت ناراض ہیں۔ دراصل یہ حق تعالے کا فضل اور اُس وعدے کا ایفا ہے جو اپنی کتاب مجید کی ہر طرح حفاظت کا ذمہ لیا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ یعنی ہمنے قرآن کو اُتارا اور ہم ہی اُس کی حفاظت کرینگے۔ اب دیکھئے کہ اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو وہ معنی جو حق تعالیٰ کی مراد ہیں کیونکر محفوظ رہتے اور ہزاروں بے دین اور دجال جن کے نکلنے کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا دی ہیں جو شبہات پیدا کر کے اپنے دل سے نئے نئے معنی گھڑ لیتے اُن سے بچنے کی

کیا صورت ہوتی۔ اور کونسی تدبیر قرآن کے اصلی معنی سمجھنے کی تھی جس کی نسبت ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی قرآن ہم نے عربی اتارا تاکہ سمجھو غرض مفسرین من جانب اللہ اس کام پر مامور ہوئے کہ قرآن کے نظم و معنی کی پوری پوری حفاظت کریں اور باطل اُس میں کسی طرف سے آنے نہ پائے جیسا کہ ارشاد ہے لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ یعنی قرآن میں نہ روبرو سے باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو علاوہ دوسرے ملاحدہ کے خیالات کے جو سیکڑوں ابتک گزرے مسمریزم وغیرہ خرافات بھی قرآن میں داخل ہو جاتے ہر چند لوگ بہت چاہتے ہیں کہ قرآن میں تغیر و تبدل کردیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی چاہتے ہیں کہ قرآن کو بدل دیں۔ مگر کسی سے کیا ہو سکتا ہے تفاسیر نے اُس سے سب کو روک دیا اور جب تک حق تعالیٰ کو منظور ہے ایسا ہی روکتی رہینگی۔ اہل انصاف غور کریں کہ جو لوگ تفسیریں اپنے دل سے گھڑ کے پیش کرتے ہیں کیا اُن کی نسبت یہ حسن ظن ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں اُن کا مقصود تو علانیہ یہی ہے کہ کلام الٰہی کو بدل کر اُن کو بے ایمان بنا دیں۔ اس دعوے کی توضیح اس سے بخوبی ہو سکتی ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ یعنی مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے اگر کوئی اس کے یہ معنی سمجھے کہ میتہ اور دم اور لحم خنزیر چند آدمیوں کے نام تھے اُن کی حرمت کا حکم اس آیت میں ہے اور یہ کہے کہ مردار اور خون اور گوشت خنزیر سے اسکو کوئی تعلق نہیں یہ سب چیزیں حلال ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اس اعتقاد والے کو یہ سمجھیگا

کہ اُس کا ایمان اس آیت پر ہے ہرگز نہیں ایسا شخص بے ایمان کس وجہ سے سمجھا جائیگا
اسی وجہ سے گو وہ قسم کھا کر کہے کہ میں اس آیت کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں۔ کہ اُس نے مخالفت
ایسے معنی کی کی جو احادیث اور اقوال صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ورنہ
ان الفاظ کے معانی قرآن میں کہیں نہیں جن کی مخالفت کا الزام اس پر لگایا جائے
غرض یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جو معانی قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہیں وہی ایمان لانیکے
قابل ہیں اور جو معنی اُس کے خلاف میں کوئی اپنی طرف سے تراش لے اُس کو قبول
کرلینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ابو منصور نے اپنی جماعت کو سمجھا دیا تھا کہ میتہ وغیرہ
کسی کے نام تھے انہیں کی حرمت تھی مردار و خنزیر کے گوشت سے اس آیت
کو کوئی تعلق نہیں وہ سب چیزیں حلال ہیں اور فرقۂ منصوریہ کا یہی اعتقاد ہے
مسلمانو اگر تمکو خدا اور رسول کی مراد پر ایمان لانا ہے تو اپنے اسلاف کی تفسیروں کو اپنا
مقتدا بنا رکھو ورنہ ابو منصور کی طرح جس کا جو جی چاہے گا کہکر گمراہ کر دیگا اور تم کچھ
نہ سمجھ سکو گے کہ ہم کونسی راہ چل رہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ جو شخص چند آیتوں میں کسی غرض ذاتی
کی وجہ سے تصرف کر کے اُن کے معنی بدل ڈالے اور دوسری آیتوں کے ساتھ
کوئی غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے اُن میں تصرف نہ کرے تو وہ اتفاقی سمجھا جائیگا
کیونکہ چند آیتوں کے معنی بدلدینا اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اُس کی طبیعت
میں بے باکی اور جرأت ہے جب کبھی کسی آیت میں تصرف کرنے کی ضرورت
ہو گی تو فوراً تصرف کریگا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ عدم تصرف بھی
تصرف ہی کے حکم میں ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ چند منافق باوجود

حکم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں نہ نکلے اُن کی نسبت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ آئندہ ہمراہی کی درخواست بھی کریں تو فرما دیجئے کہ تم لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے کما قال تعالیٰ فَإِنْ رَجَعَكَ اللّٰهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا ۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک بار اُن کی بے باکی معلوم ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے اُن کا عدم امتثال ثابت ہوگیا اب وہ کتنا ہی کہیں کہ ہم ہمراہ رکاب چلنے کو حاضر ہیں ہرگز اعتبار کے لائق نہیں ہو سکتے صدیق اکبرؓ کی خلافت میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا حالانکہ نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کے قائل اور عامل تھے مگر اُن کا کچھ اعتبار نہ کیا اور صاف اُن کے ارتداد کا حکم دیدیا۔

مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت کی غرض سے کئی آیتوں کے معنی بدل دئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا تو اب اُن کی وہ تفسیر کیونکر قابل اعتبار رہ سکتی ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں کہ بلاشبہ کتاب الٰہی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے۔ اور لکھتے ہیں کہ کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو خراب کیا ہے۔ اس نئی تفسیر میں احادیث و اقوال صحابہ وغیرہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اگر یہ پرانی چیزیں بھی اُس میں مذکور ہوں تو جدت پسند طبائع اُس کو قبول نہ کرینگے اور پھر وہ نئی ہی کیا ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ وہ تفسیر صرف اُن کی رائے سے ہوگی جس کی ممانعت ہے اور مرزا صاحب بھی تفسیر بالرائے کو کفر بتاتے ہیں۔ اور اگر تھوڑے احادیث واقوال لکھے جائیں اور تھوڑے نہ لکھے جائیں تو وہ ترجیح بلا مرجح ہوگی پھر مرجح یہ ہوگا

کہ مرزا صاحب اپنی اغراض کو پوری کرنے کے لئے جن احادیث و اقوال کو مناسب سمجھینگے ذکر کرینگے اور جن کو مخالف سمجھینگے اُن کو عقل کے خلاف قرار دے کے رد کر دینگے اور آیت کو تاویل کر کے اپنی طرف کھینچ لینگے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام الٰہی مرزا صاحب کی غرض کے پیچھے پیچھے رہے نعوذ باللہ من ذٰلک یہ نئی تفسیر جو اکثر احادیث و آثار کے خلاف میں ہوگی مسلمانوں کے کس کام آسکتی ہے۔ اُس کا تو منشا یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کی تفسیر کی ہے وہ غلط ہے اس لئے اس نئی تفسیر کی ضرورت ہوئی پھر کیا مسلمان لوگ یہ مان لینگے کہ اپنے نبی کی بات غلط ہے اور اگر مان لینگے تو کیا پھر یہ دعوے بھی کرینگے کہ ہم امت محمدیہ میں ہیں۔ میری رائے میں کوئی مسلمان کتنا ہی گناہگار ہو تاہم بھی ضعیف الاعتقاد نہ ہوگا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ احادیث و آثار کو ساقط الاعتبار کر کے صرف قرآن پر اپنے دعاوی کا مدار رکھتے ہیں اور اُس کے معنی جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں بدل دیا کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا کَلَامَ اللّٰہِ یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ اور جب قرآن ہی بدل دیا جائے اور احادیث متروک ہوجائیں تو ظاہر ہے کہ دین ہی بدل دیا گیا کیونکہ دین وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا تھا ایسے لوگوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ یعنی کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں وہ اور دوسرے دین کی خواہش کرنیوالوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے قولہ تعالےٰ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ

دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ

قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ

اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ترجمہ جو کوئی سوائے اسلام کے اور دین چاہے سو اُس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ لوگ آخرت میں نقصان پائینگے۔ کیونکر ہدایت کریگا اللہ ایسے لوگوں کو جو منکر ہوگئے ایمان لاکر اور گواہی دی کہ رسول سچا ہے اور پہنچ چکیں اُن کو نشانیاں اور اللہ ہدایت نہیں کرتا بے انصاف لوگوں کو ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی پڑے رہینگے اُس میں ہلکا نہ ہوگا ان پر عذاب اور نہ اُن کو مہلت ملیگی انتہی۔ اس آیہ شریفہ میں سزائیں خاص اُن لوگوں کی ہیں جو مسلمان کہلاکر دوسرا دین اختیار کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی بھی گواہی دیتے ہیں یہ بات برابر اُن لوگوں پر صادق آتی ہے کہ قرآن کے معنی اپنی طرف سے بناکر نیا دین نکالتے ہیں۔ الحاصل ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ کتب تفاسیر کو چھوڑنے میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے صرف الدین النصیحۃ کے لحاظ سے یہ کہنے کی ضرورت ہوئی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

پہلا حملہ حدیث وتفسیر ہی پر تھا جتنے ملاحدہ گذرے ہیں سب کا حملہ تفاسیر پر ہوا کیا کیونکہ ہر ایک مسئلہ ان کتابوں میں مختلف روایات سے وارد ہونیکی وجہ سے

ایسا مصرح اور مفصل ہو جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بات بنانے کا موقع نہیں مل سکتا بخلاف اس کے ان کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک ہونے لگے تو ہر ایک کو تاویلات کی خوب گنجائش مل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نمازوں کی تعیین اور تعداد رکعات وغیرہ میں کمی و زیادتی کی گنجائش اُن لوگوں کو مل گئی تھی اگر احادیث و تفاسیر پر اُن کے اتباع کا اعتماد ہوتا تو اس کا موقع ہی نہ ملتا۔

حقتعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا ہے گو مفصل ہے مگر پھر بھی سب میں ایک قسم کا اجمال ہے جس کی تفصیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور کل امور قرآن شریف میں بالتفصیل بیان کئے جاتے تو ما اٰتاکم الرسول فخذوہ یعنی جو کچھ رسول تمکو دیں اُس کو لو فرمانے کی ضرورت ہی نہ رہتی اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے چنانچہ امام سیوطی رحہ نے درمنثور میں روایت کی ہے واخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک ابن انس عن ربیعۃ قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ انزل الکتاب وترک فیہ موضعا للسنۃ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن تو نازل فرمایا مگر حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ حدیث۔ تفسیر سے مخالفت کرنا چاہتے ہیں اُن کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کو اُن کے معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی پر منطبق کر دیں اس کا نام الحاد ہے۔ کیونکہ معنی الحاد کے لغت میں مائل ہونے اور مائل کرنے اور حق سے عدول کرنے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں مصرح ہے اور امام سیوطی رحہ نے درمنثور میں روایت کی ہے اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالیٰ ان الذین یلحدون فی اٰیاتنا قال ہو ان یوضع الکلام علی غیر موضع یعنی ابن عباسؓ ان الذین یلحدون کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ الحاد کے

معنی یہ ہیں کہ کلام کے اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے معنی لئے جائیں اور نیز درمنثور میں

ہے۔ واخرج احمدؒ فی الزہد عن عمر بن الخطابؓ قال ان ھٰذا القرآن کلام اللہ فضعوہ

علی مواضعہ ولا تتبعوا فیہ اھوائکم یعنی یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس کو اس کے

مواضع اور معانی پر رہنے دو اور اپنی خواہشوں کو اس میں دخل مت دو اسکی

اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے معنی لینے میں اصلی معنی کی تکذیب ہو جاتی ہے

چنانچہ درمنثور میں ہے واخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید عن قتادہ رضی اللہ عنہ قال

الالحاد التکذیب۔ اب دیکھئے کہ حق تعالے عیسےٰ علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے

یحی الموتٰی باذن اللہ لغت میں احیا کے معنی زندہ کرنے کے ہیں اور احادیث

وآثار سے بھی وہی معنی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسمریزم سے

قریب الموت بیماروں کو حرکت دیتے تھے صرف یہ ایک ہی نہیں ہر جگہ وہ ایسا ہی

کیا کرتے ہیں الغرض ان تمام روایات وآیات سے ثابت ہے کہ ایسے معنی

آیۂ شریفہ کے قرار دینا الحاد اور تکذیب قرآن ہے جس کی نسبت حق تعالے

فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ

خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ترجمہ جو الحاد کرتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ

ہم سے چھپ نہیں سکتے کیا جو ڈالا جائیگا دوزخ میں بہتر ہے یا وہ جو آئیگا امن سے

قیامت کے دن۔ یعنی الحاد کرنے والے خدائے تعالے سے چھپ نہیں

سکتے وہ قیامت کے روز دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ ہم صرف بلحاظ خیر خواہی کے

آیات واحادیث کو پیش کر رہے ہیں۔ اس پر بھی اگر توجہ نہ فرمائیں تو مجبوری ہے وما

علینا الا البلاغ حق تعالے فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ

عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ترجمہ اُس سے زیادہ کون ظالم ہے جس کو آیات
اُس رب کی یاد دلائی جائیں تو اُن سے مُنہ پھیر لیتا ہے ہم گناہگاروں سے
بدلا لینے والے ہیں الحاصل آیات قرآنیہ کے نئے معنی تراشنا ایک قسم کی تحریف و تبدیل
ہے جس کی نسبت سخت وعیدیں وارد ہیں اور اس تحریف کی حفاظت صرف کتب
تفسیر سے متعلق ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب بھی براہین احمدیہ صفحہ (۱۱۰) میں لکھتے ہیں
کہ قرآن شریف کا محرف و مبدل ہونا اس لئے محال ہے کہ اللہ تعالے اُس کا حافظ
ہے لاکھوں مسلمان اُس کے حافظ ہیں ہزارہا اُس کی تفسیریں ہیں۔
مرزا صاحب کے تدین و انصاف سے توقع ہے کہ ہرگز اعتراض نہ فرمائینگے۔ اہل بصیرت
پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ آیات قرآنی میں الحاد کرتے ہیں اُن کی غرض یہی
ہوتی ہے کہ جھگڑا کر کے اپنے تراشے ہوئے معنی کو ثابت کریں اور معنی حقیقی کو
باطل کر دیں یہ کس قدر دیانت کے خلاف ہے حق تعالے فرماتا ہے وَجَادَلُوا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ترجمہ
اور مجادلہ کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تاکہ ناچیز کر دیں حق کو پھر میں نے
پکڑ لیا اُن کو تو میرا عذاب کیسا تھا۔ اور دُر منثور میں امام سیوطی رحؒ نے یہ روایت
نقل کی ہے۔ عن ابی ہریرہ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جدالا
فی القرآن کفر یعنی قرآن میں جھگڑنا کفر ہے حق تعالے اس بلا سے سب
مسلمانوں کو بچا دے اور پورے قرآن پر ایمان نصیب کرے۔
اب مرزا صاحب کے دلائل سنئے جو اپنی رسالت و عیسویت پر قائم
کرتے ہیں یہ امر کسی مسلمان پر پوشیدہ نہیں کہ رسالت اور نبوت کا

درجہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تمام مدارج سے اعلیٰ اور ارفع ہے
اور جن بندگان خاص کو حق تعالیٰ نے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا ہے
اُن کو اپنے فضل و کرم سے گناہوں سے محفوظ رکھکر خلق میں ایسا نیک نام
اور نیک رو بہ رکھا کہ کوئی اُن کو دیکھنے کے بعد کسی قسم کے رذائل کا الزام
اُن پر نہ لگا سکا جو لوگوں کی نگاہ میں اُن کو ذلیل و خفیف کرنے والے ہوں مثلاً
یہ کسی نبی کی نسبت الزام نہیں لگایا گیا کہ دغا باز جھوٹا۔ بد معاش یا مال مردم خوار
وغیرہ ہے۔ یوں تو جتنے رذائل اور بدنما افعال ہیں سب سے انبیا معصوم اور محفوظ
تھے لیکن زیادہ تر اہتمام اس کا رہا کہ مال مردم خوار ہونے کا الزام نہ آنے پائے
کیونکہ یہ ایسی بری صفت ہے کہ بالطبع آدمی کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے
اور ایسے آدمی کو کوئی اپنے پاس آنے نہیں دیتا اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہمارے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اہل بیت پر صدقہ اور زکوٰۃ پہلے ہی حرام فرمادیا اس کے
بعد عام حکم ہوگیا کہ ہر مسلمان جس کے پاس تھوڑا بھی مال ہو وہ صدقہ اور ضرورت سے
کسی قدر زائد ہو تو وہ زکوٰۃ دیا کرے۔ ایسی حالت میں حضرت کو لوگوں کا مال عمومی مصالح کے
لئے لینے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہا اسی وجہ سے خود بنفس نفیس صدقے مانگ لیتے
اور فقرا اہل اسلام و یتامیٰ وغیرہ کے مصالح میں تقسیم فرما دیتے اور کسی کو اس وہم کا
موقع ہی نہ ملتا کہ وہ رقم حضرت اپنے ذاتی اغراض میں صرف کرنے کے لئے
وصول فرماتے ہونگے۔ اور حالت ظاہری بھی اسی کو ثابت کرتی تھی کہ حضرت کو
اس مال سے کوئی ذاتی تعلق نہیں کیونکہ فقر و فاقہ کی یہ کیفیت رہا کرتی تھی
کہ دو دو مہینے چولھا نہیں سلگتا تھا صرف چھوہاروں کے چند دانوں پر اوقات بسری

ہوتی اور صدقات وغیرہ کا جس قدر مال آتا فقرا وغیرہ میں صرف ہوجاتا یہی وجہ تھی کہ وفات شریف کے وقت کسی قسم کا مال واسباب و مکان عالیشان ورثہ کے لئے نہیں چھوڑا۔ ان تمام مشاہدات کے بعد کیا ممکن ہے کہ کسی قسم کی بدگمانی ہوسکے ہرگز نہیں۔ اگر مرزا صاحب کو نبوت اور رسالت خدا کی طرف سے ملتی تو خدائے تعالے اُن کو بھی بدنما الزاموں سے محفوظ رکھتا مگر ایسا نہ ہوا جیسا کہ اُن کی کارروائیوں سے ظاہر ہے۔

مولوی الٰہی بخش صاحب جو مرزا صاحب کے قدیم دوست اور سالہا سال اُن کے رفیق رہے ہیں جن کو خود مرزا صاحب نے متقی اور پرہیزگار فرمایا ہے وہ اپنی کتاب عصائے موسےٰ میں مرزا صاحب کا حال لکھتے ہیں کہ وہ کیوڑا بید مشک کی سی وزنی گاگریں[1] مسافت دور و دراز سے بصرف زر کثیر منگوا کر استعمال فرماتے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں لگی رہتی ہیں اور برف ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ مرغی انڈا۔ مشک۔ پلاؤ۔ زردہ پشمینہ قالین لحاف وغیرہ میں مستغرق اور منہمک ہیں اور بادشاہوں کی طرح جائداد و زیور۔ باغات۔ محل مکانات۔ مقبرے۔ منار گھنٹہ گھر (کلاک ٹاور) اور منار روشنی (لاٹ ٹاور) وغیرہ غریبوں کے مال سے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے اپنی تفریح اور یادگار بناتے ہیں۔ صرف ایک یادگاری منارۃ المسیح جس میں گھڑی جنگل میں وقت بتانے کو اور لالٹین روشنی جانے کو لگائی جائیگی تعمیر کرنے کے واسطے دس ہزار روپے چندہ کے لئے اشتہارات شائع کئے گئے یہ ترفہ اور فارغ البالی اور عیش و عشرت عموماً امرا کو بھی نصیب نہیں یہ سب جعلی نبوت کا طفیل ہے جس کا حال ہم نے ابتدائے کتاب میں لکھا ہے۔

[1] گاگر اسم مونث:- لوہے یا تانبے کا تھیرا جس میں پانی گرم کرتے ہیں پانی کا گھڑا ۱۲ محمد دین۔

جب عقلی معجزات مرزا صاحب صدہا تراشتے ہیں تو غور کیا جائے کہ خاص مال فراہم کرنے کی تدابیر کس قدر سوجتی ہونگی

عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب تصویریں اپنی اور اپنے اہل بیت کی اور خاص جماعت کی اقسام اقسام کی اُتر واتے ہیں اور اخباروں میں اُن کی اشاعت اور خریداری کی ترغیب و تحریص ہوا کرتی ہے۔ جس سے لاکھوں کی آمدنی متصور ہے اس کے سوا ماہواری چندے اقسام کے مقرر ہیں جن کا کچھ حال اوپر معلوم ہوا۔ اسکے سوا صاحب عصائے موسیٰ نے اپنے ذاتی معلومات جو اُس میں لکھے ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔ عصائے موسیٰ صفحہ (۴۲۶) میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب غور فرمائیں کہ وَاِذَا اُؤْتُمِنَ خَانَ میں جو روپیہ سراج منیر چودہ سو روپے کی لاگت والی براہین کی قیمت میں آیا اُسکو دوسری جگہ اپنی خانگی و نفسانی حاجات میں خرچ کرنا داخل ہے یا نہ۔ رسالہ سراج المنیر کے چندہ دینے والے و براہین کے خریدار کئی تو مر گئے اور بہت باقی بھی ہیں جو حسب وعدہ ہائے مرزا صاحب ہر دو کتب کے منتظر و امیدوار ہیں۔ نیز وہ روپیہ جو مرزا صاحب کے حساب میں آپ کو کہکر بایں غرض جمع کیا گیا تھا کہ جب رسالہ موعودہ برائے مسٹر الگزانڈر وب امریکہ والا تیار ہو گا تو اس روپیہ سے ترجمہ کرایا جائیگا۔ سو وہ رسالہ تو وعدۂ وعید میں نابود ہو گیا اور اُس کے ساتھ ہی وہ روپیہ بھی خورد و برد ہوا۔ پھر جو روپیہ مسجد کے واسطے جمع ہوا وہ کہاں گیا۔ براہین کی نسبت شاید یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دیدیا ہے۔ اس لئے بری الذمہ ہو گئے۔ لیکن اس میں یہ غرض ہے کہ اولاً تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہ تھی۔ ثانیاً وہ اشتہار سب روپیہ دہندگان

کے پاس کہاں بھیجا گیا ہے۔ فقط اپنے مریدین میں ہی اس کی اشاعت کافی سمجھی
گئی تھی۔ تاالشا اس اشتہار میں بھی ایسا فن حکمت و چالاکی کی کہ بیچارے مظلوم شرم
ولحاظ سے مطالبہ روپے کی جرأت نہ کریں اور اگر کریں بھی تو مرزا صاحب کے کسی
معتبر کا سارٹیفکٹ پیش کریں۔ ایک آشنا نے مجھ سے پوچھا کہ بقیہ براہین خدا جانے
کب آوے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی بقیہ پر کوئی امید نہیں کیونکہ مرزا صاحب
اس کی قیمت واپس کرنے کا اشتہار دے چکے ہیں۔ وہ بولا کہ ہمکو تو خبر ہی نہیں ہوئی
بھلا اب روپیہ ملجائیگا۔ میں نے کہا ہاں اگر آپ روپیہ دینے کا سارٹیفکٹ دیدیں
تب اس نے کہا کہ جس کی معرفت ہم نے روپیہ دیکر کتاب منگوائی ہے وہ تو مر گیا
فقط اسی پر دوسرے بیچارے خریداروں کا قیاس کرلینا چاہئیے۔ پھر جن لوگوں نے
براہین کے واسطے سینکڑوں روپے دئے تھے وہ اشتہار ان کے پاس بھی نہیں
پہنچا۔ اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو جیسا کہ عاجز کو ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ہمنے
روپیہ دہندگاں کے نام روپیہ کی کتاب کھولی ہے تو اس کو قائم رکھتے اور
اس کے موافق سب کو روپیہ واپس دیدیتے اگر کوئی لینے سے انکار کرتا تو پھر
آپ کا مال تھا۔ ویا اول روپیہ دہندگان وخریداران کو حسب ضابطہ رسید بھی
دی ہوتی تا اس کو پیش کر کے روپیہ وصول کرسکتے۔ یہ حق العباد تھا۔ اس بارے میں
جس قدر سعی واہتمام ہوتا ثواب وعبادت میں داخل تھا۔ خیر یہ تو براہین کے روپیہ
کا حال ہوا۔ باقی سراج منیر ومسٹر انگلزنڈروب والے روپیہ کا کیا عذر ہے علی ہذا القیاس
اور بہت۔ قوم جو کہیں کی کہیں خرچ ہوئیں یہ سب کیوں ازالہ اوہام میں داخل نہیں
ازالہ اوہام میں جو وعدے نسبت براہین احمدیہ جلد اول اعلان سرورق جلد اول و

دوم میں ہیں کہ ضخامت سو جز سے زیادہ ہوگی۔ قیمت اول پانچ پھر دس پھر پچیس

اور اقرار کہ اس کی طبع میں آئندہ کبھی توقف نہیں ہوگا۔ جلد سوم کے سرورق پر

فرمایا اب کتاب تین سو جز تک پہنچ گئی ہے اور اخیر صفحے پر اُس کی قیمت

ایک سو روپیہ قرار دے کر فرمایا کہ اگر اس کے عوض عدہ تا ۱۰۰ روپیہ بھی مسلمان

پیشگی نہ دیں تو پھر گویا کام کے انجام سے خود مانع ہونگے (اس فقرہ کی تحریر سے

مرزا صاحب کے اپنے رئیس اعظم صاحب جائداد ہونے اور ہزار ہا روپیوں کے اشتہارات

دینے کی حقیقت و ماہیت بھی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ جو کچھ ملے پیشگی ملے)

جلد چہارم میں آخرکار فرمایا کہ اُس کا متولی ظاہراً و باطناً رب العالمین ہے اور کچھ

معلوم نہیں کہ کس اندازہ و مقدار تک اُس کو پہنچا دے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر

اُس نے جلد چہارم تک انوار حقیت اسلام ظاہر کئے ہیں اتمام حجت کے لئے

کافی ہیں زندگی کا اعتبار نہیں وغیرہ الخ افسوس راستی موجب رضائے خداست

پر جس کا عاجز کو الہام ارشاد ہوا ہے خیال کر کے یہ نہ فرمایا کہ مصالحہ اندوختہ

ختم ہو چکا ہے اور جو ہمنے تین سو دلائل کا قید تحریر میں آکر طیار ہونا لکھا تھا

غلط تھا اس لئے آئندہ تولیت سے دست بردار ہوتے ہیں اور روپیہ وصول شدہ

حق العباد کی عباد اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔ پھر وعدہ رسالہ سراج منیر جس کا

چودہ سو روپیہ کے صرف سے طبع کا اعلان ۱۳۰۴ھ سرورق شحنہ حق پر ہوا

تھا جس کے لئے کئی مقامات سے خاطر خواہ چندہ آگیا تھا اور جس کی

نسبت خاکسار نے جب مرزا صاحب انبالہ میں تشریف رکھتے تھے

بذریعہ خط وعدہ خلافی کی شکایت کی تھی تو مرزا صاحب اس پر درہم برہم ہو کر

نکلا ہوئے تھے یہ ۱۸۸۶ء کا ذکر ہے جب سرمہ چشم آریہ چھپا تھا اور اُس کے
سرورق پر اُس کی قیمت عام سے اور خاص ذی استطاعت سے جو بطور
امداد دیں اس شرط و وعدے پر مقرر کی کہ سراج منیر اور براہین کے قسم
سے سرمایہ جمع ہوکر اُس کے بعد رسالہ سراج منیر پھر اُس کے بعد پنجم حصہ براہین احمدیہ
چھپنا شروع ہوگا۔ پھر وعدہ اجرائے رسالہ باہواری قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ آخر جون
۱۸۸۶ء کی بیس تاریخ سے ماہ بماہ نکلا کریگا۔ نیز رسالہ تجدید دین یا اشعۃ القرآن
پھر ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء جس کو سات برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے
نشان آسمانی کے صفحہ (۴۲) و (۴۳) میں ضروری گذارش باہمت دوستوں کی خدمت
میں امداد کے لئے کی اور اُس کی سرخی نام اے مرداں بکوشید وبرائے حق بجوشید
لکھکر فرمایا کہ پختہ ارادہ و خواہش ہے کہ اس رسالہ (نشان آسمانی وشہادۃ الملہمین)
کے چھپنے کے بعد رسالہ دافع الوساوس طبع کراکر شائع کیا جائے۔ سو
ائینۂ کمالات اسلام کا دوسرا نام دافع الوساوس رکھکر مرزا صاحب اس سے بری الذمہ
ہوگئے۔ اور بعد اس کے بلا توقف رسالہ حیات النبی و ممات المسیح جو یورپ و
امریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائیگا شائع اور اس کے بعد بلا توقف حصہ پنجم
براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام ضرورت قرآن رکھا گیا ہے ایک مستقل کتاب کے
طور پر دیہ مطلب ہے کہ اُس کی قیمت علٰحدہ ہوگی براہین کی قیمت دینے والے
اس پر اپنا حق قائم نہ سمجھیں) چھپنا شروع ہو لیکن اس سلسلے کے قائم رکھنے کیلئے
یہ حسن انتظام خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے
ذی مقدرت دوست اُس کی خریداری سے مجھکو بدل وجان مدد دیں۔ پھر ف

اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ
کے زکوۃ فرض ہو تو اُن کو سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور
یتیم اور بیکس کوئی نہیں اور زکوۃ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ
بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوۃ کافر ہو جائے۔ پس فرض ہے جو
اسی راہ میں اعانت اسلام میں زکوۃ دی جائے۔ زکوۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور
مفت تقسیم کی جائیں اور میری تالیفات بجز ان رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت
مفید ہیں جیسے رسالہ احکام القرآن اربعین فی علامات المقربین اور سراج منیر
اور تفسیر کتاب عزیز۔ لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام ازبس ضروری ہے
اس لئے بشرط فرصت کوشش کی جائے گی کہ یہ رسائل بھی درمیان طبع ہو کر شائع
ہو جائیں۔ آئندہ ہر ایک امر اللہ جل شانہ کی اختیار میں ہے۔

کیفیت جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۲۴ پر درخواست چندہ (قابل توجہ احباب)
میں کہا کہ تین قسم کی جمعیت کی ہمیں سخت ضرورت ہے جس پر ہمارے کام اشاعت
حقانی معارف دین کا سارا مدار ہے اول دو پریس۔ دوم خوش خط کاپی نویس
سوم کاغذات۔ ان تینوں مصارف کے لئے (دمامہ ۲۵ ھ) ماہواری کا تخمینہ لگایا
گیا ہے ہر ایک دوست بہت جلد بلا توقف اس میں شریک ہو اور چندہ
ہمیشہ ماہواری تاریخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہیئے۔ یہ تجویز ہوئی کہ بقیہ براہین اور
ایک اخبار جاری ہو اور آئندہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں الخ

اب مرزا صاحب نے عذر داری ٹکس میں (دصمہ ۱۴۲) سالانہ آمدنی کا جس
کے (۱۸۴ سے) سے کچھ زیادہ ماہوار ہوئی اقبال کیا ہے اور

۳۳۳

اوسط سالانہ آمدنی جو چار ہزار قبول کی ہے اُس کی ماہوار اوسط بھی (۳۳۳ روپیہ)
سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اُس کے علاوہ مرزا صاحب کی اپنی زمین و باغ وغیرہ کی
آمدنی علیحدہ ہے۔ پریس بھی کئی موجود ہیں۔ دوسرے جو کتاب نکلتی ہے اُس کی
قیمت بھی اس قدر بڑھکر ہوتی ہے کہ لاگت سے کئی گنا چوگنا منافع ہو جاتا ہے۔ بتائیں
کہ یہ سب وعدے اُس وعید ازواعاہ خفت میں کیوں داخل نہیں۔ انتہیٰ۔
اور اسی عصائے موسیٰ صفحہ (۱۶۲) میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے کس طرح کے
اقرار مدار وعدے کرکے روپے قیمت کتب و قبولیت دعائے عطائے فرزند
وغیرہ کے نام و اعتبار رہمشگی حاصل کرکے اپنے قبضے و تصرف میں لے آیا اور پھر وعدہ
وغیرہ کو بالائے طاق رکھکر پیچھے مریدین سے مشتہر کرادی کہ امام وقت و خلیفۃ اللہ
کو نبیوں۔ بقالوں۔ تنگ دلوں۔ زر پرستوں کے حساب کتاب سے کیا کام۔ روپیہ
حاصل کرنے کی یہ تدبیریں ہیں دعا کی اُجرت تک لی جاتی ہے۔ اور زکوٰۃ
جو حق فقرا ہے وہ بھی نہیں چھوڑی جاتی اور پیرایہ کس قدر خوشنما منظر کہ دین
اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بےکس کوئی نہیں۔ اس کے سوا اُن کا جھوٹ
کہنا داؤپیچ۔ فتنہ انگیزی۔ خدائے تعالیٰ کی تکذیب۔ اور اُس پر افترا۔ الحاد
انبیاء علیہم السلام کی تنقیص شان اور اُن کو ساحر قرار دینا اور اُن پر اپنی فضیلت وغیرہ وغیرہ
عصائے موسیٰ میں متعدد مقامات میں ثابت کئے گئے ہیں جن کا ذکر اس کتاب
میں بھی آگیا ہے یہ امور ایسے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا مرتکب نہیں ہوسکتا اور اگر
ہوا تو مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ اب اہل ایمان غور کریں کیا ممکن ہے کہ مرزا صاحب
ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں اور تقرب الٰہی اور نبوت اور عیسویت

کے ساتھ بھی متصف ہوں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو مسیلمہ کذاب سے آج تک
جتنے نبوت کے مدعی گذرے ہیں معاذ اللہ سب پر ایمان لانے کی ضرورت
ہوگی حالانکہ کوئی ایماندار اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے
وہ دلائل جو اپنی نبوت اور عیسویت پر پیش کرتے ہیں اُن کی طرف توجہ کرنیکی
کوئی ضرورت نہ رہی مگر سرسری طور پر اگر ذکر کر لئے جائیں تو بے موقع بھی نہیں۔

ایک دلیل یہ ہے کہ کریم بخش نے کہا کہ گلاب شاہ مجذوب نے کہا تھا کہ مسیح
لدھیانے میں آکر قرآن میں غلطیاں نکالیگا۔

محمد یعقوب نے کہا کہ عبداللہ صاحب غزنوی نے کہا کہ مرزا صاحب عظیم الشان
کام کے لئے مامور کئے جائینگے۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ مسیح آسمان سے اترا۔

پیشین گوئیاں۔ استجابت۔ فصاحت و بلاغت زبان عربی۔ عقلی معجزات

ان دلائل کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔

اب مرزا صاحب کی وہ دلائل پیش کی جاتی ہیں جو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں لکھا
ہے۔ ایک دلیل یہ ہے جو ابھی معلوم ہوئی کہ کریم بخش نے گواہی دی کہ گلاب شاہ مجذوب
نے خبر دی تھی کہ عیسیٰ جوان ہو گیا ہے اب قرآن میں غلطیاں نکالیگا (سبحان اللہ
عیسیٰ اور قرآن میں غلطیاں نکالنا)

اور ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۹۲) میں ہے منجملہ اُن علامات
کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں ہیں یہ ہے کہ مسیح اس وقت
یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے

اٹھا لیا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد تھا جو مسیح یہودیوں کی
اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا ایسے ہی زمانے میں یہ عاجز آیا کہ جب
قرآن کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا ہے اور وہ
اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے زمانے سے اُسی زمانے کے قریب
قریب گذر چکا ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیانی زمانہ تھا انتہے۔

موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے مابین جو مدت بتلائی جارہی ہے اُس سے غرض یہ ہے کہ موسیٰ سے چودہ برس کے بعد عیسیٰ علیہما السلام کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی تھی اسی طرح مثیل موسیٰ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابتک اسی قدر مدت گذرگئی ہے اس لئے مثیل عیسیٰ بھیجا گیا یعنی خود مرزا صاحب نے مسلم شریف کی روایت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا اس وجہ سے کہ وہ بخاری میں نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور یہ روایت جو اپنی عیسویت کے استدلال میں پیش کرتے ہیں اس کا پتا تو کسی موضوعات کی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اُس کا نام ضرور لکھتے جس سے اتنا تو معلوم ہوتا کہ یہ بات مرزا صاحب کی بتائی ہوئی نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کسی حدیث کی کتاب سے یہ روایت ثابت نہیں کرسکتے اس لئے کہ محققین نے تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک سترہ سو سولا برس گذرے تھے جیسا کہ تنبیہ الاذکیا فی قصص الانبیا میں علامہ طاہر بن صالح جزائری نے لکھا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مرزا صاحب میں اعلیٰ درجے کی جرات ہے کبھی کسی قسم کا

خیال اُن کو مانع نہیں ہوتا کہ میں مخالفوں کے مقابلے میں کیا کہا تھا اور اب کیا کہ رہا ہوں اور لوگ کیا کہینگے۔ یہ بھی مرزا صاحب کا ایک عقلی معجزہ ہے کہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کرسکتا کیونکہ اُس کو ضرور شرم مانع ہوگی جس کو مرزا صاحب الحیاء یمنع الرزق کا مصداق قرار دینگے۔ جب تک مرزا صاحب اپنے اس بیان کو کسی کتاب سے مدلل نہ کریں یہی سمجھا جائیگا کہ انہوں نے اس مدت کو اپنے دل سے گھڑ لیا۔

ماحصل ان کی تقریر کا یہ ہوا کہ موسیٰ اور عیسیٰ دونوں مستقل نبی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مرزا دونوں کے مثیل ہیں یعنی مرزا عیسیٰ کے مثیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰ کے مثیل کیونکہ صاف لفظوں میں حضرت کو موسیٰ کا مثیل کہ رہے ہیں چونکہ مرزا مثیل ہونے کی وجہ سے اپنے کو ظلی اور تبعی نبی کہتے ہیں اسی قیاس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے نزدیک ظلی نبی ہوے۔ مگر مسلمانوں کا اعتقاد ایسا نہیں وہ بحسب احادیث صحیحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سید المرسلین سمجھتے ہیں جن میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام وغیرہما سب داخل ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آرزو اور دعائیں کرتے تھے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ نے خصائص کبرے میں کئی روایتیں بڑی بڑی نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے صرف محل استدلال نقل کیا جاتا ہے۔ اخرج ابونعیم عن عبدالرحمن المعافری۔ فلما عجب موسےٰ من الخیر الذی اعطاہ اللہ محمدا وامتہ قال یا لیتنی من امۃ احمد د اخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن انس رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوحی اللہ الی موسیٰ

بنی اسرائیل انہ من لقینی وہو جاحد باحمد ادخلۃ النار۔ قال اجعلنی من امۃ ذلک النبی

وفی روایۃ ابی ہریرۃ رض قال یارب فاجعلنی من امۃ احمد اب مرزا صاحب ہی غور فرمائیں کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی آرزو کرتے تھے تو کسی یہودی کا قول اس کے خلاف میں کیونکر قابل توجہ ہوگا۔ اور آیہ شریفہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے پھر حضرت کو کسی نبی کا مثیل اور ظلی نبی قرار دینا کیسی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! مرزا صاحب نے تمہارے نبی افضل الانبیا علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو موسیٰ کا مثیل قرار دیا کیا اب بھی کسی اور کا مثیل سننے کا انتظار ہے کیا تمہارے اور تمہارے اسلاف کے کان ایسے نا ملائم الفاظ سننے کے آشنا تھے۔ کب تک مرزا صاحب کی انہی باتیں سنا کرو گے توبہ کرو اگر نجات چاہتے ہو تو اُن کی ایک نہ سنو اور اپنے اسلاف کا اتباع کرو۔

مسلمانوں اور یہود کی وجہ شبہ میں جو فرماتے ہیں کہ مغز اور بطن کلام الٰہی کا اُن دونوں کے دلوں سے اُٹھالیا گیا ہے اس میں یہ کلام ہے کہ یہود کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ جس سے ظاہر ہے کہ وہ انبیا کی تکذیب اور ان کو قتل کیا کرتے تھے اور توریت و انجیل سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو ڈھایا اور قربانی کے مقام میں خنزیر ذبح کیے بتخانے آباد کیے اس کے سوا اور بہت سی ان کی خرابیاں ہیں جن کا حال انشاءاللہ تعالےٰ

آئندہ معلوم ہوگا۔ بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں میں ان باتوں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ مسجدیں آباد بلکہ ہمیشہ نئی نئی بنائی جاتی ہیں حج کی وہی دھوم دھام ہے کہ ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے رمضان شریف میں عبادت کی وہی گرم جوشیاں ہیں۔ غرض کہ شعار اسلام بفضلہ تعالیٰ ہندوستان میں بھی قائم ہیں۔ رہا یہ کہ بعض حظوظ نفسانی میں گرفتار اور بدعتوں میں مبتلا ہیں سو اُن کی بھی یہ حالت ہے کہ جب قرآن و حدیث سنتے ہیں تو اپنے افعال اور تقصیر پر نادم ہوتے ہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ عمر بھر قرآن و حدیث سنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی کی جادو بیانی کے اثر سے ضروریات دین کے اعتقادات سے پھر جاتے ہیں سو وہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ایسے لوگ تو خود نبی کے وقت میں گمراہ اور مخالف ہو جاتے تھے اُن کے حسب حال یہ شعر ہے ؎

عمرہا دیدند قوم دوں ز موسیٰ معجزات

آں ہمہ شد گاؤ خورد از بانگ یک گوسالہ

غرض کہ جس طرح یہود نے توریت کو چھوڑ دیا تھا مسلمانوں نے اب تک قرآن کو نہیں چھوڑا البتہ مرزا صاحب کی تعلیم سے اب اُس کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا کہ صدہا آیات قیامت اور احیائے اموات وغیرہ ابواب میں جو وارد ہیں اُن کا ایمان اس تعلیم سے بعض لوگوں کے دلوں سے اُٹھالیا گیا ہے۔ مثلاً جب یہ مسلم ہو جائے کہ مرتے ہی آدمی ایک سوراخ کی راہ سے جنت میں یا دوزخ میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نہیں نکلتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو قیامت اور حشر اجساد کا خود ابطال ہو گیا۔

قرآن کا مغز اور بطن جو مرزا صاحب فرماتے ہیں اگر اُس سے وہی مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سو وہ بفضلہ تعالیٰ کتب تفسیر و حدیث میں تمام محفوظ اور موجود ہے۔ مغز اور بطن جو کچھ پوشیدہ اور ادراک سے غائب ہے سب کچھ حضرت نے فرما دیا کیونکہ حضرت کو ان امور میں بخل نہ تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں بیان کرنے میں بخیلی نہیں کیا کرتے اور اشارات قرآنیہ کو جو بزرگان دین نے مجاہدات و مکاشفات کے بعد معلوم کیا ہے وہ بھی تفاسیر اور کتب تصوف میں موجود ہیں غرض مسلمانوں کو ان کے نبی اور پیشوایان دین نے سب سے مستغنی کر دیا ہے۔ کسی کی من گھڑت باتوں سے ان کو کچھ کام نہیں اور اگر مغز و بطن کچھ اور ہے جو مرزا صاحب پیش کرتے ہیں سو اُس کو قرآن سے کچھ تعلق نہیں۔ الحاصل مرزا صاحب مسلمانوں کو یہودیوں کے برابر کرنے کی ضرورت جو بتلا رہے ہیں وہ خلاف واقع ہے بلکہ معاملہ بالعکس کہ یہود کی اکثر صفات مرزا صاحب میں موجود ہیں۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھائے گئے۔ مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہود کا عقیدہ نحن ابناء اللہ ہے مرزا صاحب بھی اپنے کو خدا کے بیٹے کے برابر کہتے ہیں۔ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہا تھا مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں۔ جس طرح پولس صاحب نے جو یہودیوں کے بادشاہ تھے عیسائیوں کو اُن کے قبلہ سے منحرف کر دیا۔ مرزا صاحب بھی مسلمانوں کو اُن کے قبلہ سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے نبی گزرے ہیں مثلاً
یوشع شمویل۔ الیاس۔ الیسع۔ ارمیا۔ دانیال۔ داؤد۔ سلیمان اور عزیز وغیرہ
علی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر سب کو چھوڑ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مثیل موسیٰ
بنا رہے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اگر بت پرستی موقوف کرا کے توحید
کی طرف بلانے میں تشبیہ ہے تو کل انبیاء اسی کام کے لئے تھے اگر نادر معجزات
کے لحاظ سے ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اسی قسم کے تھے اور اگر بنی اسرائیل
کی ہدایت کے خیال سے ہے تو داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے اُن کی بت پرستی
بالکل موقوف کرا دی تھی غرض کوئی وجہ تخصیص کی معلوم نہ ہوگی سوا اس کے تیرہ سو برس [۱۳۰۰]
کی جوڑ ملانا مقصود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی غرض ذاتی کے واسطے سید المرسلین
کی کسر شان کی کچھ پروا نہ کی۔

اور ایک دلیل ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۶۴ میں یہ لکھتے ہیں کہ روحانی طور پر عالم میں کون
فساد وغیرہ وغیرہ امور ہونگے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم بھی ہے بغیر
وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو براہین میں درج
ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے اردت ان استخلف فخلقت آدم ... ہر منصف کو
ماننا پڑیگا کہ وہ آدم اور ابن مریم یہی عاجز ہے کیونکہ ایسا دعوے اس عاجز سے
پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعوی دس برس سے پہلے شائع ہو رہا ہے
اور براہین احمدیہ میں مدت سے چھپ چکا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت
فرمایا ہے کہ یہ آدم ہے ...... اور اس نزاع کے بہت سے دس برس پہلے اس
عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ کہدیا ...... اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ

رکھکر انی جاعل فی الارض خلیفہ کی کھلی کھلی طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دیکر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کریں اور اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور من شذ شذ فی النار کی تہدید سے بچیں انتہی اس تقریر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) براہین احمدیہ کلام الٰہی ہے جس میں حق تعالےٰ نے اُن کے خلیفہ ہونیکی بشارت دی ہے

(۲) مرزا صاحب نبی ہیں جن پر وہ کتاب نازل ہوئی۔

(۳) مرزا صاحب آدم خلیفۃ اللہ ہیں۔

(۴) جو مخالفت کرے وہ گویا ابلیس اور دوزخی ہے۔

(۵) دس برس پہلے الہام شایع ہونے کی وجہ سے وہ قطعی ہوگیا۔

حق تعالیٰ نے تیرہ سو برس پہلے اپنے کلام قدیم میں یہ بات شایع کردی کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا کما قال تعالیٰ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اب اس کے بعد کوئی دعویٰ نبوت کرے تو وہ مسیلمہ کذاب واسود عنسی وغیرہم کی قطار میں داخل ہے جسکے جہنمی ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سے دجال نکلیں گے جو رسول ہونے کا دعویٰ کرینگے جیسا کہ امام احمد بخاری مسلم ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتقوم الساعۃ حتی تبعث دجالون کذابون قریبا من ثلثین کلہم یزعم انہ رسول اللہ۔

مرزا صاحب کو کمالات وفضائل کے ساتھ کمال درجے کی دلچسپی ہے وہ جلسے

تلاش میں لگے رہتے ہیں جہاں کوئی کمال پیش نظر ہو جاتا ہے بے دھڑک اس کا
دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان تصریحات سے ظاہر ہے ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۵۴)
میں لکھتے ہیں ہر صدی برایک مجدد کا آنا ضرور ہے۔ بتلائیں کس نے اس صدی کے
سر پر خدا سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعوی کیا ہے۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر
کون آیا ہے کس نے ایسا دعوے کیا ہے جیسا کہ اس عاجز نے اور لکھتے ہیں
جس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو
یہ تحریکیں دلی اور دماغی بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور اس نیابت کے
انوار ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے خدائے تعالی
نے اس عاجز کو بھیجا ہے یعنی نائب کر کے۔
اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۷) میں لکھتے ہیں حدیث میں جو وارد ہے کہ حارث جو ایک شخص
ماوراالنہر کا ہوگا جو آل رسول کو تقویت دیگا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن
پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے
آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام ہوگا در اصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون
ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالی
نے خبر دی کہ حارث امام مہدی کی تائید کو جائیگا۔ اس کے بعد عیسی علیہ السلام
آسمان سے اترینگے جیسا کہ متعدد صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے
مگر مرزا صاحب کے ملہم نے ان کو خبر دی کہ یہ غلط ہے حارث امام مہدی عیسے
ایک ہی شخص ہے یہ ملہم خدا ورسول کا مخالف ہے جب ہی تو ایسا الہام کیا۔
ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۱۳) میں لکھتے ہیں وہ مسیح موعود جس کا آنا احادیث صحیحہ سے

ضروری طور پر قرار پا چکا ہے وہ تو اپنے وقت پر اپنی نشانیوں کے ساتھ آگیا ہے اور آج وعدہ پورا ہو گیا۔

اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۴۸) میں لکھتے ہیں خدا تعالے نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا پھر مثیل نوح کا پھر مثیل یوسف کا پھر مثیل داؤد کا پھر مثیل موسیٰ کا پھر مثیل ابراہیم کا قرار دیا اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا۔

اور اسی کے صفحہ (۶۷۳) میں لکھتے ہیں کہ آیہ شریفہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد خود مراد ہیں۔ رسالہ عقائد مرزا میں اشتہار معیار الاخیار سے مرزا صاحب کا قول نقل کیا ہے میں مہدی ہوں اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔

اور اسی میں اشتہار دافع البلاء سے ان کا قول نقل کیا ہے میں امام حسین علیہ السلام سے افضل ہوں اور اسی سے ان کا یہ بھی قول نقل کیا ہے ابن مریم کے ذکر کو چھوڑ دو اس سے بہتر غلام احمد ہے اور اسی سے اُن کا یہ قول بھی نقل کیا ہے میں اللہ کی اولاد کے رتبے کا ہوں میرا الہام ہے کہ انت منی بمنزلۃ اولادی۔ اور الحکم مورخہ ۲۴ فبروری ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کن کہدوگے تو وہ پیدا ہو جائیگی اور توضیح مرام سے ان کا قول نقل کیا ہے میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں اور کشتی نوح سے ان کا قول نقل کیا ہے۔ میرے معجزات انبیا کے معجزات سے بڑھکر ہیں۔

ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۰۴۵) میں لکھتے ہیں سچی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے۔

ضرورۃ الامام صفحہ (۱۳) میں لکھتے ہیں خدا تعالیٰ اُن سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور

کسی قدر پردہ چہرے سے اتار دیتا ہے اور نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور
دیر تک سوال و جواب ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس واسطے ہوتا ہے تاکہ اُن کے الہام
دوسروں پر حجت ہوں رسالہ عقائد مرزا میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ طاعون ملک میں میری
تکذیب کی وجہ سے خدا نے بھیجا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ میرا منکر کافر اور مردہ ہے اسکو
ضرور مواخذہ ہوگا اس قسم کی اور بہت سی باتیں ان کی تصانیف میں موجود ہیں اور اب تو
آپ کرشن جی بھی ہو گئے ہیں جیسا کہ متعدد اخباروں سے ظاہر ہے۔ مرزا صاحب عیسویت
وغیرہ کا جو مرکب دعوی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں غرر الخصائص الواضحہ صفحہ (۱۷۵)
میں علامہ وطواط رحمہ نے لکھا ہے کہ معتمد کی خلافت میں ایک شخص سواد کوفہ میں نکلا
تھا جسکو کرمیتہ کہتے تھے یہ شخص پہلے نہایت زہد و عبادت کے ساتھ مشہور ہوا
جب لوگ معتقد ہو گئے تو اُن سے کہا کہ مسیح علیہ السلام نے آدمی کی صورت میں
ظاہر ہو کر مجھ سے کہا کہ تو داعیہ ہے اور حجت ہے ناقہ ہے روح القدس ہے
یحیی بن زکریا ہے۔ پھر یہ دعوے کیا کہ میں مسیح ہوں عیسی ہوں کلمہ ہوں مہدی ہوں
محمد ابن الحنفیہ ہوں جبرئیل ہوں جب دس ہزار (۱۰۰۰۰) آدمی اس کے تابع ہو گئے تو
اُن میں سے بارہ شخصوں کا انتخاب کرکے کہا کہ تم میرے حواری ہو جیسے
عیسی علیہ السلام کے حواری تھے مرزا صاحب کو اس شخص کی رائے پسند آئی
اور عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ جب دس بیس دعوے کر دئے جائینگے تو کم سے کم
ایک تو ضرور ثابت ہو جائیگا پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایک بھی کم نہیں
کرمیتہ نے مرزا صاحب کے اس دعوے کو بھی باطل کر دیا جو فرماتے ہیں کہ سوائے
میرے کسی مسلمان نے عیسی ہونیکا دعوی نہیں کیا۔ الغرض آپنے اس بات کا

ٹھیکہ لے لیا ہے کہ کوئی فضیلت چھوٹنے نہ پائے اور کوئی فرقہ ہندوستان میں ایسا
نہ رہے جس کے وہ مقتدا اور معبود نہ ہیں۔ مگر کسی فرقے پر ان کا افسوں نہ چلا۔ چونکہ مسلمانوں
میں آج کل یہ صلاحیت بڑھی ہوئی ہے کہ ہر کسی کا افسوں ان پر اثر کر جاتا ہے چنانچہ
ہزاروں نیچری وغیرہ بن گئے اور بنتے جاتے ہیں اس لئے دکانداری وغیرہ کو ذریعہ بنا کر
ان کی طرف توجہ کی چنانچہ کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی اور جب روپیہ چندہ وغیرہ کا
بخوبی آنے لگا تو ایک رسالہ بنام فتح الاسلام لکھا جس کے نام سے ظاہر ہے
کہ اسلام کو تو انہوں نے فتح کر لیا اس فتح سے بڑی غرض یہ تھی کہ روپیہ حاصل ہو
اس لئے اپنی رعایا پر اقسام کے ٹکسیں لگائے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور مالگزاری کا دستور العمل
اسی میں شائع کیا جس کا ایک فقرہ یہ ہے اسلام کے ذی مقدرت لوگو آپ
لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں اپنی ساری دل اور ساری توجہ اور ساری اخلاص سے
مدد کرنی چاہیئے جو شخص اپنی حیثیت کے موافق کچھ ماہواری چندہ دینا
چاہتا ہے وہ اسکو حق واجب اور دین لازم کی طرح سمجھکر خود بخود ماہوار اپنی
فکر سے ادا کرے اور ادائی میں سہل انگاری کو روا نہ رکھے اور جو شخص ایک
مشت دینا چاہتا ہے وہ اسیطرح امداد کرے انتہی ملخصاً اور اس رسالے میں
بڑی تاکید یہ کی گئی کہ کوئی اس کارروائی پر بدگمانی نہ کرے اور اخبار البدر میں شایع
کرا دیا گیا جیسا کہ عقاید مرزا میں لکھا ہے کہ ان کے فعل پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے
اب کسکی مجال کہ کوئی اعتراض یا بدگمانی کر سکے مگر یہ احتمال تھا کہ یہ روپیہ جس قدر
وصول ہوتا ہے مرزا صاحب کے تقدس اور رواداری کی وجہ سے ہے آئندہ
لوگ ہاتھ روک لینگے اور مقتضائے بشریت بھی تھا کہ اپنی اولاد کی کچھ فکر

کی جائے اس لئے اس کا بندوبست یوں کیا گیا جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۵۵) میں الہام تحریر فرماتے ہیں خدائے تعالے نے ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر ظاہر کر رکھا ہے کہ میری ذات سے ایک شخص پیدا ہوگا جسکو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اتریگا انتہیٰ اور اسی میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا خدا تیری مجد کو زیادہ کریگا اور تیری ذریت کو بڑھائیگا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائیگا جو شخص کعبہ کی بنیاد کو ایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اُس کو اسرار ملکوتی سے حصہ ہے ایک اولی العزم پیدا ہوگا وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ تیری نسل ہی سے ہوگا فرزند دلبند گرامی وارجمند مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء انتہیٰ۔ اور دوسرے مقام ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۸۲) میں لکھتے ہیں اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے انتہےٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو لاکھ روپیہ ماہواری چندہ ملتا تھا تو اُن کے فرزند دلبند کو دو لاکھ سے کم نہ ملنا چاہیے آخر باپ بیٹوں میں فرق ضرور ہے مرزا صاحب کی شان میں تو کان عیسےٰ نزل من السماء تھا۔ صاحبزادے کی شان میں کان اللہ نزل من السماء ہے الغرض جب دیکھا کہ چند اشخاص بطور رعایا یا قرنالگذاری داخل کرنے لگے اسی کا نام فتح اسلام رکھکر یہ خیال جما یا کہ یہ سلطنت تو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے قائم ہوگئی اب ہنود کی طرف توجہ کرنی چاہیے چنانچہ اُن میں جاکر دعوی کیا کہ میں کرشن جی ہوں تعجب نہیں کہ اپنی پختہ تدابیر سے

اس میں بھی کامیاب ہو جائیں مگر بظاہر کسیقدر بعید معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ابلیس مسلمانوں کا دشمن ہے ہنود کا نہیں۔ ہمیں اس کا کچھ خیال نہیں کہ مرزا صاحب کو اس قدر روپیہ کیوں ملتا ہے اس لئے کہ آخر مذاہب کے نتائج حاصل ہوا ہی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ مگر کلام دوسرے حصے میں ہے جو دین سے متعلق ہے کیونکہ قابل اہتمام و غمخواری ہے تو یہی حصہ ہے جس کا اثر ابدالآباد رہنے والا ہے۔ اب ہم اہل انصاف کو توجہ دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب جو الہامات خلیفۃ اللہ وغیرہ ہونے کے بیان کرتے ہیں با وجود ایسے قوی قوی قرائن کے کیا اب بھی قابل تصدیق سمجھے جائیں اور عقل بیکار کر دی جائے۔ اگر صرف مجددیت یا محدثیت کا دعوے ہوتا تو بھی مضائقہ نہ تھا جب انہوں نے نبوت و رسالت کا دعوے کیا ہے تو اب اُس حدیث شریف کو اہل اسلام مانیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ سے ابھی نقل کی گئی کہ مدعی رسالت دجالوں سے ایک دجال ہے یا مرزا صاحب کے یہ تمام دعوے اُس کے خلاف میں مانے جائیں ہر مسلمان کو اپنا ایمان عزیز ہے خود ہی فیصلہ کرلے۔

مرزا صاحب نے دجال کے استدراج میں یہ کلام کیا اُس سے تو اُس کا کن فیکون کا رتبہ ثابت ہوتا ہے اور سوچا کہ ایسا بڑا رتبہ اسکو دیا جائے اور خود محروم رہ جائیں تو ایک اعلیٰ درجے کا کمال فوت ہو جاتا ہے تکمیل کے لئے کرشن جی بتکلف بننے کی ضرورت ہوئی یہ مرتبہ تو مسلمانوں میں مسلم اور بنا بنایا ہے اس لئے دعویٰ کیا کہ مرتبہ کن فیکون مجھکو حاصل ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو ازالۃ الاوہام ص۲۲۵ میں

ہو کیوں فرماتے اگر وہ متقی حدیث کو جو مسلم شریف میں ہے اس کے ظاہری معنوں پر عمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودۂ خدا اور رسول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائیگی اور زمین و آسمان اس کا کہا مانیں گے اور خدائے تعالیٰ کی طرح فقط اُس کے ارادے سے سب کچھ ہوتا جائیگا۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون اسی طرح وہ بھی کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائیگا انتہیٰ حاصل یہ کہ حدیث مسلم شریف جس میں دجال کے استدراج سے اُس کا پانی برسانا اور زمین سے سبزیاں اگانا وغیرہ امور مذکور ہیں غلط ہے اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت میں خدا کا شریک ہو جائیگا۔ غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کو جب یہ بات حاصل ہوگئی کہ بحسب الہام انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون صرف لفظ کن کہکر سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں تو بڑے دجال سے وہ چند امور جن کی تصریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحسب اطلاع باری تعالے کردی ہے ظہور میں آئیں تو کون سے کفر و شرک کی بات ہوگی بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور ہے کہ تمام انبیا دجال کے فتنے سے ہمیشہ اپنی اپنی امت کو ڈراتے گئے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا فتنہ معمولی نہ ہوگا اگر اس قسم کی باتیں اُس سے ظہور میں نہ آئیں تو اُس سے خوف ہی کیا دنیا میں بڑے بڑے فتنے ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں کسی سے انبیا نے اپنی امتوں کو نہیں ڈرایا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے بیان کا اہتمام فرمایا بخلاف فتنۂ دجال کے کہ ہر نماز میں اُس سے پناہ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ الغرض بلحاظ فتنہ و آزمائش امور

مذکورہ احادیث کا ظہور میں آنا مستبعد نہیں بخلاف اس کے مرزا صاحب جو یہ دعویٰ
کرتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ بہر حال مرزا صاحب نے جس لحاظ سے
حدیث مسلم شریف کا انکار کر دیا تھا اب ان کو اس الہام کے لحاظ سے بڑے
دجال کی نسبت اُن امور کا مان لینا ضروری ہوا کیونکہ جب وہ خود مدعی ہیں کہ کن سے
سب کچھ کر دکھاتا ہوں تو بڑا دجال بحسب احادیث صحیحہ کچھ کر دکھائے تو کیا تعجب
اس تقریر سے وہ تمام تقریریں باطل ہوگئیں جو عیسےٰ علیہ السلام کے پرندوں کو
زندہ کرنے کے باب میں لکھی ہیں جن میں ایک یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۹۷)
میں لکھتے ہیں وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور اُن کے
یہ معنی کرنا کہ گویا خدائے تعالےٰ نے اپنے ارادے سے اور اذن سے حضرت
عیسےٰ کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے
کیونکہ خدائے تعالےٰ اپنی صفات خاصہ الوہیت بھی دوسروں کو دے سکتا ہے
تو اس سے اُس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور موحد صاحب کا یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد تو
نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسےٰ خالق طیور تھے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے
کہ یہ طاقت خدائے تعالےٰ نے اپنے اذن اور ارادے سے اُن کو دے رکھی
تھی۔ اور اپنی مرضی سے اُن کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنا دیا تھا اور یہ اُس کو اختیار
ہے کہ جسکو چاہے اپنا مثیل بنا دیوے قادر مطلق ہے یہ سراسر مشرکانہ باتیں
اور کفر سے بدتر ہے انتہےٰ۔ دیکھئے حق تعالےٰ نے اپنی خالقیت کے
باب میں جو فرمایا ہے اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ
وہی پورا کلام مرزا صاحب کے الہام میں اُن کی شان میں کر دیا گیا کما قال

اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی خدا نے
اُن سے کہا کہ تم جو پیدا کرنا چاہو صرف کن کہدو گے تو وہ پیدا ہو جائیگا۔ حالانکہ پیدا کرنا
خاص صفت آلہی ہے جیسا کہ حق تعالے فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ
عیسے علیہ السلام کی نسبت تو کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدا نے تعالیٰ نے
اپنی صفت خالقیت ان کو دیکر حصہ دار بنا دیا تھا بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ احیائے موتی
کا معجزہ جو ان کو دیا گیا تھا کبھی کبھی حسب ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے جیسا کہ خدا تعالےٰ
اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِيْ مگر مرزا صاحب خالقیت کے حصہ دار اور اُس کے مثیل بن بیٹھے ہیں
اب تک صرف انبیا کے مثیل کہلاتے تھے اب خدا کے مثیل ہونے کا دعوے
ہے حالانکہ حق تعالے فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ مرزا صاحب مضامین
قرآن کو مشرکانہ خیال بتاتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ وہ خدائے تعالی
فرما رہا ہے۔ ابلیس نے اور کیا کیا تھا اُس نے بھی تو یہی کیا تھا کہ غیر اللہ کے سجدے
کو مشرکانہ خیال سمجھا تھا جس کی وجہ سے ملعون ابدی بنا افسوس ہے کہ مرزا صاحب
اوروں کو فرماتے ہیں ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور خود اس کے ہم خیال ہیں
غور کرنے کا مقام ہے کہ آیات قرآنیہ پر ایمان لانے کو الحاد اور سخت بے ایمانی
اور مشرکانہ خیال اور کفر سے بدتر کہدیا اور آپ نعوذ باللہ خدا کے شریک
بن رہے ہیں اس سے بڑھکر الحاد اور سخت بے ایمانی اور کفر سے بدتر اور
کیا ہوگا۔ مجوس صرف دو خالق مانتے تھے مرزا صاحب تو دوسرے خالق
ہی بن گئے نعوذ باللہ من ذالک۔

اہل اسلام غور فرمائیں کہ کیا کوئی مسلمان ایسا دعوے کر سکتا ہے جو مرزا صاحب نے کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجودیکہ سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں کبھی اس قسم کا دعوے نہیں کیا بلکہ ہمیشہ انما انا بشر مثلکم فرماتے رہے اس کے بعد مرزا صاحب کا یہ الہام کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب ایک نظیر تو پیش کریں کہ کس نے نبوت کے دعوے کے ساتھ کن فیکون کا بھی دعوے کیا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ کسی کا دعوے نکرنا ہی اُن کے لئے دلیل ہو جاتا ہے چنانچہ اپنے مجددیت کو اسی طریقے سے انہوں نے ثابت کیا ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۵۴ میں فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے اب ہمارے علما جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلادیں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالےٰ سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعوے کیا ہے یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشا ہے کہ وہ مجدد خدا تعالےٰ کی طرف سے آئیگا یعنی علوم لدنیہ و آیات سماویہ کے ساتھ اب بتلائیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعوے کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا انتہےٰ۔ اگر شیطان کسی کے سامنے ہو کر دعوے کرے کہ میں تیرا خدا ہوں مجھے سجدہ کر اور اُس کی دلیل یہ بیان کرے کہ سوائے میرے کسی نے خدائی کا دعوے نہیں کیا تو کیا اُس کی یہ دلیل قابل تسلیم ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ مگر مرزا صاحب کی تقریر سے ظاہر ہے کہ ان کو اس قسم کی دلیلوں پر وثوق ہے یہی وجہ ہے کہ جب شیطان اُن کو اپنے چہرے سے کسی قدر پردہ

اتار کر ٹھٹھے سے کہدیتا ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی دلیل بھی ایسی ہی بتا دیتا ہے تو ان کو یقین آجاتا ہے۔

حدیث موصوف سوائے ابو داؤد کے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں اور بقول مرزا صاحب یہ حدیث کسی کو نہ ملی یا موضوع یا ضعیف سمجھکر بخاری و مسلم وغیرہ نے اسکو ترک کر دیا جب مسلم کی دمشق والی حدیث بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوئی تو اُس کو تو مسلم رح نے بھی قبول نہیں کیا بطریق اولی قابل اعتبار نہ ہوگی۔ پھر ایسی حدیث استدلال میں کیوں پیش کی جاتی ہے مرزا صاحب نے نہ اس حدیث کو نقل کیا نہ یہ لکھا کہ وہ کونسی کتاب میں ہے بلکہ صرف یہی لکھا کہ مجدد کا آنا ضرور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہ لکھتے تو ان کے استدلال کی قلعی کھل جاتی کیونکہ ان کا دعوے ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد خدا کی طرف سے الہام پاکر مجدد ہونے کا دعوے کرتا ہے اور اُس کے ساتھ علوم لدنیہ اور آیات سماویہ بھی ہوا کرتی ہیں حالانکہ حدیث میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں دیکھئے حدیث شریف یہ ہے۔ عن ابی ہریرہ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا یعنی اللہ تعالے اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسا شخص پیدا کیا کریگا جو اُس کے دین کی تجدید کرے۔ وفیات الاسلاف میں حدیث موصوف کو نقل کرکے ہر زمانے میں جن علما اور مویدین دین پر مجددیت کا گمان تھا ان کے ناموں کی فہرست لکھی اور یہ ثابت کیا کہ ہر صدی کا مجدد یقینی طور پر معین نہیں کرسکتے اسی وجہ سے بعض علما نے لکھا ہے کہ مجدد ہر صدی کا ایک ہونا

ضرور نہیں کیونکہ حدیث شریف میں لفظ من یجدد وارد ہے اور لفظ من کا استعمال کثیر میں اکثر ہوا کرتا ہے ہر چند نام اکابر علما کے لکھے ہیں مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ان میں سے کسی نے یہ دعوے بھی کیا تھا کہ میں علوم لدنیہ خدا کے پاس سے لے کر آ رہا ہوں اور مجھے خواہ مخواہ مجدد کہو (اور اس زمانہ کے علما کا ہجوم اور اصرار کہ نہ تو مجدد ہے نہ محدث اور طرفین سے رسالہ بازیوں کی سلے دے ہو رہی ہے) بلکہ ان حضرات کی حالت یہ تھی کہ تائید دین متین کو مقصود بالذات سمجھکر ہمیشہ اسی میں مصروف رہا کرتے تھے اور ایسی تعلیوں کو کراہیت کی نظر سے دیکھتے پھر ان کی کمال حقانیت اور خلوص کا زد اثر لوں پر پڑتا تھا کہ خود کہہ اُٹھتے تھے کہ بیشک یہ مجدد ہیں۔ مرزا صاحب نے لوازم و شرط مجدد کے جو بیان کئے ہیں اگر راست ہیں تو ضرور ہے کہ ہر صدی کے مجدد کا نام اور اُس کے دعوے پیش کریں اور یاد رہے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حدیث و قرآن کا مضمون جیسا جی چاہتا ہے بنا لیتے ہیں اس وجہ سے نہ وہ مجدد ہو سکتے نہ محدث وغیرہ جو اعلے مدارج ہیں تجدید کے معنی یہ ہیں کہ جو دین کی قدیمی باتیں پرانی ہو گئی ہوں ان کو از سر نو رواج دے۔ مگر مرزا صاحب جو بات نکالتے ہیں وہ تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ تھوڑی باتیں تو اس کتاب کی فہرست سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں ایسے لوگوں کی نسبت یہ ارشاد ہے عن ابی ہریرہ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیکون فی آخر الزمان ناس من امتی یحدثونکم بما لا تسمعوا بہ انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاہم رواہ مسلم۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخری زمانے میں میری امت کے بعض لوگ

ایسی نئی باتیں کہینگے کہ نہ تم نے سنی نہ تمہارے آباؤاجداد نے اُن لوگوں سے بہت دور رہنا تمہیں مسلمانو کیا اس کے بعد بھی اب ان کی باتیں دل لگا کر سنو گے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرو گے یہ تو حضرت نے تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے فرمایا ہے۔ کلام اس میں تھا کہ کسی نے مجددیت کا دعوے نہیں کیا اس لئے مرزا صاحب مجدد ہیں اسی طرح عیسویت کا بھی دعوی ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۸۳) میں لکھتے ہیں ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعوے نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں انتہیٰ۔ غرض مسیح موعود کا نہ آنا ہی آپ کے مسیح ہونے پر دلیل ہے اور ایک دلیل مسیحیت پر یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۵۵) میں لکھتے ہیں۔ اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعوے میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہیں دنوں میں آسمان سے اتر آئے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعوے کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر آئے تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترتے دکھائی دے اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائیگی کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابلے میں قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقین سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں انتہیٰ۔

مرزا صاحب ہم لوگوں کو نہایت تنگ کرتے ہیں بھلا اس آخری زمانے میں

مستجاب الدعوات لوگ جن کی دعا فوراً قبول ہو جائے کہاں ظاہر ہوتے ہیں وہ تو
بحسب آیۂ شریفہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ
ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اپنی فکروں میں لگے رہتے ہیں ان کو بحسب اقتضائے زمانہ
کسی کے گمراہ کرنے اور ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔ وہ فیصل شدہ امور
میں خلاف مرضی آلہی دعا کرنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قیامت
کا ایک وقت مقرر ہے اور اُس کے آثار و علامات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانۂ سعادت سے شروع ہو گئے ہیں وقتاً فوقتاً اپنے اپنے وقت پر ظہور
کرتے جاتے ہیں اُن کا ایمان ایسا مستحکم ہے کہ کسی علامت کی تاخیر سے متزلزل
نہیں ہوتا۔ اُن کو یقین ہے کہ وقت مقررہ پر اُس کا ظہور ضرور ہوگا۔ تعجیل کو وہ کافروں کی
خصلت سمجھتے ہیں کیونکہ کفار کی عادت تھی کہ انبیا کو یہ کہکر تنگ کرتے تھے
کہ عذاب کا جو تم وعدہ دیتے ہو اگر سچے ہو تو دعا کر کے اُتار و چنانچہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی درخواست ان کی رہا کرتی تھی کما قال تعالٰے
وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَاءَھُمُ الْعَذَابُ
یعنی کفار عذاب کی جلدی کرتے ہیں اگر سچے ہو تو دعا کر کے اُتار و۔ اگر اس کا
وقت مقرر نہ ہوتا تو عذاب اُن پر آجاتا اور حق تعالٰے فرماتا ہے وَیَقُوْلُوْنَ
مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ قُلْ لَّکُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ
عَنْہُ سَاعَۃً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ترجمہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو
بتاؤ کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہو تمہارے ساتھ جس دن کا وعدہ ہے
تم نہ اُس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے دیکھئے

ہے جو کہا تھا کہ مرزا صاحب مدعیان نبوت وغیرہ اہل باطل کے خیالات
اختراعیہ سے مدد لیا کرتے ہیں اُس کی تصدیق یہاں ہوگئی کہ کفار کے خیالات
سے اُن کا تائید لینا ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ جس طرح کفار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو عاجز کرنے کی غرض سے عذاب کی جلدی کیا کرتے تھے کہ اگر وہ آنیوالا
ہے تو اُتار لاؤ اسی طرح مرزا صاحب ہمکو عاجز کر رہے ہیں کہ اگر مسیح اترنے والے
ہیں تو جلد اتار لاؤ۔ چونکہ اُن کو اس تقلید کی عادت ہوگئی ہے اس لئے اسکا
خیال بھی ان کو نہ آیا کہ اگر میں یہ دلیل پیش کرونگا تو قرآن پڑھنے والے کیا کہینگے
مرزا صاحب جو فرماتے ہیں "میں تو موجود ہوں اگر عیسٰی اس وقت نہ اُتریں تو
میرا دعوے ٹوٹ نہیں سکتا" غور کا مقام ہے اگر کوئی ملحد خدائی کا دعوے
کرکے یہی دلیل پیش کرے کہ اگر میں خدا نہیں تو دعا کرکے خدا کو اتار لاؤ تو اس کا
بھی جواب ایسا ہی مشکل ہوگا جیسا مرزا صاحب کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے
کیونکہ ہم میں ایسی طاقت کہاں کہ خدا کو یا مسیح علیہ السلام کو اتار سکیں پھر کیا اس عجز
سے اُس ملحد کا دعوے ثابت ہوجائیگا۔ مرزا صاحب کو یہ طریقہ کفار و ملاحدہ
کا اختیار کرنا زیبا نہ تھا۔ ابن حزم رحنے کتاب الملل والنحل میں لکھا
ہے کہ ابو منصور کسف نے نبوت کا دعوے کیا تھا اور اُس کے ساتھ یہ
بھی دعوے تھا کہ میں کسف ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے حق تعالیٰ
فرماتا ہے وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ
ترجمہ اگر وہ آسمان کا ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ وہ ابر جما ہوا ہے۔ اُس نے
استعارہ وغیرہ سے کسف یعنی آسمان کا ٹکڑا ہونے میں اپنے لئے فضیلت

خاصہ ثابت کر رکھی تھی اور بہت سے لوگ اس کے بھی پیرو ہو گئے تھے۔

غرض کہ اسکا یہ دعوے تھا کہ اگر میں کسفنہیں ہوں اور میرے مخالف اگر سچے ہیں تو دعا کرکے کوئی آسمان کا ٹکڑا اتار لیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز نہیں اتار سکتے اس لئے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ہرچند مسخری پن سے زیادہ اس دلیل کی وقعت نہیں مگر اس نے اپنے زعم میں اسکی دلیل بنا رکھا تھا اور اس کے اتباع اسکی تحسین بھی کرتے ہونگے۔

مرزا صاحب نے عیسے علیہ السلام کو آسمان سے اتارنے پر فیصلہ جو ٹھیرایا ہے وہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہے اس سے مقصود ان کا ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے ورنہ ایک ایسا آسان طریقہ فیصلے کا قرار دیا گیا تھا کہ وہ طرفین کے اختیار میں تھا یعنی مباہلہ جس کے لئے میاں عبد الحق صاحب مستعد ہو گئے تھے اور مرزا صاحب گریز کر گئے۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۹۳) میں ہے ازانجملہ ایک یہ ہے کہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ اور صفحہ (۶۹۶) میں اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کرکے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصۂ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون اور آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے بہت سی حدیثوں سے ثابت

ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا انتہے۔ ازالۃ الاوہام کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو کوئی حدیث ایسی مل جاتی ہے جس کو وہ مفید سمجھتے ہیں تو نہایت جلی حرفوں میں نمایاں لکھتے ہیں مگر یہاں صرف یہ لکھدیا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور ایک حدیث بھی نقل نہیں کی یہ ترک عادت خالی از حکمت عملی نہیں۔ مرزا صاحب تو بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں بھی تعارض پیدا کرکے ساقط الاعتبار کر دیتے ہیں مگر ہم توسیع کرتے ہیں کہ بخاری کی بھی خصوصیت نہیں صحاح ستہ سے کسی کتاب کی حدیث اس مضمون کی پیش فرمائیں مگر یاد رہے کہ وہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے پھر یہ کہدینا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کس قدر جرأت کی بات ہے یہ مرزا صاحب ہی کی ہمت ہے۔ واضح رہے کہ جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں اکثر فردوس دیلمی کی ہیں جس کی نسبت امام سیوطی رح نے جمع الجوامع کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جو روایت فقط دیلمی نے فردوس میں کی ہے ضعیف سمجھی جائے۔ اس کے سوا ان احادیث میں تعارض اس قدر ہے کہ کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ احادیث یہ ہیں عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللہ الدنیا علی سبعۃ آماد والامد الدہر الطویل الذی لا یحصیہ الا اللہ فمضی من الدنیا قبل خلق آدم ستۃ آماد و منذ خلق اللہ آدم الی ان تقوم الساعۃ انتم فی امد واحد (الدیلمی) یعنی دنیا کو اللہ تعالے نے

سات امد پر پیدا کیا اور امد ایک طویل زمانے کا نام ہے جس کا شمار سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی کر نہیں سکتا اُن میں سے آدم علیہ السلام کے پہلے چھے امد گذر چکے اور آدم علیہ السلام جب سے پیدا ہوئے قیامت تک تم لوگ ایک ہی امد میں ہو عن حذیفۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ (الدیلمی) یعنی دنیا پانسو (۵۰۰) برس کی مسافت ہے عن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلہا سبعۃ ایام من ایام الآخرۃ (الدیلمی) یعنی پوری دنیا آخرت کے سات دن ہیں۔ عن ابن عباس رض قال الدنیا جمعۃ من جمع الآخرۃ سبعۃ الاف سنۃ فقد مضی ستۃ الاف سنۃ ومئواستۃ ولیاتین علیہا مئوا سنۃ لیس علیہا موحد۔ (ابن جریر) یعنی ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کے ہفتوں سے ایک ہفتہ ہے جس کے سات ہزار برس ہیں اُن میں چھے ہزار اور کئی سو برس گذر گئے اور کئی سو برس ایسے آئینگے کہ کوئی خدائے تعالیٰ کی توحید کرنے والا روئے زمین پر نہ رہیگا انتہی۔ مرزا صاحب کے استدلال میں تین چیزیں مقصود بالذات ہیں۔

(۱) آدم علیہ السلام دنیا کے الف ششم کے آخر میں پیدا ہوئے۔

(۲) عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے۔

(۳) الف ششم کے آخر میں خود پیدا ہوئے۔

اب ان احادیث کو ان دعاوی پر منطبق کیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام ساتویں امد میں پیدا ہوئے۔ اس سے دعویٰ اول کا بطلان ہو گیا۔ پھر امد کے معنی ہزار برس نہیں بلکہ ایک ایسی مدت طویلہ کا نام ہے جسکو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی شمار کر نہیں سکتا اس حدیث سے

تینوں دعووں کا ابطال ہوگیا کیونکہ ہزار یہاں کسی شمار و قطار میں نہیں - اور حذیفہ کی حدیث سے بھی امر مذکورہ کا ابطال ہو رہا ہے اس لئے کہ اگر کل دنیا کی عمر ہماری اصطلاحی پانسو برس (۵۰۰) لئے جائیں تو خلاف بداہت اور خلاف مقصود ہے اور اگر پانسو برس (۵۰۰) آنحضرت کے لئے جائیں جو آیہ شریفہ ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون میں مذکور ہے تو اٹھارہ کروڑ سال ہوتے ہیں پھر اگر بنی آدم کی عمر اس کا ساتواں حصہ لی جائے جیسا کہ حدیث علی اور ابن عباس رضہ سے معلوم ہوتا ہے تو ڈھائی کروڑ سال سے زیادہ ہوئی اور اس حساب سے آدم علیہ السلام کی خلق ابتدائے عالم سے پندرہ کروڑ سال کے بعد ہوئی اور مرزا صاحب آدم علیہ السلام کے بعد الف ششم میں پیدا ہوئے دیکھئے کہاں پندرہ کروڑ اور کہاں چھے ہزار - اور اگر انس رض کی حدیث دیکھی جائے تو بنی آدم کی عمر ایک ہی ہزار برس کی ہوتی ہے حالانکہ ابتک چھے ہزار برس گذر گئے - اور اگر ابن عباس رض کی حدیث دیکھی جائے تو حضرت کے وقت سے قیامت تک ہزار سال (۱۰۰۰) ہونا چاہیئے حالانکہ اس وقت تک تیرہ سو سال (۱۳۰۰) گذر چکے ہیں - غرض کہ کسی ضعیف حدیث سے بھی کوئی دعوے مرزا صاحب کا ثابت نہیں ہو سکتا اس پر یہ فرماتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہی اگر مرزا صاحب یہ کہتے کہ بہت سے حکما یا پادریوں کے قول سے ثابت ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا غضب کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں فرمایا وہ بطور افترا کہتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا - من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار - رواہ البخاری یعنی جو شخص جھوٹ کہ دے کہ میں نے یہ کہا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے

اب مرزا صاحب جب تک صحیح روایت سے حضرت کا قول ثابت نہ کر دیں اس وعید سے نکل نہیں سکتے۔

اور ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۹۳) میں لکھتے ہیں ظلمت عامہ اور تامہ کے عالمگیر طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانیہ پر ایک موت طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابوالبشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے الخ ماحصل یہ ہے کہ اس وقت پوری پوری ظلمت ہر ملک میں پھیل گئی ہے اور انسانی حقیقت پر فنا طاری ہو گئی ہے اس وجہ سے روحانی طور پر ابوالبشر یعنی خود پیدا ہوئے۔ یہ تو محسوس نہیں ہے کہ آفتاب کا نکلنا موقوف ہو گیا ہے اس وجہ سے ظلمت ہو گئی ہے اور تمام دنیا کے آدمی مر گئے یہاں تک کہ حقیقت انسانیہ پر فنا طاری ہو گئی اس لئے ضرور ہے کہ مرزا صاحب کی مراد ظلمت اور فنا سے کچھ اور ہو گی۔ ضرور تھا کہ اسکی تصریح فرما دیتے اور یہ بھی لکھدیتے کہ کونسی تاریخ سے ان امور کا ظہور ہوا۔ یوں تو ۱۳۰۰ ہجری اس کی تاریخ فرمادیں گے جس کا مادہ خود ہی غلام احمد قادیانی بتایا ہے مگر یہ کہدینا کافی نہیں ہو سکتا جب تک یہ بات مدلائل ثابت نہ ہو کہ اس تاریخ سے کوئی ایسا انقلاب اسلام میں پیدا ہو گیا ہے جو اس کے پہلے نہ تھا اگر یہ فرمائیں کہ اپنی عیسویت کو نہ ماننا ہی دلیل ہے تو خصم اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ یہی تو بقائے حقیقت انسانیہ کی دلیل ہے کہ اس قدر احساس انسانی اُن میں ابتک باقی ہے کہ جس طرح مدعیان نبوت کو اُن کے اسلاف نے نہیں مانا تھا

انہوں نے بھی نہیں مانا اور اولئک کالانعام بل ہم اضل کے مصداق ہو گئے۔ غرض کہ ظلمت عامہ کے پھیلنے اور حقیقت انسانیہ کے فنا ہونے کا سنہ مذکور تو نہیں ہوسکتا۔ شاید انقلاب کے لحاظ سے ۱۲۷۴ ہجری قرار دیا ہوگا چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۲۲) میں لکھتے ہیں "آیت انا علی ذہاب بہ لقادرون میں ۱۸۵۷ عیسوی کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپدید ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل (۱۲۷۴) ہیں در حقیقت ضعف اسلام کا زمانہ ابتدائی یہی ہے جس کی نسبت خدا تعالے آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئیگا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا سو ایسا ہی ۱۸۵۷ عیسوی میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی کہ بجز بد چلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو اور کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا انہیں ایام میں انہوں نے ناجائز طریقے سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا جو سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے اس وقت کے مولوی کیسے تھے اور کیسے اُن کے فتوے تھے جس میں نہ رحم تھا نہ عقل اُن لوگوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کیا بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے انہیں پانی تک نہ دیا پس اُس حکیم اور علیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام اٹھایا جائیگا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کرینگے

باوجود اس کے یہ مولوی اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں ہمیں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا انتہی مختصراً۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن شریف اٹھا لیا گیا اس وجہ سے کہ آثار اسلامی سلطنت ہند سے ناپدید ہو گئے اور ظلمت عامہ اور اندھیر پھیل گئی معلوم نہیں ان ایام سے ظلمت اور اندھیر پھیلنے کا کیا سبب ہوا اگر غدر کی وجہ سے تھا تو اس کے بعد امن و آسائش کا زمانہ آگیا چنانچہ خود ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۰۹) میں تحریر فرماتے ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہیں جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھے ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں نہیں پا سکتے ہرگز نہیں پا سکتے انتہی۔

باوجود اس کے ایسے زمانے کو اندھیر کا زمانہ قرار دینا مرزا صاحب کی شان کے خلاف ہوگا۔ اور اگر غدر کے سوا اور کوئی سبب ظلمت اور اندھیر کا ہے تو ضرور تھا کہ گورنمنٹ سے اس ظلمت اور اندھیر کے اٹھانے کی درخواست کرتے بغیر چارہ جوئی کے یہ شکایت نازیبا ہے۔ پھر فقط ظلمت اور اندھیر ہی پر کفایت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں انسانی حقیقت فنا ہو گئی یعنی کسی میں آدمیت ہی نہ رہی یہ دوسرا الزام ہے گورنمنٹ تو لکھوکھا روپیہ بمقتضائے انسانیت تعلیم میں صرف کرے اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ انسانیت کی حقیقت فنا ہو گئی یعنی کسی ایک آدمی میں آدمیت نہ رہی اگر یوں فرماتے کہ کسی مسلمان میں آدمیت نہ رہی تو دوسری گالیوں میں

اس کا بھی شمار کر دیا جاتا وہ تو عام طور پر کہہ رہے ہیں کہ کسی آدمی میں آدمیت نہ رہی اور ظلمت اور اندھیر بالکل پھیل گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی تعریف وہ منافقانہ طور پر کرتے ہیں اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۴۶) میں لکھتے ہیں ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد بااقبال قومیں ہوں اور گدھا اُنکا یہی ریل ہو جو مشرق سے مغرب کے ملکوں میں ہزارہا کوسوں تک چلتی دیکھتے ہو انتہیٰ اب اُنہیں سے پوچھا جائے کہ دجال کو کیا آپ ایماندار عیسائی سمجھتے ہیں یا یہودی بے ایمان۔ پھر بااقبال قوم کو جو دجال قرار دیا جس کی ریل مشرق سے مغرب کے ملکوں میں چلتی ہے اس قوم سے کونسی قوم مراد لی۔ اگر دل میں گورنمنٹ کی توہین کا خیال نہ تھا تو در پردہ بااقبال قومیں کہنے کی کیا ضرورت تھی صاف کہدیتے کہ دجال سے مراد روس ہے جس کی ریل مشرق سے مغرب کو جاتی ہے۔ یہی تو منافقی ہے۔ حیرت ہی کہ اپنے آپ پر قیاس کرکے مسلمانوں کو منافق بنا رہے ہیں اور یہ جو فرماتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا اس واسطے حق تعالیٰ نے ۱۸۵۷ء میں قرآن کو اُٹھا لیا فی الواقع یہ بڑا ہی ظلم ہوا مگر یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اُس کے پہلے ۶۰ھ میں ایک سخت ظلم وستم کا واقعہ اسلام میں بھی گذر چکا ہے جسکو تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعے میں کس قدر بے رحمیاں کی گئیں اور خاندان نبوت پر کیسا ظلم ہوا کہ جس کے سُننے سے آدمی روتے روتے بے تاب ہو جاتا ہے چنانچہ خود مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۰) میں اس واقعہ کے باوقعت اور باعظمت اور دردناک ہونے کے قائل ہیں۔ اب اگر ظلم شدید کی وجہ سے قرآن کا اُٹھایا جانا مسلم ہو تو

یہ ماننا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور خاندان پر ایسا ظلم شدید ہونے کے وقت ۶۱ھ ہی میں قرآن شریف اُٹھالیا گیا پھر ۱۸۵۷ء میں باقی کیا تھا جو اُٹھایا جاتا اور جو فرماتے ہیں کہ وانا علی ذہاب بہ لقادرون میں ان عدد سے بیان فرمایا کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن زمین سے اٹھالونگا اس میں مرزا صاحب کو علی ذہاب بہ کی ضمیر کے مرجع میں دھوکا ہوگیا جس کی بہ سے قرآن کی طرف وہ ضمیر پھیر دی اس کا حال پوری آیت سے معلوم ہوسکتا ہے وہ یہ ہے وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ فی الارض وانا علی ذہاب بہ لقادرون ترجمہ اور ہم نے ایک اندازے کے ساتھ پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھیرا رکھا اور ہم اُس پانی کے اُڑا لیجانے پر بھی قادر ہیں۔ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے کہ بہ کی ضمیر پانی کی طرف پھرتی ہے جو اُسکے پہلے صراحتاً مذکور ہے اور قرآن کا وہاں ذکر بھی نہیں اگر لاعلمی سے مرزا صاحب نے یہ کہدیا تو غلطی کی اور اگر قصداً یہ معنی قرار دئے تو تحریف کی پھر اس آیت کو مادہ تاریخ قرآن کے اُٹھائے جانیکا ٹھیرا کر یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء اس کا وقت قرار دیا گیا دوسری غلطی ہے شاعروں نے جو مادۂ تاریخ کی اصطلاح ٹھیرائی ہے ان کے یہاں بھی یہ شرط مسلم ہے کہ مادۂ تاریخ کے پہلے معلوم کرا دیتے ہیں کہ فلاں واقعے کا سال ان الفاظ سے نکلتا ہے مگر حق تعالیٰ نے نہ یہ اصطلاح بیان کی نہ اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ آیت مادۂ تاریخ ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ فرمایا کہ دیکھو فلاں آیت فلاں واقعہ کا مادۂ تاریخ ہے اور اگر صرف مضمون کے لحاظ سے آیات مادۂ تاریخ قرار دی جائیں تو ان الساعۃ آتیۃ سے واقعہ قیامت ۱۰۰۲ھ میں ہونا چاہیئے۔

علاوہ ان تمام امور کے لقادرون سے یہ کہنا کہ اُس کا وقوع ہو گیا یہ بھی ایک دھوکا ہے
یہی لفظ دوسرے مقامات میں وارد ہے اور اس سے مقصود صرف تخویف اور بیان قدرت
ہے کما قال تعالےٰ وَإِنَّا لَقَادِرُونَ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ
یعنی ہم قادر ہیں کہ اُن کفار سے بہتر اُن کے بدلے بسائیں حالانکہ کفار ابتک
موجود ہیں اسی طرح ارشاد ہے قولہ تعالیٰ وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ
یعنی ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا وعدہ ان کافروں سے کیا گیا تمہیں دکھا دیں۔
حالانکہ اس کا بھی وقوع نہیں ہوا بلکہ مقصود بیان قدرت اور تخویف ہے اسی طرح
اس آیۂ شریفہ میں بھی بیان قدرت اور تخویف مقصود ہے کہ پانی جو زمین پر ٹھیرتا ہے
اور جس سے تمام منافع بنی آدم کے متعلق ہیں اُس کے اڑا لیجانے پر ہم قادر ہیں
اگر اس قدرت کو ظاہر کر دکھائیں تو تمہاری کیا حالت ہوگی اب غور کیا جائے کہ باوجود
اتنے دھوکوں اور غلطیوں کے یقینی طور پر یہ کہدینا کہ حق تعالےٰ قرآن میں
فرماتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہم قرآن کو اُٹھا لینگے کس قدر جرأت ہے ہر شخص سمجھ سکتا
ہے کہ یہ حق تعالےٰ پر صریح افترا ہے اور قرآن سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ
پر افترا کرے وہ کفار سے بھی بدتر ہے جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے مستفاد ہے قولہ تعالیٰ
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اور ارشاد ہے قولہ تعالےٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ یعنی ظالموں کو خدا رستہ ہی نہیں بتاتا پھر جسکو خدا رستہ نہ بتائے
تو اُس کی گمرہی میں کیا شک ہے نعوذ باللہ من ذالک۔
مرزا صاحب نے ایام غدر کے مظالم کا فوٹو کھینچکر سب الزام علما کی ذمے لگا دیا
کہ انہیں کے فتووں سے عورتیں اور بچے بیاسے قتل کئے گئے۔ مگر یہ بات حد تواتر

تک پہنچ گئی ہے کہ وہ ایک ایسا عام بلوہ تھا جس میں ہندو مسلمان سب کے سب شریک تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کے واقعات گویا حکومت کا لازمہ ہے اس لئے کہ گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی تعلقات کثرت سے ہوتے ہیں کبھی نہ کسی بات پر مخالفت ہو ہی جاتی ہے اس میں کوئی فرقے کی خصوصیت نہیں لیکن گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ ایسے مفسدوں کو دفع کرکے امن وامان قائم کردے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بفضلہ تعالے پورے طور سے ہندوستان میں اُس کے بعد امن قائم ہوگئی مگر مرزا صاحب کو مسلمانوں کا بے فکری سے رہنا گوارا نہیں اسی وجہ سے خلاف واقع مسلمانوں کے ذمے الزام لگارہے ہیں اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جب مجرمین اُسی زمانے میں سزایاب بھی ہوگئے اور امن بھی قائم کردی گئی اور پچاس (۵۰) برس کی مدت گذر گئی جس کی وجہ سے فی صدی پانچ شخص بھی اُس زمانے کے اب باقی نہیں رہے ایسے وقت میں گورنمنٹ مرزا صاحب کی ان اشتعالکوں کی طرف کیوں توجہ کریگی۔ اگرچہ مرزا صاحب بھی ایسے شخص نہیں کہ مسلمانوں کے بالکل جانی دشمن ہوں۔ کیونکہ آخر مسلمانی کا دعوے ان کو بھی ہے۔ مگر شائد اقتضائے طبیعت سے اس تحریر کے وقت مجبور ہوگئے ہونگے اور ایک دلیل اپنے صدق پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۶۳) میں مذکور ہے

اس بات کو میں منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتے تک اس بات کے فیصلے کیلئے

احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تاکہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا کوئی نشان

یا کوئی اعلیٰ درجے کی پیشگوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے ایسا ہی

میں بھی دوسری طرف توجہ کرونگا اگر آپ لوگ اعراض کرگئے توگریز پر حمل کیا جائیگا انتہی ملخصاً

حاصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب جو دعویٰ رسالت وغیرہ کرتے ہیں اس کی نفی کا
بینہ فریق مقابل کے ذمے ہے مدت معینہ میں پیش نہ ہو تو ان کا دعوے ثابت
اور بینہ بھی کیسا کہ اقتدار بشری سے خارج ہو۔

یہ بھی ایک الہامی طریقہ ثبوت دعوے کا ہے جو مرزا صاحب کے خصائص سے
ہے مگر خدانخواستہ اس طریق کا اگر رواج پڑ جائے تو جھوٹوں کو کامیابی کا بڑا ہی
ذریعہ ہاتھ آجائیگا جسکا جو جی چاہیگا کسی پر دعوے کرکے ثبوت میں یہ بینہ
پیش کر دیگا کہ اگر مدعی علیہ سچا ہے تو احکم الحاکمین کی طرف رجوع کرے۔ ضرور
کوئی نشانی مل جائیگی جو راستبازوں کو فوق طاقت بشری ملا کرتی ہے اور جب
مدت معینہ میں نہ ملے تو اپنا دعوے ثابت۔ خدائے تعالے نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ ہزارہا معجزے عطا کئے شق قمر تک آپ کے دست مبارک سے
ہوا مگر بعض وقت حسب خواہش کفار کوئی نشانی بھی نہیں دی گئی چنانچہ اس آیہ شریفہ
سے ظاہر ہے وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ
جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ الی قولہ تعالے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا
مطلب اس کا یہ ہے کہ کفار نے حضرت سے درخواست کی کہ زمین سے چشمے
جاری ہو جائیں یا ایک باغ پیدا ہو جائے یا آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دیا جائے اور
اسی قسم کی کئی درخواستیں کیں اس پر حضرت کو حکم ہوا کہ اُن سے کہو کہ میں تو ایک
بشر رسول ہوں یعنی جو معجزے میرے ہاتھ پر خدائے تعالے ظاہر کراتا ہے
وہ کرتا ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہاری ہر درخواست کو منظور کر لیا کروں
دیکھئے باوجودیکہ آیات و معجزات لازمۂ رسالت ہیں۔ مگر ضرور نہ تھا

کہ جانب مقابل کی طلب پر کوئی نشانی ضرور ظاہر ہو تو اب مرزا صاحب کی طلب پر کیا ضرورت ہے کہ کوئی نشانی اہل حق سے ظاہر ہو اور نہ ہونے سے حق کی حقانیت میں فرق آجائے۔ اگر وہ ضرور ہوتا تو معاذ اللہ اس وقت کفار اہل حق ٹھیر جاتے۔ پھر اس نشانی کے ظاہر نہ ہونے سے مرزا صاحب کا حق پر ہونا کیونکر ثابت ہوگا۔

مرزا صاحب کو ایسے ابواب میں کمال مشاقی اور جرأت حاصل ہے اس دس ہفتے کی مہلت میں انہوں نے کوئی ایسی بات ضرور سوچی تھی کہ اسکو بالائی تدابیر سے اپنی کامیابی کا ذریعہ بنالیتے جیسے نصاریٰ کے مقابلے میں انہوں نے یہی تدبیر کی کہ باوجودیکہ پیشینگوئی جھوٹی ثابت ہوگئی مگر وہ اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بتاتے جاتے ہیں۔

اور ایک دلیل اپنی علیسویت پر رسالۂ نشان آسمانی میں لکھتے ہیں کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی جس زمانے میں اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کے مرشد سید احمد صاحب مہدی وقت قرار دئے جائیں اس زمانے میں انہوں نے قصیدہ شاہ نعمت اللہ کو حاصل کرکے بہت کچھ سعی کی کہ یہ پیشگوئی ان کے حق میں ٹھیرائی جائے یہانتک کہ انہوں نے اپنی کتاب کے ساتھ اس کو شائع کردیا لیکن اس پیشگوئی میں وہ پتے اور نشان دئے گئے تھے کہ کسی طرح سید احمد صاحب اُن علامات کے مصداق نہیں ٹھیر سکتے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق کا نام احمد ہے اور نیز یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا اور لکھا ہے کہ وہ تیرھویں صدی

میں ظہور کریگا۔ پس بنظر سرسری خیال گذر سکتا ہے کہ سید احمد صاحب میں یہ تینوں علامتیں نہیں۔

پھر مرزا صاحب نے اُس قصیدے کے چند اشعار نقل کئے جن میں سے چند یہ ہیں

غین و رے سال چوں گزشت از سال	بوالعجب کار و بار می بینم
ظلمت ظلم ظالمان دیار	بیحد و بے شمار می بینم
چوں زمستان بے چمن بگذشت	شمس خوش بہار می بینم
غم مخور زانکہ من درین تشویش	خرمی وصل یار می بینم
غازی دوست دار و دشمن کش	ہمدم و یار غار می بینم
اح م د دال می خوانم	نام آن نامدار می بینم
بادشاہ تمام ہفت اقلیم	شاہ عالی تبار می بینم
مہدی وقت و عیسی دوران	ہر دو را شہسوار می بینم

مرزا صاحب چوں زمستان بے چمن بگذشت کی شرح میں لکھتے ہیں

کہ جب تیرھویں صدی کا موسم خزاں گذر جائیگا تو چودھویں صدی کے سر پر آفتاب بہار نکلے گا یعنی مجدد وقت ظہور کریگا انتہے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جہاں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے اس میں ہر قسم اور طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں بعض مفتری وکذاب بھی ہوتے ہیں جو اُس مجمع اور گروہ کی ترقی کی غرض سے اعتقاد بڑھانے والے اقسام کی باتیں بنا لیتے ہیں اور بعض دیانت دار بھی نیک نیتی سے ایسے امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر اس میں کچھ گناہ بھی ہو تو اُس نیک نیتی کی وجہ سے معاف

ہو جائیگا۔ بہرحال ممکن ہے کہ کسی نے اُس وقت یہ قصیدہ بنا کر ایک کامل بزرگ کے نام سے مشہور کر دیا ہو جس سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو بھی استدلال کا موقع ہاتھ آ گیا اور اُن کا استدلال صحیح بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس میں سنہ ۱۲ سو ہجری کے بعد کی خبر ہے جس زمانے میں سید احمد صاحب کا ظہور ہوا تھا اگر بقول مرزا صاحب چودھویں صدی کا ذکر صاحب قصیدہ کو منظور ہوتا تو (چوں زمستان بے چمن بگذشت) کی جگہ (گذرد چوں صدی سیزدہم) لکھدیتے کیونکہ جب پورے واقعات کا کشف ہی ٹھیرا تو (دو غ درے) کے بعد ایام فتنہ زائیاں کرکے عین مقصود بالذات زمانہ بشارت کو چھوڑ دینا بالکل خلاف عقل ہے۔ پھر جب کہ اس پیشگوئی میں سید احمد صاحب اور غلام احمد بیگ صاحب میں تنازع ہے تو سرسید احمد خاں صاحب اس سے کیوں محروم رکھے جائیں اُن کے اتباع تو مہدی وقت وعیسی دوراں اُسکے مصداق کی تکمیل میں مہدی علی خاں صاحب کو پیش کر دینگے جس سے (مہدی وقت و عیسی دوراں ہر دو را شہسوار می بینم) بھی چسپاں ہو جائیگا اور مرزا صاحب نے جو تکلیف اٹھا کر دو کو ایک کر دیا اُس کی ضرورت بھی نہ رہیگی اور کثرت اتباع کے لحاظ سے بھی اُنہیں کا نمبر بڑھا رہیگا۔ یہ سب آپس کے جھگڑے ہیں۔ مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ قصیدے میں تو بادشاہ تمام ہفت اقلیم می بینم لکھا ہے اگر یہ تینوں احمد صاحبان علی سبیل البدلیت یا بطور مانعۃ الخلو مصداق ٹھیریں تو ان کے پیرو صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے عشر عشیر نہیں ہو سکتے۔ پھر ہفت اقلیم کی سلطنت کیسی اس سے بداہتہً معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ قصیدہ جعلی ہے کسی نے مصلحت وقت

کے لحاظ سے بناکر اُس بزرگ کی طرف منسوب کر دیا۔

مرزا صاحب نے چند اشعار کی شرح کی اور پورا قصیدہ علحدہ اُسی کتاب میں لکھدیا اس قصیدے کی ابتدا میں یہ اشعار ہیں۔

در خراسان و مصر و شام و عراق فتنہ و کارزار می بینم
ترک و تاجیک را بہمدیگر خصمی و گیرو داری بینم

اب اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فتنہ تو خراسان و مصر و شام و عراق و ترک و تاجیک میں ہو اور مرزا صاحب ہندوستان میں نکلیں اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس فتنے کی خبر وسے کو وہ بھیجے گئے ہوں تا لوگ ہوشیار رہیں مگر کوئی ایسی خبر بھی اُ ہوں۔۔نے ابتک شائع نہیں کی مرزا صاحب فرماتے ہیں یہ سچ ہے کہ استثنائیہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا چونکہ مرزا صاحب جھوٹ کو شرک کے برابر سمجھتے ہیں ضرور ہندوستان کی طرف اس میں اشارہ ہوگا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آیا شاید کسی کی سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قابل غور ہے جو احادیث اُن کے مضر ہوتی ہیں اگر صحیح مسلم میں بھی ہوں تو صاف کہدیتے ہیں کہ بخاری نے ان کو صحیح نہ سمجھکر چھوڑ دیا الا وہ کبھی کہتے ہیں کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو وہ حدیث نہ ملی اور کبھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ راوی نے سہواً یا عمداً خطا کی ہو مطلب یہ کہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں یعنی موضوع ہیں اور احادیث صحیحہ میں یہ کلام ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں میں استعارات و کنایات ہوتے ہیں ظاہری معنی ان کے نہیں لیسکتے اور جو بات اپنے مفید سمجھتے ہیں وہ کیسی ہی بے اصل اور مجہول ہو اس پر استدلال

کرتے ہیں اور اُس کے معنی لینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا دیکھئے یہ قصیدہ تو قابلِ استدلال ہوا جس کا ثبوت تقریباً محال ہے اور جو مضمون بیان کیا گیا وہ بھی ایسا کہ مرزا صاحب کے سوا کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے پھر شاہ نعمت اللہ صاحب کے کشف کا اس قدر وثوق کہ کوئی لفظ اُس کا ظاہری معنی سے ہٹ نہیں سکتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کشف اور پیشگوئیاں ابھی مندرکہ جب تک اُن میں نئے معنی نہ ڈالے جائیں اپنے ذاتی معنی پر دلالت ہی نہیں کر سکتیں بلکہ کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس کی حقیقت کھلی ہی نہیں اسپر دعوے اُمتی بلکہ نبی ہونے کا۔

ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۰۲) میں لکھتے ہیں مجھے خبر کی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل کھڑا ہو وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا انتہٰے۔
فی الواقع اگر یہ خبر اللہ کی طرف سے دی گئی ہو تو اعلے درجے کی نشانی ہوگی مگر اس کا ظہور اب تک نہیں ہوا جب سے مرزا صاحب نے دعوے عیسویت کیا تمام علما اُن کے مقابلے میں برابر کھڑے ہیں اور کبھی اُن کو ذلت نہ ہوئی بلکہ اسلامی دنیا میں ان کی عزت اور بڑھ گئی۔
مرزا صاحب نے اس بنا پر یہ بات کہی ہے کہ جو شخص اُن کا مقابلہ کریگا وہ اسکو بہت سی گالیاں دینگے اور خفیف کرینگے جس سے اُس کو شرمندہ ہونا پڑیگا۔ مگر خود بھی ذرا سوچیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں انہیں کی ذلت ہے بازاری لوگ معززین کی نگاہوں سے کیوں گرے ہوئے ہیں اسی وجہ سے کہ فحش بدگوئی اور بدخلقی اکثر اُن سے دیکھی جاتی ہے۔ مرزا صاحب

نے دیکھا کہ بازاری لوگ فحش و سب و شتم کی وجہ سے معزز نہیں سمجھے جاتے
مگر اُس کے ڈر سے اُن کے کام تو نکل آتے ہیں۔ اس وجہ سے برآمد کار کے لئے
یہی طریقہ خوب ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مرزا صاحب نے اراذل و بدمعاشوں سے
جو اس بات میں سبق لیا وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عقلا کی
شان یہی ہے کہ اپنے مقصود کی بات جہاں ملتی ہے لے لیتے ہیں اور یہ خیال
نہیں کرتے کہ ہم کس سے لے رہے ہیں دیکھئے کتب اخلاق میں مصرح ہے کہ
آدمی کو چاہیئے کہ اپنی کارآمد صفتیں کتے سے سیکھے کہ کیسا قانع اور وفادار ہے
بلکہ ہمیں صرف لم اور ماخذ اس طریقے کا بتلانا منظور ہے گو مرزا صاحب اُس کو
قبول نہ فرمائیں کیونکہ وہ اس طریقے کو عیسویت کا لازمہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ
عصائے موسیٰ صفحہ (۱۵۰) میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسا کہ سور۔ کتے۔
بے ایمان۔ بدکار وغیرہ وغیرہ لفظ وغیرہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام
بکثرت گالیاں دیا کرتے تھے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لازمہ عیسویت ہے
چونکہ مرزا صاحب کو تکمیل عیسویت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی صفات کے
ساتھ متصف ہونا ضرور تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ حالانکہ ان کی
ذاتی خصوصیات کچھ اور ہیں۔

امام سیوطی رحمہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حال میں کئی ایک روایتیں تفسیر درمنثور
میں نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے چند روایات کا ترجمہ
نقل کیا جاتا ہے اگر کسی صاحب کو ان کا دیکھنا منظور ہو تو درمنثور کی جلد دوم

میں صفحہ (۲۶) سے صفحہ (۳۲) تک ملاحظہ فرمالیں ماحصل ان کا یہ ہے کہ عیسے علیہ السلام نے اپنے لئے نہ کہیں گھر بنایا نہ بنانے دیا۔ نہ ان کو اہل و عیال تھے۔ گذران کی یہ صورت کہ جنگل میں سے پتے وغیرہ کھاکر بسر کرتے۔ جہاں شام ہوئی مقام کیا صبح ہوئی روانہ ہوگئے۔ نہ کبھی چراغ جلایا نہ بچھونا بچھایا۔ جہاں نیند غالب ہوگئی لیٹ گئے۔ سوائے کمل یا ٹاٹ کے کوئی لباس نہیں پہنا نہ کبھی سر میں تیل ڈالا نہ کنگھی کی۔ بجائے نعلین کسی درخت کی چھال پیروں سے لپیٹ کر ایف سے باندھ لیتے کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ایک بار آپ پتھر سرہانے لیکر سوتے تھے۔ ابلیس نے متشکل ہوکر طعن کیا کہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ میں دنیا کا سامان کچھ نہیں رکھتا۔ پھر یہ پتھر کا سرہانا کیسا آپ نے وہ بھی پھینک دیا۔ ایک بار آپ حوارئین کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ رستے میں مرے ہوئے کتے پر سے گذر ہوا لوگوں نے اُس کی بدبو کی شکایت کی آپ نے فرمایا اُس کے دانت کتنے سفید ہیں۔ مقصود یہ کہ کسی چیز کی مذمت نہ کی جائے۔ ایک بار ایک خنزیر اُن کے روبرو سے نکلا اُس سے خطاب کرکے فرمایا سلامتی سے گذر جا کسی نے کہا یا روح اللہ آپ خنزیر سے ایسا خطاب فرماتے ہیں جو آدمیوں سے کیا جاتا ہے۔ فرمایا میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری زبان کو بُری بات کی عادت ہو ایک بار ایک رفیق کے ساتھ آپ جنگل میں جارہے تھے ایک بدمعاش حائل ہوکر کہا کہ جب تک تم دونوں کو ایک ایک طمانچہ نہ مارلوں جانے نہ دونگا آپ نے فرمایا اچھا تو مجھے مارلے اُس نے آپ کو مارکر رستہ دیا مگر رفیق راضی نہ ہوا آپ نے فرمایا اُس کے بدلے بھی مجھی کو مار یہ کہکر دوسرا رخسار مبارک پیش کیا اُس نے

آپ ہی کو مار کر دونوں کو رستہ دیا۔ ایک بار آپ دھوپ میں چل رہے تھے دھوپ کی شدت اور پیاس کی سختی سے تاب نہ لاکر کسی کے خیمے کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ صاحب خیمہ نا ہر آکر آپ کو وہاں سے اٹھا دیا آپ علیحدہ ہوکر دھوپ میں بیٹھ گئے اور فرمایا اے شخص تو نے مجھے نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اٹھایا جو نہیں چاہتا کہ دنیا میں مجھے کچھ بھی راحت ہو یعنی پوری راحت جنت ہی میں ہو گی۔ آپ اکثر پانی پر چلا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا یہ بات آپ کو کیونکر حاصل ہوئی فرمایا ایمان اور یقین کی وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں بھی تو ایمان و یقین ہے فرمایا تم بھی چلو تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک موج آئی اور وہ ڈوبنے لگے آپ نے ان کو نکال کر پوچھا تم نے کیا کیا تھا کہا موج سے ہم ڈر گئے تھے فرمایا موج کے رب سے کیوں نہیں ڈرے یہ تھوڑا سا حال مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ اب مسیح علیہ السلام اور مثیل مسیح کی حالت کا موازنہ کر کے بھی دیکھ لیجئے تاکہ تعرف الاشیاء باضدادہا کے لحاظ سے مرزا صاحب کی معرفت حاصل ہو جائے وہاں تجرد کی وہ کیفیت تھی تو یہاں تعیش کی یہ کیفیت کہ پیرانہ سری میں شادی ہونے میں جو توقف ہو گیا تو مثیل صاحب جامے کے باہر ہیں اور کنبے بھر میں ایک تہلکہ برپا ہے کہ محمدی صاحبہ کے بھائی نے اپنی لڑکی کیوں نہیں دی اس جرم میں بہو بیٹے میں تفرقہ اندازی کی تدبیر اور فرزند پر یہ تشدد کہ اگر طلاق نہ دے تو عاق اور میراث سے محروم ہے۔ وہاں کمل اور ٹاٹ کا لباس ہے تو یہاں پشمینہ وغیرہ اعلےٰ درجے کے ملبوسات۔ وہاں رہنے کو گھر نہیں یہاں سجی ہوئی کمرے مکانات باغ سکونت اور تفرج کے لئے آراستہ ہیں وہاں سرہانے کے

تکیہ کے لئے پتھر گوارا نہیں یہاں بغیر اعلے درجے کے نرم نرم توشکیں اور لحاف کے نیند نہیں آتی ہے۔ وہاں جنگل کے پتوں پر گذران تھی۔ یہاں مرغی۔ انڈے پلاؤ وغیرہ الوان نعمت کی ضرورت۔ وہاں دھوپ میں پیاس سے موت کا سامان ہے تو یہاں ہر وقت برف۔ کیوڑہ وغیرہ تنعم کا سامان مہیا وہاں جنگل شب ہے اور اندھیری رات کا سناٹا اور جلانے کو چراغ نہیں یہاں گھر کے پاس ہزاروں روپے کے صرف سے ایک بلند منارہ بنایا گیا جس کی روشنی جنگل میں پڑے۔ وہاں کل راحتوں کا حوالہ آخرت پر ہے تو یہاں کل راحتوں کا استیفا دنیا میں۔ وہاں مرے ہوئے کتے کی مذمت گوارا نہیں یہاں صحابہ سے لیکر آج تک کے مسلمان مشرک قرار دیے جارہے ہیں اور مسلمانوں کی شان میں وہ الفاظ کہ کوئی کافروں کو بھی نہیں کہتا۔ وہاں خنزیر کے ساتھ مہذبانہ برتاؤ یہاں علما و مشائخین کے القاب خنزیر وغیرہ زبان زد ہیں غرض کہ مثیل مسیح موعود ہونے کے لئے تمامی صفات مسیح علیہ السلام سے وہ صفت منتخب کی گئی جس سے مسیح علیہ السلام کو کمال درجے کی نفرت اور احتراز رہا۔ اور انجیل جس کو خود ہی محرف بتاتے ہیں اس میں سے صرف فحش اور سب و شتم کا مضمون لیکر مسلمانوں کو لگے گالیاں دینے کہ دیکھو میں مسیح ہوں میرا فرض منصبی ہے کہ دل کھول کر لیکن ٹھنڈے دل سے گالیاں دیا کروں۔ اس کی وجہ اور کیا ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ عیسے علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل و اخلاق کا حاصل کرنا تو محال ہے اور ان کی کوئی بات اپنے میں نہ ہو تو مثلیت کا ثبوت مشکل ہے اس لئے ملا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے لحاظ سے خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کرنے کے طریقہ

سب وشتم کو اختیار کیا جس کا ذکر اناجیل محرفہ میں ہے۔

اس باب میں جو تحریفیں وغیرہ ہوئیں اُس کا الزام اُسی کے ذمے ہوگا جس نے الحاق کر کے عیسےٰ علیہ السلام کی طرف اس طریقۂ شنیعہ کو منسوب کیا مرزا صاحب نے حسن ظن سے اس باب میں صرف تقلید نصاریٰ کی کی اور مقلد کو یہ حق نہیں کہ اپنے مقتدا پر تحریف وغیرہ کا الزام لگائے اس لئے نہ مرزا صاحب پر تحریف کا الزام آسکتا ہے نہ ترک تحقیق کا بہرحال یہ دین عیسائی کی تعلیم تھی۔ اب دین محمدی کی تعلیم دیکھئے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی خدائے تعالےٰ منع کرتا ہے بیحیائی اور بدگوئی اور برے کام سے اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ یعنی شیطان جو تمہارا دشمن ہے بدگوئی اور برے کاموں کا حکم کرتا ہے۔ ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ سب وشتم سے خدائے تعالےٰ منع فرماتا ہے اور شیطان اُس کا حکم کرتا ہے۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس صفت کا نام ونشان نہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف (صفحہ ۸۹۱) میں ہے لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا ولا متفحشا یعنی بدگوئی کی صفت حضرت میں نہ بالطبع تھی نہ عارضی طور پر اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بجائے السلام علیکم کے دبی آواز سے السام علیکم کہا حضرت نے اُن کے جواب میں صرف وعلیکم فرمایا مگر عائشہ رضی اللہ عنہا صبر نہ کر سکیں کیونکہ سام کے معنی موت کے ہیں اور غصے سے کہا

وعلیکم ولعنکم اللہ وغضب اللہ علیکم حضرت نے اُن سے فرمایا مہلاً یا عائشۃ علیک
بالرفق وایاک والعنف والفحش یعنی اے عائشہ سختی اور بدگوئی سے دور رہو۔
دیکھئے بددعا کے بدلے بددعا دی گئی تھی اس کا نام بھی حضرت نے فحش ہی کہا
جس سے خدائے تعالےٰ منع فرماتا ہے وعن عبد اللہ بن قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سباب المومن فسوق وقتالہ کفر رواہ البخاری یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے
اور اس کا قتل کفر ہے وعن ثابت ابن الضحاک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ رواہ البخاری یعنی جو شخص
کسی مسلمان پر لعنت کرے یا اُس کو کافر کہے تو گویا اسکو اس نے قتل کر ڈالا۔
مرزا صاحب کو اسما میں تصرف کرنے کا ہتھکنڈہ ہاتھ آگیا ہے۔ اس لئے خوب ہی
گالیاں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کا نام گالی ہی نہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام ص ۱۴
میں لکھتے ہیں اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ
لیتے ہیں اور ان دونوں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی بات کو جو در اصل
ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت
کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ
دشنام اور سب وشتم فقط ایک مفہوم کا نام ہے جو خلاف واقعہ اور دروغ
کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے انتہےٰ۔
حاصل اس کا یہ ہوا کہ کسی کے واقعی عیوب بیان کئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ مگر
یہ بات قرآن شریف کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ
یعنی ہمزۃ اور لمزۃ کے لئے ویل ہے جو جہنم میں ایک وادی ہے۔ تفسیر خازن میں

ہمزہ اور لمزہ میں کئی اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ سب اقوال کا مرجع اسی طرف
ہے کہ وہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا عیب بیان کرے۔ اب دیکھئے کہ جب
یقینی موجودہ عیوب ظاہر کرنے کی یہ وعید ہو تو مادرزاد اندھے رئیس الدجالین
ہامان ہالکین وغیرہ کہنے کا کیا حال ہو۔ پھر مرزا صاحب خنزیر چمار چوہڑے
جو علما کو کہتے ہیں کیا ان الفاظ پر بھی دشنام کی تعریف صادق
نہیں آتی۔

مرزا صاحب کا یہ بھی استدلال ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں کافرون
کو بہت گالیاں دی ہیں اور حدیث شریف میں ان پر لعنت وغیرہ وارد ہے
مقصود یہ کہ مرزا صاحب نے خدا کا طریقہ اختیار کیا۔ اور نیز اشداء علی الکفار
بھی وارد ہے۔

اشداء علی الکفار کا جواب تو ظاہر ہے کہ سختی کافروں پر چاہئے مسلمانوں کو
گالیاں دینے سے کیا تعلق اس کے باب میں تو رحماء بینہم کا ارشاد اسی سے
متصل کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب کا روئے سخن گالیوں میں صرف علماء و
مشائخین اہل اسلام کی طرف ہے اگر بزعم مرزا صاحب وہ گناہگار بھی ہوں تو
کیا اسلام سے خارج سمجھے جائینگے۔ پھر اشداء علی الکفار سے استدلال
کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ برخلاف اس کے برے القاب سے مسلمانوں کا
ذکر ممنوع ہے کما قال تعالیٰ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی عیب مت کرو آپس میں ایک دوسرے کا اور مت بلاؤ

ایک دوسرے کو برے نام سے برا نام گناہگاری ہے پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے وہ ظالموں سے ہے۔ تفسیر خازن میں بروایت ترمذی منقول ہے کہ بعض لوگوں کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے جن میں وہ بعضوں کو ناپسند کرتے تھے اگر کوئی ان ناپسندیدہ ناموں سے ان کو پکارتا تو وہ رنجیدہ ہوتے ان کے باب میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔ اور لکھا ہے کہ لَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ یعنی اپنی ذاتوں کو عیب مت لگاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی مسلمان کو عیب لگایا تو گویا وہ عیب تم نے اپنی کو لگایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن اس درجے کے اتحاد کی تعلیم کر رہا ہے کہ سب مسلمان آپس میں کنفس واحدہ ہو جائیں اور عمل یہ ہو رہا ہے کہ صرف عیب ہی نہیں لگائے جاتے بلکہ مغلظات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے جس سے اعلیٰ درجے کی دشمنی باہم پیدا ہو جائے اس پر اصلاح قوم کا دعوے اب رہا یہ کہ خدائے تعالیٰ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے سو اس میں یہ کلام ہے جب آیات و احادیث مذکور سے ثابت ہو گیا کہ بد گوئی سے خدا و رسول منع فرماتے ہیں۔ اور منع ہی نہیں بلکہ سخت سخت اس پر وعیدیں ہیں تو کسی کو حق نہیں کہ اپنے مالک اور خالق سے پوچھے کہ جس کام سے آپ منع کرتے ہیں اس کے آپ کیوں مرتکب ہیں۔ دیکھیے تکبر اور تعلی سے حق تعالیٰ نے بندوں کو منع فرمایا ہے اور خود متکبر ہے کیا کوئی اس سے پوچھ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ یعنی خدائے تعالیٰ جو چاہے کرے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور وہ سب سے

پوچھیگا کہ یہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو
چار سے زیادہ عورتوں کی اجازت نہیں دی اور خود بدولت سکے نو یا اُس سے
زیادہ ازواج مطہرات تھیں اس کے سوا اور بہت سی خصوصیات
تھیں جو علما پر پوشیدہ نہیں۔
اب استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے کہ اگر بقول مرزا صاحب قرآن میں گالیاں
ہیں بھی تو وہ کن کو دی گئیں اور اُس کا منشا کیا ہے۔ جو لوگ اپنے خالق کو خالق
نہ سمجھیں اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت کی پرستش کریں اور بجائے
شکر کے ناشکری کریں اور حق تعالےٰ پر بدنما تہمتیں لگائیں اور اُس کے بھیجے
ہوئے سچے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور کھلی کھلی نشانیاں دیکھکر بھی اعتبار نہ کریں اور
قدرت الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو وہ زجر و توبیخ تو کیا اُس سے زیادہ کے مستحق ہیں بھلا
مرزا صاحب ان میں سے ایک بات تو اپنے مخالفین میں بتا دیں سوا اس کے کہ
ان کی جعلی اور بے ضرورت نبوت کو نہیں مانتے۔ جن لوگوں نے ان کی عیسویت
کو قبول کر لیا ہے اور ان کا ماننا ہے سمجھے جاتے ہیں ان میں تقرب الی اللہ کی کونسی بات
زیادہ ہوگئی جو سب میں نہیں سوائے چند چیزوں کے جو اُن کی عیسویت کے
مزاحم ہیں مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا انکار۔ عیسےٰ علیہ السلام کی موت۔ قرآن
میں جو انبیا علیہم السلام کے معجزوں کا ذکر ہے اکثر اُن میں مسمریزم اور سحر تھے۔ مر
گئے بعد اس عالم میں کوئی زندہ نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی خبریں جو قرآن میں دی
گئیں وہ خلاف واقع ہیں۔ حشر اجساد کا انکار۔
غرض کہ یہی چند مسائل کا اختلاف مدار کفر و ایمان کا ٹھیرایا گیا کافر ملعون وغیرہ القاب

انہیں چند خیالات اور اختراعات کے نہ ماننے کی وجہ سے وہ سب بنا رہے ہیں یہاں مرزا صاحب بھی غور فرمائیں کہ اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے ان امور میں جو ہمارے اعتقاد ہیں اگر وہ ہمارے تراشیدہ اور اختراعی ہوتے تو یہ عذر ہو سکتا کہ کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار ہمارے اعتقاد تو قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہیں پھر کیونکر ہو سکیگا کہ با وجود اسلام کے دعوے کے ہم اس کو چھوڑ دیں۔

ہم کتنا ہی عاجزی سے کہیں ہمیں یقین نہیں کہ مرزا صاحب اس طریقہ سب و شتم کو چھوڑ دینگے کیونکہ انہوں نے تو اسی کو تکمیل علیسویت سمجھ رکھا ہے۔ ور نیز اس الہام کو پورا کرنا ہے کہ جو اُن کے مقابلے کو کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا۔ اور ان کی امت کو بھی سب و شتم کی ضرورت ہے تا کہ اُس الہام کا مضمون پورا ہو اور اُن سے یہ تو امید نہیں کہ اپنے نبی کی مخالفت کر کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ عمل اور ارشادات پر عمل کریں اور نرمی اور تہذیب کو کام میں لائیں۔ اگر ایسا کیا تو اپنے نبی کی امت سے خارج ہوئے جاتے ہیں غرض کہ اس باب میں وہ بھی معذور ہیں اس موقع میں ہم لوگوں کو ضرور ہے کہ اس آیۂ شریفہ کو پیش نظر رکھیں جو حق تعالیٰ فرماتا ہے لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ترجمہ البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے اور البتہ سنو گے اہل کتاب اور مشرکین سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اس آیۂ شریفہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ صبر کرنے میں ہم لوگ ہمت نہ ہاریں تھوڑے دن کسی طرح

گذر جائینگے اور اس کا عمدہ بدلہ حق تعالیٰ عطا فرمائیگا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے
کہ آیہ شریفہ میں تو اہل کتاب اور مشرکین کا ذکر ہے جن کی ایذا پر صبر باعث اجر ہے
اور مرزا صاحب تو نہ اہل کتاب سے ہیں نہ مشرک ہیں۔ بلکہ اس شبہ کا جواب
یہ سمجھا جائے کہ مرزا صاحب اس باب میں عیسائیوں کے مقلد ہیں جیسا کہ
ابھی معلوم ہوا اور جس دین کے لوگوں کا جو کوئی مقلد ہو وہ اسی میں سمجھا جاتا ہے
دیکھ لیجئے حنفی۔ شافعی وغیرہ سب محمدی ہیں اس صورت میں جو بات
ہمکو عیسائیوں کی اذیت رسانی میں حاصل ہونے والی ہے مرزا صاحب
اور اُن کی امت کے سب وشتم میں بھی وہی حاصل ہے اور دراصل
ہمارے اسلام کا طریقہ کل انبیا علیہم السلام کا طریقہ ہے جس پر قرآن
کریم شاہد ہے مثلاً فقولا له قولا لينا وغیرہ سے ظاہر ہے۔ سراج الملوک
میں نقل کیا ہے مر المسیح علیہ السلام علی قوم من الیہود فقالوا له شرا وقال لهم خيراً
فقيل له انهم يقولون شراً وانت تقول خيراً فقال كل ينفق بما عنده
یعنی مسیح علیہ السلام کا گذر یہود کی کسی قوم پر ہوا وہ لوگ آپ کو دیکھتے ہی
بُری بُری گالیاں دینے لگے مگر آپنے نہایت عمدگی سے اُن کے جواب دئے
کسی نے آپ سے کہا کہ وہ تو سختی اختیار کر رہے ہیں اور آپ اس عمدگی سے
پیش آرہے ہیں فرمایا ہر شخص وہی خرچتا ہے جو اُس کے پاس ہو۔
الحاصل مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ میرا مقابل ذلیل اور
شرمندہ ہوگا مشاہدے سے ثابت ہے کہ وہ خبر غلط نکلی کہ مرزا صاحب خود ہی ذلیل
و شرمندہ ہوئے جیسا مناظروں وغیرہ سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہوگیا

کہ فی الواقع اُن کو کوئی خبر نہیں دی گئی تھی صرف تخویف کی غرض سے اُنہوں نے وہ مشہور کر دیا تھا مگر مرزا صاحب اور اُن کے اتباع یاد رکھیں کہ ایسی تخویفوں سے مسلمانوں کو کوئی جنبش نہیں ہوتی بلکہ اُن کا ایمان اور زیادہ ہوجاتا ہے جیسا کہ حق تعالے فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ یعنی مسلمانوں سے جب کہا گیا کہ دیکھو تمہارے مارنے کے واسطے لوگ جمع ہو گئے ہیں اُن سے ڈرو تو اس سے اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ ہمارا اچھا وکیل ہے سو ان کو کوئی برائی نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے ساتھ رہے اور وہ جو ڈراتا ہے شیطان ہے اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اُس کے ڈرانے سے ڈرنے والے شیطان کے دوست ہیں۔ سو تم اُن سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسی تخویفات سے ڈرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور مسلمان نہیں۔ اب غور کیا جائے کہ خدا و رسول کے کلام کی کوئی تکذیب کرکے اُس کی حمایت کرنے والوں کو ذلت سے ڈرائے تو کیا ممکن ہے کہ وہ بزدلی کرکے چپ رہجائینگے ہرگز نہیں گالیوں کی ذلت تو کیا قتل کی تخویف سے بھی وہ نہیں ڈرتے۔

جس طرح مرزا صاحب نے ذلت سے ڈرایا اسی طرح تخویف کے لئے وہ یہ خواب

بھی بیان فرماتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۸۶) میں درج ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجے میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اُس کو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اُس سے قتل ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزارہا دشمن اُس سے مارے جاتے ہیں اس خواب سے بھی مرزا صاحب کا مقصود مخالفین کی تخویف اور معتقدوں کا اعتقاد بڑھانا ہے کہ وہ اس غیبی تلوار سے دائیں بائیں مسلمان اور کفار کو تہ تیغ کرینگے کیونکہ جہلا کو تعبیر تو معلوم ہی نہیں ہوسکتی اس لئے وہ ظاہری مفہوم کو سچ سمجھ لینگے دراصل تعبیر پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں۔ البتہ بطور خود جب اُس کا ظہور ہو جاتا ہے تو اس وقت یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ صورت مثالیہ جو دکھلائی گئی تھی اُس سے وہی مراد ہے جس کا ظہور ہوا۔ جب ہمارے مشاہدے سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب ایک طرف آیات و احادیث پر وار کر رہے ہیں اور دوسری طرف اقوال سلف پر تو کھلے طور پر معلوم ہو گیا کہ اُس کی تعبیر یہی ہے جو ظہور میں آگئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تلوار کی نوک جو آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ اشارہ کر رہی ہے کہ علوم سماویہ کو اُن سے ضرر پہنچیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسئلۂ معراج و حشر اجساد و احیائے اموات و حیات مسیح علیہ السلام وغیرہ مسائل میں بہت سے مسلمانوں کے دل میں خدشے پیدا ہو گئے اور بہتوں نے تو آمنا و صدقنا بھی کہدیا۔ داہنی طرف اُن کے مخالف آیات و احادیث ہیں اور بائیں طرف اقوال سلف جن کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں۔ ہرچند مرزا صاحب مسلمانوں

اپنے مخالف سمجھتے ہیں مگر در اصل اُن کو کوئی مخالفت نہیں۔ منشاء مخالفت کا یہی ہے کہ وہ آیات و احادیث و اقوال سلف پر تعدی کر رہے ہیں جن کی تمامیت ہر مسلمان پر فرض عین ہے ورنہ جب تک مرزا صاحب کا حال کھلا نہ تھا یہ آئینہ حصہ وغیرہ کے طبع میں کس قدر تائیدیں دیں۔ اور اگر مخالفین سے مراد اہل اسلام ہی ہوں تو اُن کا قتل ہوجانا ظاہر ہے اس لئے کہ جب مرزا صاحب کی تقریر جو تیغ براں سے کم نہیں اُن پر اثر کر گئی اور آیات قرآن اور احادیث سے ان کا ایمان ہٹ گیا اور مرزا صاحب کے متبع ہو گئے تو اُن کے قتل معنوی میں کیا شک یہ ہلاکت ایسی نہیں ہے جس کے ہم پلہ موت ہو سکے بلکہ وہ ہلاکت ابدی ہے اعاذنا باللہ وایاہم اب مرزا صاحب کی اس تقریر پر غور کیجئے جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۷۵) میں لکھتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اُس وقت دنیا میں آئیگا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اُٹھ جائیگا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے لوکان الایمان معلقا بالثریا لنالہ رجل من فارس یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا۔ جب خواب مرقوم الصدر کی تعبیر مشاہدے سے ثابت ہوگئی تو اُس خواب والی شمشیر نے اس کشف کو بے سروپا کر دیا کیونکہ تلوار کی نوک آواز بلند کہہ رہی ہے کہ اگر قرآن بالفرض ثریا پر پہنچ جائے تو اُس کو مرزا صاحب وہاں بھی نہ چھوڑینگے اس لئے کہ تلوار کی نوک جہاں پہنچے اُس سے وہاں وہی کام لیا جائیگا جو اُس کے لائق ہے۔

ایک دلیل نبوت اور عیسویت پر اُن کی یہ ہے کہ الہام اکثر کرتے ہیں اور اس دلیل کو بنسبت دوسری دلیلوں کے قوی بتلاتے ہیں یہاں تک فرماتے ہیں

ہمارا دعوے الہام سے پیدا ہوا ہے چنانچہ عیسے علیہ السلام کی وفات الہام سے معلوم ہوئی اور اپنے کل فضائل کلیہ اور جزئیہ اور خلیفۃ اللہ اور عیسے موعود اور رسول اللہ وغیرہ ہونا بھی الہام سے معلوم ہوا۔ مگر الہام ہونے کی جو خبریں دیتے ہیں اُن میں یہ کلام ہے کہ سوائے اُن کے مجرد قول کے اُس پر کوئی گواہ نہیں چونکہ انہوں نے حدیث شریف کے راویوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ جائز ہے کہ انہوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو تو ہم اس موقع میں کہ سکتے ہیں کہ جب راویوں میں صحابہ بھی شریک ہیں تو یہ احتمال وہاں تک پہنچ رہا ہے اور اس احتمال کو جب اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ تمام اہل اسلام کے مسلم اشخاص پر شامل ہو رہا ہے تو مرزا صاحب ہی کے قول کے مطابق اُن کے الہامی خبروں میں بھی وہی احتمال پڑ گیا کہ جائز ہے کہ عمداً یا سہواً انہوں نے خطا کی ہو اور انہیں کی تصریح کے مطابق کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اُن کا کوئی الہام قابل استدلال نہ رہا۔

میاں عبد الحق صاحب کو مرزا صاحب کے جہنمی ہونے پر اس تصریح سے الہام ہوا تھا کہ سیصلے نارا ذات لہب یعنی قریب ہے کہ مرزا دہکتی آگ میں داخل ہوگا اُس پر مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۲۷) میں لکھتے ہیں کہ یہ الہام شیطانی ہے اس وجہ سے کہ جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دیکر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ اور استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اُس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی بُرا یا بھلا کلمہ بطور الہام معلوم ہو جائے تو

شیطان اُس وقت اُس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اُس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے یہاں ایک قاعدہ بتلادیا کہ جب کسی چیز کی طرف توجہ تام ہوتی ہے تو شیطان آرزو میں دخل دیتا ہے اور اُس وقت جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب ابتدائے شعور سے کتب مذاہب باطلہ کی طرف متوجہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ایک نیا مذہب ایجاد کر ہی ڈالا۔ اس عرصے میں ہر وقت شیطان کو موقع ملتا رہا اور وقتاً فوقتاً الہام کرتا رہا جو براہین احمدیہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں اور اب تک اس کا سلسلہ منقطع نہیں بلکہ صفائی اور بڑھتی جارہی ہے چنانچہ کن فیکون والا الہام اسی آخری زمانے کا ہے انہوں نے جو قاعدہ ایجاد کیا ہے اُس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیصلے نار کے الہام کے جواب میں تبت یدا ابی لہب کا الہام ہو گیا جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۹۴) میں یہ الہام لکھتے ہیں دیکھو فونک من وو نہ ایمۃ الکفر تبت یدا ابی لہب وتب۔ الغرض اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو شیطانی الہام ہوا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہے کہ عوام الناس تو کیا انبیا کے الہاموں میں بھی شیطان کا دخل ہوا کرتا ہے چنانچہ چارسو نبیوں کے الہام ایک ہی واقعے میں شیطانی اور جھوٹے نکلے کما مر جب انبیا کے الہام حسب اقرار مرزا صاحب جھوٹے نکلے تو مرزا صاحب کے الہاموں کا جھوٹے اور ساقط الاعتبار رہونا بطریق اولی ثابت ہو گیا یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی بغیر الہام کے ہو نہیں سکتی اس لئے کہ آئندہ ہونے والے واقعے اور غیب کی باتیں جب تک خدائے تعالیٰ الہام کے ذریعے سے کسی کو معلوم نہ کرلے

معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب اُن کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں تو معلوم ہوا کہ اُس کے متعلق الہام بھی شیطانی تھے۔

کئی واقعات سے مرزا صاحب کا جھوٹ کہنا بلکہ جھوٹی قسمیں کھانا اور خیانت اور بدنیتی وغیرہ حالات معلوم ہوئے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ رتبۂ الہام بغیر اعلیٰ درجے کے تقدس کے حاصل ہو نہیں سکتا اس لئے مرزا صاحب کے الہام ہرگز قرین صدق نہیں۔

کئی واقعات گواہ ہیں کہ مرزا صاحب نے دنیوی اغراض اور منافع حاصل کرنے کیلئے وعدہ خلافیاں کیں داؤں پیچ کئے دھوکے دئے غرض کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس سے ظاہر ہے کہ الہام بھی انہیں اغراض کی تکمیل کے لئے بنا لیا کرتے ہیں اُن کو شیطانی الہام بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔

مرزا صاحب نے جس طرح ظاہر بینوں کے لئے عقلی معجزات کی ایک نئی مد قائم کر کے اس میں تمام تدابیر اور داؤں پیچ داخل کر دئے۔ اسی طرح معتقدین الہام کے لئے الہاموں کے ایجاد کی ضرورت ہوئی جس سے باطنی اور ظاہری لوازم نبوت برائے نام پورے ہو جائیں اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملے کہ اگر مرزا صاحب نبی ہیں تو معجزے اور وحی کہاں اسی لئے اُنہوں نے اس پر زور دیا کہ الہام ہی کا نام وحی ہے جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔

خوارق عادات بنسبت الہام کے نہایت کم درجہ اور پست مرتبہ ہیں اس لئے کہ بتصریح حکما و اہل اسلام ثابت ہے کہ خوارق کے ظاہر ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں اسی وجہ سے جوگیوں وغیرہم سے بھی خوارق ظاہر ہوا کرتے ہیں اور الہام ربانی

سوائے اعلیٰ درجے کے متقی اور اولیاء اللہ کے کسی کو نہیں ہوتے۔ چونکہ خوارق عادات علانیہ دکھلانے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اس میں ایسی پیچیدگیاں ڈال دیں اور شروط کے شکنجے میں داب دیا کہ عمر بھر مرزا صاحب کے خوارق دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہو۔ اور الہام جو غیر محسوس امر تھا بطیب خاطر اس کو قبول کر کے اس بات پر زور دیا کہ وہ قطعی ہے اور معتقدین کو ضرور ہے کہ جب الہام کا نام سن لے تو دم نہ مارے اور یقیناً سمجھ لے کہ واقع میں وہ الہام ہوا ہے اور وہ الہام لوگوں پر حجت بھی ہے۔ کیا ان تصریحات کے بعد بھی اہل دانش اور سخن شناسوں پر مرزا صاحب کے الہاموں کی حقیقت پوشیدہ رہیگی۔

مرزا صاحب الہاموں کو قطعی اور حجت بنانے کی کوشش جو کر رہے ہیں وہ اسی غرض سے ہے کہ ہر ایک مسئلے میں استدلال کی تکلیف سے سبکدوشی حاصل ہو جائے اور یہ مرتبہ حاصل ہو کہ مرزا صاحب جو کچھ کہیں وہ وحی واجب التسلیم سمجھی جائے اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب نے یہ بھی تو کہدیا ہے کہ قرآن میں ایک نقطے کی بھی کمی و زیادتی ممکن نہیں۔ اس میں تو کمال درجے کی احتیاط ہے۔ اگر بالفرض کوئی الہام بنا بھی لیا تو وہ مخالف قرآن نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی فقرہ تو مسلمانوں کو دام میں پھانستا ہے۔ جتنے مدعیان نبوت گذرے سب کا یہی دعوے تھا مگر آیات قرآنیہ ہی سے انہوں نے حرام کو حلال بنایا تمام عبادات ساقط کر دئے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب ہی کو دیکھ لیجئے کہ قرآن ہی سے تمام امت کو حتی کہ سلف صالح کو مشرک قرار دیا اور خاتم النبیین کے الفاظ پر ایمان بھی ہے باوجود اس کے نبوت اور رسالت کا

دعوے بھی ہے اور وحی بھی برابر نازل ہوتی ہے اور معجزے بھی متواتر صادر ہو رہے ہیں اور لوگ بھی ایمان لاتے جاتے ہیں۔ حشر اجساد کا انکار معراج کا انکار صلبی فرزند محروم الارث۔ انبیا ساحر قرآن میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ مسمریزم وغیرہ باوجود اس کے قرآن میں ایک نقطہ کی کمی وزیادتی ممکن نہیں۔

الحاصل جب ایک احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے تو مرزا صاحب کے الہام شیطانی بلکہ مصنوعی ہونے پر تو اتنے دلائل موجود ہیں پھر وہ اُن کی نبوت اور عیسویت پر کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں۔

ایک دلیل عیسویت پر یہ ہے کہ معارف قرآنی دئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کو جن معارف پر ناز ہے سورۂ انا انزلنا کی تفسیر ہے جسکو ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۰۰) میں کئی ورق لکھکر لکھتے ہیں کہ یہ معارف کیا کسی اور تفسیر میں مل سکتے ہیں۔ چونکہ وہ نہایت طولانی تقریر ہے جسکو پوری نقل کرنا تضیع اوقات اور تطویل بلا طائل ہے اس لئے ملخصاً چند عبارتیں اُس کی نقل کی جاتی ہیں لکھتے ہیں کہ سورۂ انا انزلنا کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح فرمادیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اُس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں۔ قرآن کے آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر ضلالت اور غفلت کے زمانے میں ایک دفعہ خارق عادت کے طور پر انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے

وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ پھر وہ حرکت تامہ ہو تو رو بحق ہو جاتے ہیں اور حرکت ناقصہ ہو تو اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن اُن سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی اس لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ قوائے انسانی میں جنبشیں آج تک ہو رہی ہیں وہ لیلۃ القدر کی تاثیریں ہیں۔ اور جس زمانے میں حضرت کا نائب پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں بہت تیز ہو جاتی ہیں۔ نائب کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت حضرت ہی کی لیلۃ القدر کی شاخ اور ظل ہے۔ اس لیلۃ القدر کی شان میں فیہا یفرق کل امر حکیم ہے یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانے میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہو جائینگی۔ لیکن یہ سب کچھ اُن دنوں میں پر زور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب حضرت کا دنیا میں پیدا ہوگا۔ درحقیقت سورۃ الزلزال میں اسی کا بیان ہے کیونکہ سورۃ القدر میں فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں خدا کا کلام اور اُس کا نبی اور فرشتے اترتے ہیں اور وہ ضلالت کی پر ظلمت رات سے شروع کر کے صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر سورہ بینہ میں بیان کیا کہ اہل کتاب اور مشرکین کی نجات پانے کی بھی یہی سبیل ہے کہ خدا نبی بھیجا اور زبردست تحریک دینے والے ملائک نازل کئے تھے۔ اُس کے بعد سورۃ الزلزال میں یہ اشارہ کیا کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھ لو تو سمجھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح

مع فرشتوں کے نازل ہوگیا ہے زلزلہ کی یہ صورت ہے کہ تمام قوائے انسانیہ
جوش کے ساتھ حرکت میں آجائینگے اور تمام علوم و فنون ظاہر ہو جائینگے۔ اور
فرشتے جو مرد صالح کے ساتھ آسمان سے اُترے ہونگے ہر شخص پر اثر ڈالینگے۔
اُس روز ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہیگا کہ یہ طاقتیں اپنے میں کہاں
سے آگئیں تب ہر ایک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کریگا کہ یہ ایک
وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر اتر رہی ہے۔ دنیا پرستوں کی تحریکیں صنعتیں اور
کلیں ایجاد کرینگی اور ہر ایک اپنی کوششوں کی ثمرات کو دیکھ لیویں تب آخر
ہو جائیگی یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بنا ابھی سے ڈالی گئی ہے
جس کی تکمیل کے لئے خدا نے اس عاجز کو بھیجا اور مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ
انت اشد مناسبۃ بعیسٰے۔ ہمارے علما نے جو ظاہری طور پر سورۃ الزلزال کی
تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا جس سے
زمین کے اندر کی چیزیں باہر آجائینگی۔ اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھینگے کہ
تجھے کیا ہوا تب اُس روز زمین باتیں کریگی اور اپنا حال بتائیگی یہ سراسر غلط
تفسیر ہے کہ جو قرآن کے سیاق و سباق سے مخالف ہے انتہے ملخصاً۔

مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ پہلے سورۃ القدر کی شان نزول بیان کرتے جس سے
مضمون خود حل ہو جاتا لیکن ان کو تفسیر بالرائے کرنا منظور تھا اس لئے انہوں نے
اس کو چھوڑ دیا۔

درِ منثور میں اس سورے کی شان نزول کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امم سابقہ کی دراز دراز عمریں اور اُن کی

عمر بھر کی ریاضتیں دیکھیں اور اُس کے بعد بنی امیوں کی عمروں کو دیکھا کہ بنسبت اُن کے بہت کوتاہ ہیں اس چھوٹی سی عمر میں اُن کے سے فضائل کیونکر حاصل کر سکینگے۔

اس ملال پر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ ہم تمہیں ایک لیلۃ القدر ایسی دیتے ہیں جو ہزار مہینوں سے افضل ہے یعنی اُس ایک رات کی عبادت اُن لوگوں کی اسّی برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور انہیں دنوں آنحضرت صلی اللہ نے خواب بھی دیکھا تھا کہ اپنے منبر پر بنی امیہ یکے بعد دیگرے چڑھتے جاتے ہیں یہ بات بمقتضائے بشریت ناگوار طبع غیور ہوئی اُس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ ہزار مہینے وہ لوگ سلطنت اسلامی پر قابض ہونگے مگر فضیلت دنیوی کوئی چیز نہیں آپ کو اس معاوضے میں ایک فضیلت اخروی ہم ایسی دیتے ہیں کہ اُس کے مقابلے میں وہ سلطنت ظاہری کوئی چیز نہیں۔ وہ ایک رات آپ کی امت کے لئے اتنی فضیلت کی دی گئی کہ اُن ہزار مہینوں سے افضل ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی خیر خواہی ہمیشہ ملحوظ اور پیش نظر رہتی تھی اس لئے آپ کو جو اُن ہزار مہینوں کی سلطنت کا کسی قدر ملال تھا دفع ہو گیا۔ علما نے حساب کر کے دیکھا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی۔

اب اس کے بعد مرزا صاحب کی پوری تقریر دیکھئے کہ اس واقعے کے ساتھ اُس کو کچھ بھی تعلق ہے۔ اس سورۃ سے مقصود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی تھی مگر مرزا صاحب کو اصلی واقعات سے کیا غرض اُن کو ابنی عیسویت کے دھن میں کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ کہاں ہزار مہینے سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا اور

کہاں مرزا صاحب کی نیابت اور کلوں کا ایجاد کسی چیز سے دلچسپی اور تعشق بھی بُری بلا ہے آدمی کو سوائے اپنی محبوبہ کے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

نقل مشہور ہے کہ کسی نے مجنون سے پوچھا کہ خلافت کس کا حق تھا اُس نے جواب دیا کہ ہماری لیلےٰ کا حق تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی کہتے ہیں کہ انا انزلنا کو کسی سے کچھ تعلق نہیں وہ میری عیسویت کے واسطے اتری ہے۔

مرزا صاحب نے انزلناہ کی ضمیر مصلح کی طرف پھیری جس کا کہیں ذکر نہیں تمام مفسروں نے وہ ضمیر قرآن کی طرف پھیری ہے چنانچہ بروایات صحیحہ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اُس رات قرآن شریف لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا در بخاری شریف میں ہے انا انزلناہ الہا، کنایۃ عن القرآن مرزا صاحب کو مصلح قوم کی طرف ضمیر پھیرنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی اُس میں داخل ہو جائیں۔

اس موقع میں مرزا صاحب یہی فرمائیں گے کہ آخر قرآن بھی مصلح قوم ہے اس لئے ضمیر انزلناہ سے مراد مصلح لی گئی جس کے مفہوم میں خود بھی داخل ہیں مگر یہ توجیہ درست نہیں اس لئے کہ اول تو مرزا صاحب مصلح قوم ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ انہوں نے تو کروڑہا مسلمانوں کو مشرک اور کافر بنا دیا جس کی وجہ سے اُن کے نزدیک تمام قوم فاسد اور ہلاک ہو گئی۔ اور ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی قوم فاسد ہو جائے وہ مفسد قوم سمجھا جائیگا۔ غرض کہ انہیں کے اقرار کے مطابق وہ مصلح قوم نہیں ہو سکتے پھر قرآن پر مفہوم عام مصلح قوم کا صادق آنے سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جس طرح قرآن لیلۃ القدر میں اترا ہے ہر مصلح قوم بھی لیلۃ القدر

میں اترتا ہے یہ بات تو ادنیٰ طالب العلم بھی جانتا ہے کہ کسی جزئی پہ کوئی مفہوم عام اور کلی صادق آئے تو یہ ضرور نہیں کہ لوازم اس جزئی کے دوسری جزئیات پر بھی صادق آ جائیں جن پر وہ مفہوم عام صادق آتا ہے کوئی جاہل یہ کہیگا کہ غلام احمد صاحب چونکہ مرزا ہیں اور قادیان میں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے جتنے مرزا ہیں سب قادیان ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے جس بات پر اپنے معارف کی بنیاد رکھی ہے وہ کئی طرح سے غلط ثابت ہوئی۔ ایک یہ کہ ضمیر کے مرجع میں قصداً غلطی کی۔ دوسرے اپنے آپ کو مصلح قرار دیا۔ تیسرے ایک جزئی کے لوازم مختصہ کو دوسری جزئی میں ثابت کیا۔ پھر مصلح قوم کی اگر تعمیم کی جائے تو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کے لحاظ سے کل علماء امت مصلح ہیں جن سے کوئی زمانہ خالی نہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی خصوصیت ہی کیا اور وہ بات کیونکر صادق آئے جو لکھتے ہیں کہ جب مصلح قوم اترتا ہے تو انسانی قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوتی ہے اور حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نیابت کی یہ دلیل قرار دی کہ علوم اور صنعتیں اس زمانے میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صنعتوں کا ظہور زیادہ ہوتا حالانکہ وہ زمانہ نہایت سادہ اور فطرتی طور پر تھا۔ البتہ دین کی ترقی اس زمانے میں روز افزوں تھی بخلاف مرزا صاحب کے زمانۂ نیابت کے کہ دنیا کی ترقی روز افزوں ہے۔ اور دین کا انحطاط دیکھ لیجئے۔ مرزا صاحب کے اوائل زمانے میں کروڑہا مسلمان تھے

جن کا مشرک اور بے دین ہونا محال تھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہیں جس کا حال
اوپر معلوم ہوا اور شاید دس پندرہ سال بھی نہیں گذرے کہ انہیں کروڑہا مسلمانوں کو
اُنہوں نے یہودی اور مشرک وبے دین بنادیا اب خود ہی غور فرمائیں کہ یہ
نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی یا اور کسی کی۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اُس کا
مطلب ظاہر ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر ایک تھی اور مرزا صاحب کی لیلۃ القدر
دوسری یہ بھی خلاف احادیث صحیحہ ہے جن سے ثابت ہے کہ حضرت کے
زمانے میں بھی لیلۃ القدر ہر سال ہوا کرتی تھی اور قیامت تک ہر سال ہوا کریگی
مسند امام احمد ابن حنبل اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ
عن عائشۃ رضی قالت قلت یارسول اللہ ان وافقت لیلۃ القدر فما اقول قال قولی اللھم
انک عفو تحب العفو فاعف عنی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سے پوچھا
کہ اگر لیلۃ القدر پاؤں تو کیا دعا کروں۔ حضرت نے اُن کو یہ دعا تعلیم کی اُس کے
سوا لیلۃ القدر ہر سال ہونے کی احادیث بکثرت مذکور ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے
ہیں۔ اب مرزا صاحب کی خودغرضی کو دیکھئے کہ اپنی ایک لیلۃ القدر کے واسطے
صدہا لیالی قدر کا خون کیا۔

حق تعالےٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا نہ اُس میں امتداد کا ذکر
ہے نہ اُس کے دامن دار ہونے کا اور مرزا صاحب اُس کو دامن دار اور شاخ دار
بنارہے ہیں اُن کے قول پر اگر الشاۃ خیر من فیل کہا جائے تو اُس کا مطلب
یہ ہوگا کہ ہاتھی سے بکری زیادہ اونچی ہے جس کا قائل کوئی عاقل نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب نے چند قادیانی بننے والوں کو دیکھا کہ اپنا مذہب اور دین چھوڑ کر دوسرے مذہب کی تفتیش کر رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اندرونی تحریک کی ضرورت ہے اس پر یہ قیاس جمایا کہ روح القدس اس کا محرک ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت شروع ہو جائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا نہیں ہوتی اور روح کا اترنا لیلۃ القدر میں ثابت ہے اس سے یہ بات نکالی کہ جتنے اس قسم کے ایام ہیں سب لیلۃ القدر ہیں۔ رات کو دن بنا دینا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ بھی مرزا صاحب ہی کی ہمت کا خاصہ ہے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اہل اسلام کو تفتیش مذہب کے لئے اندرونی تحریک کرنا کیا روح القدس کا کام ہوگا یا شیطان لعین کا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں سے دین اسلام ترک کرانے کے لئے روح القدس آسمان سے اترتے ہیں۔ پھر دوسرا اندھیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے نزول ملائکہ کے لئے طلوع فجر سے پہلے کا زمانہ معین فرمایا ہے جیسا کہ حتیٰ مطلع الفجر سے ظاہر ہے مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے صبح صادق تک کام میں لگے رہتے ہیں یعنی دن رات اسی کام میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا مذہب و ملت چھڑا دیں اس کے بعد سورۂ اذا زلزلت میں یومئذ کا لفظ دیکھکر مرزا صاحب نے لیلۃ القدر کی جوڑ ملا دی اور لیلۃ القدر جس کی نسبت حق تعالےٰ نے خیر من الف شہر فرمایا ہے اس کو ضلالت اور ظلمت کی رات قرار دی جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہزار مہینے سے بدتر ہے دیکھئے کس قدر قرآن کی اور خدا کی مخالفت کی۔ کیا کوئی مسلمان اس بات پر راضی ہوگا کہ جس رات کی تعریف خدائے تعالےٰ

نے کی ہے اور صحیح روایتوں سے اُس کی فضیلت ثابت ہے اُس کو ضلالت کی رات سمجھے۔

پھر مرزا صاحب نے اذا زلزلت کی تفسیر کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے تعالٰے جو فرماتا ہے کہ زمین کو زلزلہ ہوگا غلط ہے صحیح یہ ہے کہ آدمی کی قوتیں حرکت کرینگی اور خدائے تعالٰے جو فرماتا ہے کہ اُس کے خزانے وغیرہ اثقال جو اُس میں مدفون ہیں نکل پڑینگی وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ علوم و فنون ظاہر ہونگے اور خدائے تعالٰے جو فرماتا ہے کہ زمین اُس روز باتیں کریگی وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے۔ استعداد انسانی بزبان حال باتیں کریگی۔ مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ ہمارے علما نے جو تفسیر کی ہے کہ زمین کو زلزلہ آئیگا اور اندر کی چیزیں باہر آجائینگی۔ اور زمین باتیں کریگی یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی سراسر زیادتی ہے۔ ہمارے علما نے سوائے قرآن پر ایمان لانے کے اور کچھ نہیں کیا کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ جس طرح مرزا صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ النصوص تحمل علی الظواہر۔ ظاہر آیات کی تصدیق کی البتہ مرزا صاحب کو اُن کی عقل نے ایمان سے روک دیا۔ انہوں نے لڑکپن سے دیکھا ہے بات دو اُنگل کی زبان سے ہوا کرتی ہے اس لئے اُن کی عقل نے صاف حکم کر دیا کہ کلام الٰہی غلط ہے اگر خدا بھی چاہے کہ زمین سے بات کرائے تو وہ ممکن نہیں اس لئے کہ اُس کو زبان نہیں۔ اگر مرزا صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بات کرنے کے لئے گوشت کا لوتھڑا ضروری ہے تو یہ لازم آئیگا کہ خدائے تعالٰے بات کرانے میں نعوذ باللہ اس لوتھڑے کا محتاج ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ گنگوں اور جانوروں کے بھی زبان ہوتی ہے مگر بات نہیں کر سکتے

اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے جیسے اس لوتھڑے کو قوت کلام بخشی ہر چیز کو یہ قوت بخش سکتا ہے تو پھر زمین کے بات کرنے میں کیا کلام اور اُس میں خدائے تعالیٰ کی تکذیب کرنے کی کیا ضرورت تھی اب اہل انصاف غور کریں کہ جب مرزا صاحب کی عقل اس درجے کی قوت پر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے بھی مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہے تو کیا ممکن ہے کہ کوئی دوسرا اُن کا مقابلہ کر سکے اور اگر کسی نے کیا بھی تو کیا مرزا صاحب اُس کو تسلیم کرینگے۔ اگر اہل اسلام کو اپنا ایمان بچانا منظور ہے تو مرزا صاحب کی عقل کے دام سے بچیں اور یاد رکھیں کہ ذرا بھی اُن کی طرف مائل ہو گئے تو دلوں میں کجروی کا مادّہ پیدا کر دیا جائے گا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

الحاصل مرزا صاحب کے معارف کا یہ حال ہے جو آپ نے دیکھ لیا کہ نہ قرآن سے کام ہے نہ حدیث سے نہ عقل سے کیونکہ اگر عقل سے کام لیا جاتا تو لیلۃ القدر کی تعریف کر کے اُس کی مذمت نہ کرتے اور زمین کے بات کرنے کا انکار خدا کی قدرت پر ایمان لانے کے بعد نہ کرتے۔ الغرض بے تکی باتیں ملانے کا نام انہوں نے معارف رکھ دیا اور اسی کو اپنی عیسویت کی دلیل قرار دی ہے۔

رسالہ قطع الوتین باظہار کید المفترین میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب مفتری علی اللہ ہوتے تو (۲۳) سال یا اُس سے زیادہ اُن کو مہلت نہ ملتی اور مرزا صاحب نے بھی اشتہار جاری کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا مفتری علی اللہ دکھا دے جس نے (۲۳) سال کی مہلت

پائی ہو تو ہم اُس کو پانچسو روپے انعام دینگے۔ اُس پر حافظ محمد یوسف صاحب نے ایک فہرست ہی پیش کردی جس میں (۲۳) سال سے زیادہ جن مفتریوں کو مہلت ملی اُن کے نام درج تھے۔ مگر مرزا صاحب نے نہ اُس کا جواب دیا نہ اُس وعدے کا ایفا کیا جو اشتہار میں کیا تھا۔ فہرست رسالہ مذکور میں لکھدی گئی ہے اصل دلیل

اُن کی یہ ہے حق تعالے فرماتا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اپنے دل سے بناکر ہماری طرف منسوب کردیتے تو ہم اُن کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے یعنی ہلاک کردیتے اس سے اُن کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود بھی خدا پر افترا کئے ہوتے تو اس آیۂ شریفہ کے مطابق بہت جلد ہلاک کردئے جاتے اور اُس میں اُن کی خصوصیت نہیں جس نے خدا پر افترا کیا فوراً ہلاک کردیا گیا کوئی (۲۳) سال تک زندہ نہ رہا اگر رہا تو اُس کا نام بتایا جائے۔

مرزا صاحب (۲۳) سال سے زیادہ زندہ رہنے والے مفتریوں کی نظیریں جو طلب فرماتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیا اس مدت کو مفتری کی برارت میں کوئی خصوصیت ہے۔ کیا (۲۳) برس تک کوئی مفتری زندہ نہیں رہ سکتا اور (۲۲) برس تک رہ سکتا ہے اگر ایک سال بھی کسی مفتری کو مہلت ملے تو وہ بھی مثل مرزا صاحب کے کہ سکتا ہے کہ اگر میں مفتری ہوتا تو اتنی مدت جس میں پوری چار فصلیں گذریں مجھے کبھی مہلت نہ ملتی کیا یہ قول اُس کا قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ الغرض مرزا صاحب (۲۳) برس کی مدت جو مقرر کررہے ہیں وہ درست نہیں۔ صرف ایسے لوگوں کی فہرست کافی تھی جن کو باوجود افترا کے کچھ مہلت ملی۔

اصل یہ ہے کہ دار الجزا قیامت ہے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ. اگر افترا کا یہ لازمہ ہوتا کہ اسی عالم میں اس کی سزا ہو جائے تو تخلف لازم کا ملزوم سے عقلاً درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم ہوتا کہ بمجرد افترا کے فوراً سزا ہو جائے حالانکہ مرزا صاحب بھی اس کے قائل ہیں کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ گذرے ہیں اور ان کو بمجرد افترا کے سزا نہیں ہوئی اور ایسے لوگ دس بیس سال بھی اکثر زندہ رہے ہیں مسیلمہ کذاب ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس قدر اس کو مہلت ملی کہ لاکھ آدمی سے زیادہ اس نے فراہم کر لیے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضرت کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کل صحابہ موجود تھے ہدایت روز افزوں ترقی پر تھی ملک خاص عرب کا تھا جس کو منبع ہدایت ہونے کا فخر حاصل ہو چکا تھا ایسے متبرک زمانے اور متبرک مقام میں جب اسکو اس قدر مہلت ملی تو اس زمانے میں جو ضلالت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں کسی مفتری علی اللہ کو پچیس تیس سال مہلت مل جائے تو کیا تعجب ہے بلکہ زمان و مکان وغیرہ حالات کی مناسبت سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں مفتری کو ایک دن مہلت ملنا اس زمانے کے پچیس تیس سال کی مہلت کے برابر ہے الغرض اس سے ثابت ہے کہ مفتری علی اللہ کو مہلت ملا کرتی ہے اور وہ استدراج ہے جس کی نسبت حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ یعنی مہلت دیکر آہستہ آہستہ ان کو ایسے طور پر ہم کھینچتے ہیں کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مرزا صاحب جو جلدی فرماتے ہیں کہ اگر مفتری ہوں تو چاہیے کہ عذاب اتر آئے سو اس کا جواب قرآن شریف میں

پہلے ہی ہو چکا ہے قولہ تعالے وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ یعنی اگر اُن کے عذاب میں تاخیر کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اُس کو کس نے روکا یاد رہے کہ جب وہ آئیگا تو پھر نہ پھریگا۔ قرآن میں جو واقعات مذکور ہیں۔ اگر پیش نظر ہوں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ زیادتی مہلت کا سبب زیادتی غضب الٰہی ہوتا ہے کہ مفتری دل کھول کر افترا پردازیاں کرے اور پورے طور پر حجت قائم ہو جائے چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالے اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا یعنی ہم اسیواسطے اُن کو مہلت دیتے ہیں کہ خوب گناہ کریں۔

اور آیہ شریفہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ تمام انبیا خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجے کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں اُن کی شان یہی ہے کہ افترا وغیرہ رذائل کا خیال تک نہ آنے دیں اسی واسطے حق تعالے فرماتا ہے کہ اگر بفرض محال وہ ایک بھی افترا کرتے تو ہلاک کر دئے جاتے اور دوسرے انبیا کے حالات سے بھی ظاہر ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ خلاف مرضی حرکات سے سخت مصیبتیں اُن پر ڈالی گئیں۔ بخلاف اُن لوگوں کے کہ اسی کام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں اُن کا تو لازمہ یہی ہے کہ عمر بھر ایسے ہی کام کیا کریں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ یعنی شیاطین انس وجن کو ہر نبی کے دشمن ہم نے مقرر کر دئے تھے اور ارشاد ہے قولہ تعالے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا یعنی ہر بستی میں بڑے بڑے

گناہگار ہم نے پیدا کر دے تاکہ اُن میں مکاریاں کریں۔

الحاصل (۲۳) سال یا اُس سے زیادہ کوئی مفتری علی اللہ زندہ رہے تو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ وہ مفتری نہیں بلکہ یہی سمجھا جائیگا کہ اسی کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر مثل فرعون کے صدہا سال بھی زندہ رہے گا تو وہی اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہے گا جس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے

پھر ادعائی مسیح کی نشانیاں اور دلائل تھے اب اصلی عیسے علیہ السلام کی علامتیں بھی سنئے جو صحیح صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ مگر اس مقام میں پہلے غور کر لیا جائے کہ عیسے علیہ السلام کا دنیا میں آنا کوئی عقلی مسئلہ نہیں جس میں رائے لگائی جائے۔ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں اگر علحدہ کر دئے جائیں تو یہ مسئلہ اس قابل نہیں رہتا کہ جس کی طرف توجہ کی جائے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کو نیچروں سے شکایت ہے کہ ان احادیث کو وہ مانتے ہی نہیں۔ غرض کہ مرزا صاحب اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں ضرور مانی جائیں۔ مگر اُس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام مانتے ہیں اور اُن کے ظاہری معنی بطور خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام میں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ درست نہیں بلکہ ایسے طور پر اُن احادیث کے معنی لئے جائیں کہ اپنے پر یعنی مرزا صاحب پر صادق آجائیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسے ابن مریم کا نام جو لے لیا ہے اُس کی وجہ یہ تھی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عیسے ابن مریم دجال اور یاجوج وماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف ہوئی نہ تھی (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۱) اور انبیا پیش گوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں

غلطی کھاتے ہیں۔ جس کا مطلب اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جو عیسٰے ابن مریم روح اللہ کے نزول کی خبر دی ہے وہ غلط ہے درحقیقت
عیسٰے موعود غلام احمد قادیانی ہیں اور اُن سے خوارق عادات کوئی ظاہر نہ ہونگے
بلکہ رد نصاری میں چند معمولی تقریریں لکھدینگے اور اُن تمام حدیثوں کی پیشگوئی
پوری ہو جائے گی سبحان اللہ کوہ کندن و موش برآوردن کا مضمون یہاں پورا پورا
صادق آرہا ہے۔ احادیث نزول عیسٰے علیہ السلام کس شدومد سے ثابت کئی گئے
اور اُن سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پنجابی شخص پیدا ہو کر رد نصاری میں چند معمولی
تقریریں لکھدیگا۔ اس باب میں مرزا صاحب کو تکلیف گوارا کرنے کی کوئی ضرورت
نہ تھی بفضلہ تعالےٰ رد نصاری کرنے والے اس وقت ایسے بہت سے لوگ
موجود ہیں جو اپنی عمر بھر کی مزاولت کی وجہ مرزا صاحب سے کہیں زیادہ اس باب میں
ید طولےٰ رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ مرزا صاحب کی عمر کا ایک معتد بہ حصہ تو متفرق
مذاہب باطلہ کی کتابوں کے مطالعے میں صرف ہوا اور اس کے بعد جب یکسوئی
حاصل ہوئی تو دعوے عیسویت شروع ہوا اور اس میں اس قدر استغراق اور
انہماک ہے کہ جس کا بیان نہیں اگر مناظرہ ہے تو اسی مسئلے میں اور تصانیف
ہیں تو اُن میں اسی دعوے کے دلائل ولوازم۔ پھر ان کو رد نصاری کی نوبت
ہی کہاں آئی۔ براہین احمدیہ میں جو وعدہ کیا تھا اُس کا بھی ایفا نہ کر سکے۔
الحاصل جب یہ مسئلہ نقلی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور اُن احادیث پر
جو اس باب میں وارد ہیں ایمان لایا گیا تو اُن کے ظاہری معنی پر ایمان لانے
سے اہل ایمان کیوں روکے جاتے ہیں حالانکہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۰۹ و ۵۴۰) میں

خود لکھتے ہیں کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے پر اجماع ہے۔ اب ان امور کو پیش نظر رکھکر غور کیجئے کہ جو عیسےٰ علیہ السلام کی علامات احادیث میں وارد ہیں اُن سے

مرزا صاحب کو کیا تعلق ہے

(۱) دمشق میں منارکے پاس عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا۔ اس حدیث کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں نقل کیا لیکن اُس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھدیا کہ اُس سے مراد قادیان ہے اور وہاں ایک منار اس غرض سے تیار کردیا کہ اگر دمشق نہیں تو منار ہی سہی جس سے ایک جزو حدیث کا صادق آجائے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کو نیچروں نے جو نہ مانا اور مرزا صاحب نے مان لیا ان دونوں میں کیا فرق ہے ادنےٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہی فرق ہے جو جہل بسیط اور جہل مرکب میں ہوا کرتا ہے۔

(۲) عیسےٰ علیہ السلام کا حکم عادل ہونا جو اس روایت صحیح بخاری میں مصرح ہے

عن ابی ہریرۃ رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکماً عدلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتے لایقبلہ احد حتے یکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا ومافیہا ثم یقول ابو ہریرہ واقرؤا ان شئتم وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیہم شہیداً۔ یعنے قسم ہے خدا کی کہ ابن مریم حاکم عادل ہوکر تم میں اترینگے اور صلیب کو توڑینگے اور خنزیر کو قتل کرینگے اور جزیہ اُٹھا دینگے۔ اور اُن کے زمانے میں مال بہت ہوجائیگا کہ کوئی اُس کو

قبول نہ کریگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہوگا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اگر چاہو اُس کی تصدیق قرآن میں پڑھ لو کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ کل اہل کتاب اُس وقت عیسےٰ علیہ السلام پر اُن کی موت سے پہلے ایمان لائینگے اور وہ اُس پر گواہ ہونگے۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام عادل ہونگے کسی پر ظلم نہ کرینگے۔ اور مرزا صاحب کے عدل کا حال آپ نے دیکھ لیا کہ اُن کی سمدھن کے بھائی نے جو اُن کو لڑکی نہ دی تو اُس کا وبال اپنی بہو پر ڈالا اور اپنے فرزند کو طلاق پر مجبور کیا۔ میراث پدری سے خلاف شرع محروم کردیا اور اُس کا کچھ خیال نہ کیا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ کیا کسی ملت میں اس کو عدل کہہ سکتے ہیں۔ جب مرزا صاحب پر قوائے شہوانیہ اور غضبانیہ کا اس قدر تسلط ہے کہ مہر پدری پر بھی وہ غالب ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیا عدل کریں گے۔

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس جزم سے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ابن مریم تم میں اُترینگے۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کو اس کشف میں غلطی ہوئی۔ اب اہل ایمان غور کریں کہ معمولی آدمی بھی کسی بات پر قسم کھانے میں کمال درجے کی احتیاط کیا کرتا ہے اور ذرا بھی شک ہو تو اُس کا ایمان قسم سے اُس کو روک دیتا ہے بخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ نعوذ باللہ غلط بات پر بے دھڑک قسم کھالی اور عمر بھر اُسی غلطی پر رہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت نے رجوع کرکے یہ فرمایا ہو کہ اُس کشف میں مجھے

غلطی ہو گئی تھی - یہ الزام مرزا صاحب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لگا رہے ہیں اس سے اُن کا مقصود حضرت کے کشف اور الہام کو ساقط الاعتبار کر دینا ہے - اس کے سوا جو جو قباحتیں اس میں لازم آتی ہیں اُن کی تفصیل کرنے میں ہمارا قلم یاری نہیں دیتا - ایک عقلمند ادنے تامل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس درجے کا حملہ ہے پھر یہ حملہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر نہیں ہے حقیقتاً خدا پر بھی ہے کہ ایسے اکرم اور معصوم نبی پر ایک ایسی بات منکشف کر دی جو غلط تھی اور نعوذ باللہ اُس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اُس غلطی کی اصلاح کر دیتا - اب اہل دانش اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایمان خدا اور رسول پر کس قسم کا ہے اور ایسے ایمان کو ایمان کہنا ہو سکتا ہے یا نہیں -

(۳ و ۴) صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا جیسا کہ بخاری کی روایت مذکورہ سے ثابت ہے - مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۲۸) میں لکھا ہے کیا ان احادیث پر اجماع ہو سکتا ہے کہ مسیح آکر جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھریگا - اور کسی مقام میں لکھا ہے کہ کیا ان کا یہی کام ہو گا کہ صلیبوں کو توڑتے اور خنزیروں کو قتل کرتے پھرینگے - اور اسی کے صفحہ (۸۱) میں لکھتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالیگا اور اُن لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بےحیائی اور نجاست خواری ہے اُن پر دلائل کا ہتھیار چلا کر اُن سب کا کام تمام کر دے گا اس سے ضمناً مرزا صاحب کا دعوے بھی معلوم ہوا کہ اُنہوں نے صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالا اور نصاریٰ کے دلائل کا

کام تمام کر دیا۔ مگر قصہ آتھم کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نصاریٰ کے مقابلے میں اسلام ہی کا کام تمام کر ڈالا تھا خیر گذری کہ اہل اسلام نے عملی طور پر اُن کو اسلام سے خارج کر دیا ورنہ اسلام پر برا اثر پڑتا جس کا حال اوپر معلوم ہوا پھر یہ بات ابتک معلوم نہیں ہوئی کہ مرزا صاحب کی دلائل سے عیسائی مذہب کی شان و شوکت میں کیا فرق آگیا۔ پادریوں کے حملے جیسے پہلے تھے اب بھی ہیں اور جس طرح پہلے اُن کی تو جی ترقی تھی اب بھی جاری ہے غرض کہ کسر صلیب کے معنی کو مرزا صاحب نے گو بدل دیا مگر اُس سے بھی وہ منتفع نہیں ہو سکے اسی طرح قتل خنزیر کا بھی حال ہے کہ عیسائیوں کو خنزیر قرار دیا اور قتل سے مراد انکار لیا مگر یہ قتل بھی اُن سے نہ ہو سکا بلکہ سچ پوچھئے تو مسٹر آتھم صاحب ہی نے اُن کو قتل کر ڈالا جس کے مقابلہ میں وہ دم نہ مار سکے۔

مرزا صاحب قتل خنزیر کے معنی میں جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں وہ اُن کی نافہمی ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام خنزیروں کا شکار جنگلوں میں کرتے اور صلیبوں کو توڑتے پھرینگے۔ اگر مرزا صاحب کنایہ کی حقیقت سمجھے ہوتے تو یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔ مسلمانوں نے کسر صلیب اور قتل خنزیر کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں نصاریٰ مغلوب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ صلیب اُن کا شعار دین ہے اور خنزیر نہایت مرغوب الطبع ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ ہر شخص ان دونوں قسم کی چیزوں کو نہایت دوست رکھتا ہے اور اُن کی حفاظت میں جان کی بھی پروا نہیں کرتا پھر ایسی چیزوں کو اگر کوئی تلف کر ڈالے اور وہ منہ دیکھتا رہے اور کچھ نہ کر سکے تو

یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شخص نہایت مغلوب ہے۔ مرزا صاحب اس کا تجربہ کر لیں۔ کسر صلیب اور قتل خنزیر تو درکنار ذرا بری نگاہوں سے ان اشیا کو دیکھ تو لیں جس سے معلوم ہو کہ اُس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام کو وہ قوت و شوکت حاصل ہو گی کہ کسی کی صلیب کو علانیہ توڑینگے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور کوئی مزاحم نہ ہو سکیگا۔ یہ اُن کے کمال شوکت اور غلبے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر یہاں تک نوبت پہنچ جائیگی کہ سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ کل نصاریٰ مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور حدیث شریف میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویہلک اللہ فی زمانہ (اے زمان عیسےٰ علیہ السلام) الملل کلہا الا الاسلام رواہ احمد و ابو داؤد یعنی عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ الحاصل کسر صلیب اور قتل خنزیر عیسےٰ علیہ السلام کی علامت مختصہ ہے کسی طور سے یہ علامتیں مرزا صاحب میں نہیں پائی جا سکتیں۔

(۵) وضع جزیہ جو بخاری شریف کی حدیث میں مذکور ہوا۔ یہ علامت بھی مرزا صاحب میں ہرگز نہیں پائی جا سکتی اور نہ اُس کے پائے جانے کی توقع ہے اس لئے کہ اگر بالفرض اُن کی حکومت اُن کے مریدوں پر فرض کی جائے تو بجائے اس کے کہ وہ جزیہ موقوف کرتے اُن سے جزیہ جس قسم کا ممکن ہے برابر وصول کرتے ہیں جیسا کہ اخبار الحکم وغیرہ سے ظاہر ہے اور اگر جزیہ سے مراد وہ رقم ہے کہ خاص کافروں سے لی جاتی ہے تو ہندوستان میں اُس کا وجود ہی نہیں اور نہ یہ توقع ہے کہ مرزا صاحب

کی موت سے پہلے اُس کا رواج ہوا اس لئے اُس کا موقوف کرنا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے جو دمشق کو قادیان اور اپنے کو عیسٰے موعود قرار دیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ اگر وہ عیسٰے ہوتے تو جزیہ موقوف کر دیتے اور یہ ممکن نہیں۔ بخلاف عیسٰے علیہ السلام کے جب دمشق میں اترینگے جزیہ موقوف کر دینگے جس کا رواج وہاں موجود ہے اور نزول عیسٰے علیہ السلام تک بھی جاری رہیگا جس سے یہ علامت بھی پوری ہو گی۔

(۶) مال بے حساب تقسیم کرنا۔ جیسا کہ حدیث بخاری میں مذکور ہوا۔ اور مسلم شریف میں ہے ولیدعن الی المال فلا یقبلہ احد۔ اور مسند امام احمد و بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ ویفیض المال حتے لا یقبلہ احد اور نیز بخاری و مسلم میں ہے یکثر فیکم المال فیفیض حتے یہم رب المال من یقبل صدقۃ فیقول الذی یعرضہ علیہ لا ارب لی بہ اور روایت مسلم میں ہے یکون فی آخر الزمان خلیفۃ یقسم المال ولا یعدہ یہ کل حدیثیں مرفوع ہیں اور اس مضمون کی کئی روایتیں وارد ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ قیامت کے قریب مال بکثرت ہوگا اور زمین سے خزانے اُبلنے لگینگے اور مہدی اور عیسٰے علیہما السلام بے حساب تقسیم کرینگے یہاں تک کہ اُس کے لینے کے لئے جس کو بلائینگے وہ بھی کہیگا کہ مجھے حاجت نہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۵۶) میں آیۂ شریفہ فبذلک فلیفرحوا ہو خیر مما یجمعون اس کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ اُن کو کہدے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل سے یہ قرآن بیش قیمت مال ہے اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔ یہ اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ علم و حکمت کے مانند کوئی مال نہیں یہ وہی مال ہے جس کی نسبت

پیشگوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر مال کو اس قدر تقسیم کریگا کہ لوگ

لیتے لیتے تھک جائینگے۔ یہ نہیں کہ مسیح درم و دنیار کو جو مصداق آیت

انما اموالکم و اولادکم فتنۃ ہے جمع کریگا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دیکر

فتنے میں ڈال دیگا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ ہر کس و ناکس کے زبان زد ہے کہ ایں ہمہ شکل برائے اکل ایک مدت تک جاں فشانی کرکے عیسویت پیدا کی گئی اور اقسام کی تدبیروں سے روپیہ کمایا گیا مثلاً منارہ اور مسجد اور مدرسے کی تعمیر پیش کرکے۔ خط و کتابت و مہمانداری کی ضرورتیں بتلا کے۔ کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کے ذریعے سے۔ تصویریں بکوا کر غرض کہ جو روپیہ بڑی بڑی مشقتوں سے جمع کیا گیا اپنی اور اپنے پس ماندگوں کی ضرورتوں اور اسباب راحت میں صرف نکر کے عیسویت کے لحاظ سے مفت تقسیم کر دینا کوئی عقل کی بات نہیں اس لئے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی کہ عیسے جو مال تقسیم کریگا وہ یہ مال نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ مال قرآن ہے فی الحقیقت مال کا بے دریغ اس طرح راہ خدا میں خرچ کر دینا مشکل کام ہے اور یہ مال کی جگہ قرآن کا خرچ کرنا صرف مرزا صاحب ہی کی رائے نہیں۔ قدیم زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہی رائے تھی چنانچہ سعدی رح فرماتے ہیں ؎

اگر الحمد گوئی صد بخوانہ	بدینا دے چو خر در گل بماند

مرزا صاحب نے قرآن کو مال اس قرینے سے بتایا کہ آیۂ موصوفہ میں قرآن

کی تفصیل مال پر دی گئی کما قال تعالے وہو خیر مما یجمعون مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ بھی قرآن شریف میں ہے لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت اُس مال سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے مرزا صاحب کے استدلال کی بنا پر یہاں بھی یہ کہنا پڑیگا کہ مغفرت بھی مال ہے حالانکہ اُس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ قرآن کے علوم کو مال نہیں کہہ سکتے اس صورت میں جن احادیث میں صراحتاً وارد ہے کہ عیسٰے علیہ السلام بے حساب مال تقسیم کرینگے اُس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ علوم قرآنیہ تقسیم کرینگے۔

البتہ بادی النظر میں مرزا صاحب کا یہ اعتراض ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ مال تقسیم کرنے کے لئے اُس کا جمع کرنا بھی ضرور ہے حالانکہ عیسٰے علیہ السلام کی یہ شان نہیں کہ مال جمع کریں۔ اگرچہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جب مرزا صاحب کو عیسویت کا دعوے ہے تو پھر وہ اقسام کی تدبیروں سے مال جس کو خود فتنہ کہتے ہیں کیوں جمع کرتے ہیں مگر تحقیقی جواب اُس شبہ کا یہ ہے کہ عیسٰے علیہ السلام کو مال جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اُس زمانے میں مال زمین سے اُبلیگا جیسا کہ احادیث موصوفہ میں ویفیض المال بتصریح موجود ہے یہاں بھی مرزا صاحب نے دھوکا دیا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح اتنا مال یعنی علوم قرآنیہ تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائینگے اور ایک مقام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں وہ مال اتنا تقسیم کرونگا کہ لوگ لے نہ سکینگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے معتقدین

اس مصنوعی مال سے اتنا سرمایۂ علمی حاصل کرلینگے کہ اُس سے زیادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر حدیث شریف میں یہ ہے لیدعن الی المال فلا یقبلہ احد یعنی وہ لوگ مال لینے کے لئے بلائے جاینگے مگر کوئی اُس کو قبول نہ کریگا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اُس سے اعراض کرینگے اور ظاہر ہے کہ علوم قرآنیہ سے اعراض کرنا دلیل کفر ہے۔ اہل اسلام تو بلحاظ آیۂ شریفہ وَقُل رَّبِّ زِدْنِی عِلْماً ہمیشہ زیادتی علم کے طالب رہا کرتے ہیں بخلاف اس کے مال سے اعراض کرنا کوئی بُری بات نہیں بلکہ شرعاً ممدوح ہے۔ الغرض مال بھی علم ہو نہیں سکتا۔

مرزا صاحب نے مال کی جو توہین کی ہے کہ وہ فتنہ ہے اور مسیح مال بکر لوگوں کو فتنے میں کیوں ڈالیگا۔ معلوم نہیں یہ کس حالت میں اُنہوں نے لکھدیا جس فتنے کو گھر سے نکال دینا عیسویت کی شان سے بعید سمجھتے ہیں اُسی فتنے کو اقسام کی تدبیروں سے خود جمع کر رہے ہیں اور قوم کے روبرو اپنی محتاجی بیان کرکے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ کچھ امداد کرو جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۵) سے ظاہر ہے اُس پر یہ دعوے کہ میں عیسے ہوں۔

شاید مرزا صاحب یہاں یہ بھی اعتراض کرینگے کہ زمین سے مال اُبلنا خلاف عقل ہے گو یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ آخر زمین میں دفینے معدنیں موجود ہیں اور سلاطین کو اکثر ملا ہی کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ اُن ذخائر پر عیسے علیہ السلام کو مطلع فرمادے۔ اور اگر خدائے تعالیٰ کی قدرت ہی میں کلام ہے تو ہم اس کا جواب یہاں نہ دینگے۔ بلکہ اُن کتابوں میں دینگے جہاں بمقابلہ کفار صفات الٰہیہ ثابت کی جاتی ہیں

الغرض مرزا صاحب مال سے مراد ان احادیث میں جو علوم قرآنیہ سے لیتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ دراصل وہ ایک ایسی علامت عیسٰی علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادی ہے کہ ہر مسلمان اس کو دیکھتے ہی یقین کر لیگا کہ عیسٰی علیہ السلام اتر آئے۔ اور چونکہ مرزا صاحب کے زمانے میں نہ مال اس قدر وفور سے ہے نہ وہ بے حساب تقسیم کرسکتے ہیں بلکہ خود ہی لوگوں سے وصول کرنے کی فکر میں دن رات مصروف ہیں۔ اس سے یقیناً مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہوسکتے۔

(۷) کل ادیان کا ہلاک ہوکر ایک دین اسلام کا باقی رہجانا۔ جیساکہ روایت امام احمد اور ابی داؤد سے اوپر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیہلکن فی زمانہ الملل کلہا الا الاسلام بیان للناس میں فتح الباری سے ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۱۴) میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں تحصیل علوم رہزن ہورہی ہے ہمارے زمانے کی نئی روشنی عجیب طور پر ایمان اور دیانت کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے خیالات کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ پادری لوگ ہمیشہ روز افزوں ترقی کررہے ہیں کہ ستائیس ہزار (۲۷۰۰۰) سے پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) تک شمار کرستانوں کا پہنچ گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس تحریر کے بعد کرستان اور بھی بڑھ گئے۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب کا زمانہ اسلام کے حق میں کیسا منحوس ہے جس میں لامذہبی اور کفر کی روز افزوں ترقی ہے جس کے خود وہ معترف اور شاکی ہیں۔ کیا اس کھلے مشاہدے کے بعد کسی مسلمان کو جس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور احادیث نبویہ پر ایمان ہے مرزا صاحب کے مسیح ہونے کا احتمال بھی ہوسکتا ہے۔ کیا عیسیٰ موعود کا یہی کام ہے کہ کفر و الحاد کی شکایت کرکے روپیہ جمع کرلے جیسا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی اشاعت میں یہی کام کیا کہ اس قسم کی تقریریں کرکے اس کتاب کی لاگت سے وہ چند بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ وصول کرلیا اور آخر میں لکھدیا کہ ایک شب اپنے خیالات کی شب تاریک میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح سفر کررہا تھا کہ ایک دفعہ پردۂ غیب سے انی انا ربک کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی سو اب کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے اور معلوم نہیں کہ کس انداز اور مقدار تک پہنچانے کا ارادہ ہے اور دین اسلام کا وہی حافظ ہے۔ مقصود یہ کہ جتنے دلائل قائم کرنے کا وعدہ تھا اب اس کی ضرورت نہ رہی اور دین کا خدا حافظ ہے۔ اگر بادری۔ لامذہب اور آریہ وغیرہ مسلمانوں کی تعداد گھٹائیں اور کفر کی اشاعت کریں تو عیسیٰ کو اس سے کیا تعلق۔ اگر کوئی کافر بھی ہوجائے تو مرزا صاحب صاف کہدینگے انی بری منک انی اخاف اللہ رب العالمین۔

(۸) دشمنی بغض اور حسد کا دفع ہوجانا جیسا کہ روایت صحیح مسلم سے ثابت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیذہبن الشحناء والتباغض والتحاسد

کنز العمال ج ۷ نمبر (۲۱۲۶)۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان صفات کا وجود ہی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ جب کل ادیان جاکر اسلام ہی اسلام رہ جائیگا تو اصلی اخوت اسلامی قائم ہو جائیگی۔

اب مرزا صاحب کی عیسویت کا دورہ بھی دیکھ لیجئے کہ جہاں اسلام میں بہتّر فرقے تھے انہوں نے ایک فرقہ ایسا بنا دیا کہ جس کو اُن میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں اور اس فرقے کی یہ کیفیت کہ تمام مسلمانوں کا دشمن۔ ایک مسلمان آج اپنے گھر میں خوشی سے بیٹھا ہے کہ کل مرزا صاحب کا منتر اُس پر اثر کرتے ہی اپنے کنبے بھر کا دشمن ہوگیا اور طرفین سے سب وشتم اور زد وضرب کی نوبت پہنچ رہی ہے۔ اور دونوں فوجداری میں کھنچے جا رہے ہیں۔ اب مرزا صاحب ہی انصاف سے کہدیں کہ مسلمان اپنے نبی کی بات مان کر ایسے مسیح کا انتظار کریں جس کے زمانے میں اس علامت کا وقوع ہو یا آپ کی بات مان کر اپنے نبی کی حدیث کو جھوٹی ثابت کریں۔

(۹) باطنی اثر سے امن قائم ہو جانا اس طور پر کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائیوں کے ساتھ۔ اور بھیڑئے بکریوں کے ساتھ چرینگے اور لڑکے سانپوں کے ساتھ کھیلینگے جیسا کہ مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقع الامانۃ علی اہل الارض حتی ترعی الاسود مع الابل والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان بالحیات فلا یضرہم کنز العمال جلد (۷) نمبر (۲۱۴۲ و ۲۱۴۱)

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۹۴) میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے ایک دوسری پیشگوئی بطور استعارے کے فرمائی کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے

مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے ہی پایا جائیگا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے
کینے اور بغض کو دور کریگا۔ شیر و بکری کو ایک جگہ بٹھا دیگا اور سانپوں کے زہر نکالدیگا اور
بچے تمہارے سانپوں اور بچھوؤں سے کھیلینگے اور اُن کے زہر سے ضرر نہیں اُٹھائینگے
یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلافات دور ہو جائینگے تو ایک دفعہ
فطرتی محبت کا چشمہ جوش ماریگا اور تعصب کے زہر نکل جائینگے اور ایک بھائی دوسرے
بھائی پر نیک ظن کریگا اور سب ملکر کوشش میں لگینگے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں
کی کثرت ہو جیساکہ آج کل کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہانتک ممکن ہے
کم کر دیا جائے اور بدسرشت مولویوں کے حکم و فتوے سے دین اسلام
سے خارج کر دئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے
چشم پوشی کر کے ایک بیہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ایسا کافر ٹھہرا دیا
جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہے اور یہ سب ملا یا یوں
کہو کہ ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے ہیں الخ۔

پہلے مرزا صاحب کی مسیحائی پر اُن حالات کو جو احادیث موصوفہ میں وارد ہیں انہیں
کی تقریر کے موافق تطبیق کر کے دیکھ لیجئے۔ مسلمان تو بقول اُن کے یہودی
ہو گئے اور مرزا صاحب مسیح ہیں۔ ضرور تھا کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں سے
تعصب کا زہر نکالدیتے اور کل اہل اسلام مل کر اسلام بڑھانے کی کوشش
کرتے جیساکہ انہوں نے لکھا ہے۔ مگر اس کا اب تک ظہور نہ ہوا۔ جس وقت
یہ تقریر مرزا صاحب نے کمال فخر سے کی ہوگی خوش اعتقاد لوگ آمنّا و صدقنا
کہکر دل میں خوش ہوتے ہونگے کہ مرزا صاحب کا وجود نعمت غیر مترقبہ ہے

جہاں تک ہو سکے دل سے اُن کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ براہین احمدیہ کو لوگوں نے سو سو روپے دیکر خریدا مگر اُن کو نادم ہونا پڑا کہ پچیس[۲۵] تیس[۳۰] سال سے بلکہ جب سے مرزا صاحب کا خیال اس طرف ہوا غالباً پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے اس مدت میں بجائے اس کے کہ تعصب مذہبی دور ہو جاتا اُن کے طفیل سے ایک نیا تعصب ایسا قائم ہو گیا ہے کہ اُس کا اُٹھنا اُن کے بعد بھی بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ مرزا صاحب کا اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور چل چلاؤ کی فکر میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ وہ گرم جوشیاں بھی جاتی رہیں کیا اب بھی توقع ہے کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں کو ایک کر کے کفار کے مقابلہ میں کھڑے کر دینگے۔ ہرگز نہیں مگر خوش اعتقادوں پر تعصب مذہبی اب ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ وہ اب بھی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائینگے۔ اسی وجہ سے آدمی کو ضرور ہے کہ سوچ سمجھکر بہت احتیاط سے کوئی مذہب اختیار کرے کیونکہ اختیار کرنے کے بعد تعصب کی دیوار آگے پیچھے ایسی سد ہو جاتی ہے کہ اُس کا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے کما قال تعالےٰ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔

مرزا صاحب مولویوں کی شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ کم کرتے ہیں انصاف سے دیکھا جائے تو مولویوں نے صرف چند قادیانیوں کو مسلمانوں سے خارج کر دیا تھا مگر مرزا صاحب نے تو کروڑہا مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیا جن کے اعتقاد قرآن و حدیث اور اجماع کے مطابق ہیں۔ اور اپنی قوم کو صاف حکم دیدیا کہ کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اُن سے من جمیع الوجوہ اجتناب اور

مفارقت اختیار کریں اور وجہ اس کی صرف یہی کہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتے
اب غور کیا جائے کہ چند قادیانیوں کو کروڑ ہا مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے
پھر جب چند قادیانیوں کو خارج کرنے سے علمائے اسلام بدسرشت اور ایک دوسرے
کو کھانے والے کیڑے قرار دیے گئے تو مرزا صاحب کا لقب واقع میں کیا ہوگا
اور جو وجہ انہوں نے مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہونے کی قرار دی ہے وہ
کس درجہ کی بیہودہ اور بے اصل سمجھی جائے۔

مرزا صاحب نے بھیڑیا بکری اور وغیرہ الفاظ حدیث کے معنی جو مجازی لئے ہیں
اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ممکن نہیں کہ بھیڑیا بکری کو اور شیر اونٹ کو
نہ کھائے اور [illegible] حقیقی معنی [illegible] کو چھوڑ دیں کیونکہ مجازی معنی اسی وقت
لئے جاتے ہیں جب حقیقی معنی نہ بن سکیں اب دیکھنا چاہئے کہ حقیقی معنی ان الفاظ کے کیوں
نہیں بن سکتے۔ اگر مرزا صاحب یہ کہیں کہ عادت کے خلاف ہے تو وہ مسلم ہے لیکن مسلمانوں کے بلکہ علما کے
بھی نزدیک یہ بھی تو مسلم ہے کہ انبیا اور اولیا سے خلاف عادت امور بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ اور
اگر یہ کہیں کہ حیوانات کے مقتضائے طبع کا دور کرنا خدا کی قدرت میں بھی نہیں ہے
تو پھر ان کے کفر میں شک کیوں کیا جائے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ
کی خالقیت کے قائل ہو گئے تو اس کو ماننا پڑیگا کہ جس نے ان کو صفت سبعیت
دی ہے وہ اس کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ مرزا صاحب کی اس تقریر سے مستفاد
ہوتا ہے نہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اعتبار ہے نہ خدائے
تعالیٰ کی قدرت کا یقین پھر ان سے اس بارے میں
گفتگو ہی کیا ہے

آنکس کہ ز قرآن و خبر زو نرہی اینست جوابش کہ جوابش ندہی

ہم اپنے ہم مشربوں سے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تقریروں سے اپنے ایمان کو صدمہ نہ پہنچنے دیں اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں کسی کی بات نہ سنیں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی نسبت تو خاص خاص اہتمام منظور الٰہی ہیں جن کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتصریح دی ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں امام سیوطی رح نے ہلاک ابن دنیار وغیرہ اکابر دین کے چشم دید واقعات نقل کئے ہیں کہ عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں بھیڑیں بکریوں کے ساتھ چرا کرتی تھیں الحاصل مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت جانے کی غرض سے یہ کام کیا کہ جتنے خوارق عیسیٰ علیہ السلام کی خبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں سب میں تاویلیں کر کے اُن کی وقعت کھودی اور اُن کو معمولی باتیں قرار دیکر اپنے آپ پر منطبق کر لیا اگر غور سے دیکھا جائے تو اُس کی نظیریں امم سابقہ میں بھی مل سکتی ہیں دیکھئے حق تعالےٰ قرآن شریف میں خبر دیتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ واقعہ یہ ہے کہ لوگ غلہ لینے کے لئے نمرود کے پاس جاتے تھے اور اُس کی عادت تھی کہ اُن سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے اگر وہ کہتے کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو اُن کو غلہ دیتا۔ ایکبار ابراہیم علیہ السلام بھی ضرورتاً اُس کے پاس گئے اور اُس نے حسب عادت آپ سے بھی پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اُس نے کہا یہ صفت تو مجھ میں بھی ہے جس کو چاہتا ہوں مار ڈالتا ہوں اور جسکو چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں

چنانچہ دو شخصوں کو بلا ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا یہ واقعہ تفسیر
دُرمنثور میں امام سیوطی رح نے ذکر کیا ہے۔
دیکھئے صفت احیا و اماتت جو خاصہ باری تعالیٰ ہے اُس کی تاویل کر کے نمرود
نے ایک معمولی بات بنادی اور اپنے آپ پر منطبق کرلیا جس طرح مرزا صاحب کر رہے ہیں
مرزا صاحب نے مسلمانوں کی نسبت تو فرمادیا کہ وہ یہود بن گئے مگر افسوس ہے
کہ اپنی حالت کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ کیا بن گئے۔ اگرچہ اُن کو اعتراف ہے کہ وہ یہودیوں
کے مثل ہیں جیساکہ عبارت مذکورہ میں لکھتے ہیں (جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے
مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے دیا گیا) مگران تقریروں سے ظاہر ہے
کہ اسی پر اکتفا نہیں۔
بہرحال یہ علامتیں جو صحیح حدیثوں میں وارد ہیں مرزا صاحب کے زمانے پر صادق
نہیں آسکتیں اس وجہ سے وہ مسیح موعود ہو نہیں سکتے۔
(۱۰) شب معراج خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ
دجال کے قتل کیلئے میں مامور ہوں اور زمین پر اُتر کے میں ہی اُسکو قتل کرونگا۔
جیساکہ امام احمد رح اور ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت
کی ہے عن ابن مسعود رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقیت لیلۃ اسری بی ابراہیم
وموسی وعیسٰی علیہم السلام فذکروا امر الساعۃ فردوا امرہم الی ابراہیم فقال لا علم لی بہا فردوا
امرہم الی موسی فقال لا علم لی بہا فردوا امرہم الی عیسٰی فقال اما وجبتہا
فلم یعلم بہا احد الا اللہ وفیما عہد الی ربی ان الدجال خارج ومعی قضیبان فاذا رآنی
ذاب کما یذوب الرصاص فیہلکہ اللہ اذا رآنی الحدیث یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے کہ شب معراج مجھ سے اور ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اثنائے گفتگو میں قیامت کا ذکر آیا ہم سب نے ابراہیم علیہ السلام سے اُس کا حال دریافت کیا اُنہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی مگر عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگی مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ دجال نکلنے والا ہے اور خدائے تعالیٰ نے مجھے معلوم کرا دیا ہے کہ اُس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہونگی جب وہ مجھے دیکھیگا تو سیسے کی طرح پگلنے لگیگا۔

مولوی محمد عبد اللہ صاحب شاہجہاں پوری نے شفاء للناس میں فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مسند امام احمد اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کے نکلنے کا حال [illegible] کہا کہ میں اس وقت اُترونگا اور اس کو قتل کرونگا اس صحیح حدیث سے ثابت [illegible] عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے سے مجھے دجال کے قتل کے لئے معین فرما دیا ہے اور میں زمین پر اُتر کر اُسکو قتل کرونگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف کشف ہی سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا حال معلوم نہیں ہوا بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت سن چکے تھے۔ اس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا جو مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اس کشف میں حضرت کو نعوذ باللہ غلطی ہوئی ہے۔

مرزا صاحب غالباً یہاں یہ شبہ پیش کرینگے کہ ان انبیا کے مقامات ایک آسمان پر نہیں پھر سب کا اتفاق اور مجمع ایک جگہ کیسے ہوا۔ مگر اہل اسلام کے

نزدیک ایسے رکیک شبہات قابل توجہ نہیں اس لئے کہ اولیاء اللہ کو اس عالم میں یہ بات حاصل ہے کہ وقت واحد میں متعدد مقامات میں رہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ امام سیوطیؒ نے کتاب المتجلی فی تطور الولی میں اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور اولیاء اللہ کے تذکروں میں اس کی نظائر بکثرت موجود ہیں۔

الحاصل اس حدیث کے دیکھنے کے بعد اہل ایمان کو اس میں کوئی شبہ نہ رہے گا کہ مرزا صاحب نے اپنی عیسویت ثابت کرنے کے لئے جتنی تمہیدات کی ہیں کہ خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا ابن مریم رکھا اور یہ کہا اور وہ کہا سب سخن سازیاں اور افترا ہیں اور کوئی الہام ان کا قابل نہیں کہ اس حدیث کے مقابلے میں آسکے۔

مرزا صاحب نے مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی کے مقابلے میں جو تقریر کی ہے الحق الصریح فی حیواۃ المسیح صفحہ (۱۰۷) میں بلفظہ لکھا ہے اس تقریر میں مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ فرض کرو کہ وہ قرأت بقول مولوی صاحب کے ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے۔ مولوی صاحب پر فرض تھا کہ قرأت شاذہ قبل موتہم کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے محض تضعیف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی ثبوت سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں ہیں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایۂ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں اور کیا محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر

سمجھی گئی ہیں۔

مرزا صاحب کو جب ضعیف حدیث کے ساتھ یہ خوش اعتقادی ہے تو یہ حدیث جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسٰی علیہ السلام کا بیان مذکور فرمایا ہے، وہ تو صحیح ہے جس کی صحت کی تصریح اکابر محدثین نے کر دی ہے اُس کو وہ ضرور مانتے ہونگے مگر اُن کی تقریروں سے ثابت ہے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔ مرزا صاحب اپنے استدلال کے وقت جو ضعیف حدیث کے ماننے پر ہم کو مجبور کرتے ہیں اور خود حدیث صحیح بھی نہیں مانتے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہمکو مسلمان سمجھتے ہیں اور خود کو دائرۂ اسلام سے خارج اگر مسلمانوں کا یہودی بن جانا اور اپنا مسلمان ہونا اُن کے نزدیک ثابت ہوتا تو اُس پر کبھی اصرار نہ کرتے کہ ضعیف حدیث بھی نبی کی ہم لوگ مان لیں اور خود صحیح حدیث بھی نہ مانیں۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جو انہوں نے یہود قرار دیا تھا اور اپنے آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی وہ قطع نظر اس کے کہ واقع کے خلاف ہے خود بھی اپنی غلط بیانی کے معترف ہیں۔ اس موقع میں ہم نہایت خوشی سے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ اپنے نبی کی ضعیف حدیث بھی قابل تسلیم ہے۔ مگر مرزا صاحب کو کوئی حق نہیں کہ اسکا الزام ہم پر لگائیں کیونکہ مسائل جزئیہ میں ہر دین والا اپنے نبی کے قول پر عامل ہوتا ہے دوسری ملت والا شخص اُن میں مباحثے کا مجاز نہیں بلکہ اگر مناظرہ ہو تو امور کلیہ میں ہوگا کہ پہلے ہر شخص اپنا دین واجب الاتباع ثابت کرے۔ اب مرزا صاحب سے اگر بحث ہو تو ہم اپنا دین ناسخ ثابت کریں اور مرزا صاحب اپنا دین اور اُن جزئیات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر مرزا صاحب آپنے کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ

بمقتضائے وقت اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں تو چاہیئے کہ اس حدیث صحیح کو مان لیں اور دعوے عیسویت سے توبہ کریں ورنہ یہ الزام رفع نہیں ہو سکتا۔

الحاصل مرزا صاحب اس حدیث کو مانیں یا نہ مانیں مسلمانوں کے نزدیک مرزا صاحب اس صحیح حدیث کی رو سے مسیح موعود ہرگز ہو نہیں سکتے (۱۱ و ۱۲) عیسےٰ علیہ السلام کا دجال کو باب لُد پر قتل کرنا۔ اور اُن کے دم سے کفار کا مر جانا جو اس روایت سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ عن النواس ابن سمعان قال ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدجال ذات غداۃ فخفض فیہ ورفع حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل فلما رحنا الیہ عرف ذالک فینا فقال ماشانکم قلنا یا رسول اللہ ذکرت الدجال غداۃ فخفضت فیہ ورفعت حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل فقال غیر الدجال اخوفنی علیکم ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلم۔ انہ شاب قطط عینہ طافئۃ کانی اشبہہ بعبد العزی بن قطن فمن ادرک منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکہف۔ انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فعاث یمیناً وعاث شمالاً یا عباد اللہ فاثبتوا قلنا یا رسول اللہ وما لبثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسایر ایامہ کایامکم قلنا یا رسول اللہ فذالک الیوم الذی کسنۃ اتکفینا فیہ صلوۃ یوم قال لا اقدروا لہ قدرہ قلنا یا رسول اللہ وما اسراعہ فی الارض قال کالغیث استدبرتہ الریح فیاتی علی القوم فیدعوہم فیؤمنون بہ ویستجیبون لہ فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیہم سارحتہم اطول ما کانت ذریً

واسبغه ضروعا وامده خواصر ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله فینصرف عنهم
فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شیء من اموالهم ویمر بالخربة فیقول لها اخرجی کنوزک
فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلیا شبابا فیضربه بالسیف فیقطعه جزلتین
رمیة الغرض ثم یدعوه فیقبل ویتهلل وجهه ویضحک فبینما هو کذالک اذ بعث الله
المسیح ابن مریم علیه السلام فینزل عند المنارة البیضاء شرقی دمشق بین
مهرودتین واضعا کفیه علی اجنحة ملکین اذا طاطا راسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان
کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه الا مات ونفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه
فیطلبه حتی یدرکه بباب لد فیقتله ثم یاتی عیسی الی قوم قد عصمهم الله منه فیمسح
عن وجوههم ویحدثهم بدرجاتهم فی الجنة فبینما هو کذالک اذا وحی الله الی عیسی علیه السلام
انی قد اخرجت عبادا لی لایدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور ویبعث الله
یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلهم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیها
ویمر آخرهم فیقولون لقد کان بهذه مرة ماء ویحصر نبی الله عیسی علیه السلام واصحابه
حتی یکون راس الثور لاحدهم خیرا من مائة دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی الله عیسی
علیه السلام واصحابه فیرسل الله علیهم النغف فی رقابهم فیصبحون فرسی کموت نفس واحدة
ثم یهبط نبی الله عیسی علیه السلام واصحابه الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملاه
زهمهم ونتنهم فیرغب نبی الله عیسی علیه السلام واصحابه الی الله فیرسل الله علیهم طیرا کاعناق
البخت فتحملهم فتطرحهم حیث شاء الله ثم یرسل الله مطرا لا یکن منه بیت مدر ولا وبر فیغسل
الارض حتی یترکها کالزلفة ثم یقال للارض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة
من الرمانة ویستظلون بقحفها ویبارک فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتکفی الفئام من الناس

واللقحۃ من البقرۃ لتکفی القبیلۃ من الناس واللقحۃ من الغنم لتکفی الفخذ من الناس

فبینما ہم کذالک اذ بعث اللہ ریحا طیبۃ فتاخذہم تحت آباطہم فتقبض روح

کل مومن وکل مسلم ویبقے شرار الناس یتہارجون فیہا تہارج الحمر فعلیہم تقوم الساعۃ

رواہ مسلم۔

یعنی نواس سے کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر ایسے طور پر کیا کہ کچھ دبی آواز سے فرمایا اور کچھ بلند آواز سے جس سے ہمکو خیال ہوا کہ شاید نخلستان میں وہ آگیا سب ہم اُس طرف جانے لگے فرمایا کہ یہ کیا تمہاری حالت ہے۔ ہمنے عرض کی کہ آپنے ایسے طور پر دجال کا حال بیان فرمایا کہ ہمیں اُس کے نخلستان میں آجانے کا گمان ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا اُس سے زیادہ خوف دوسرا امور کا تمہاری نسبت مجھے ہے (یعنی ظالم اور گمراہ سلاطین کا جیسا کہ دوسرا احادیث میں وارد ہے) اگر بالفرض دجال میرے وقت میں نکلے تو میں اُس سے گفتگو کر کے قائل کر دونگا اور اگر میرے بعد نکلے تو ہر شخص اُس سے بطور خود بحث کرے اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دجال جوان ہوگا اور اُس کے بال بہت بڑے ہوئے ہونگے اور وہ عبدالعزی بن قطن کے ساتھ کسیقدر مشابہ ہے۔ جو مسلمان اُس کو پائے سورۂ کہف کے شروع کی چند آیتیں پڑھ لے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد کا ہنگامہ برپا کردیگا۔ اے خدا کے بندو اُس وقت اپنے دین پر ثابت رہو ہمنے عرض کی یا رسول اللہ وہ کتنے روز زمین پر رہیگا فرمایا چالیس روز

مگر ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی ایام معمولی ہونگے ہمنے عرض کی یا رسول اللہ جو دن ایک برس کے برابر ہوگا اُس میں پانچ نمازیں کافی ہونگی فرمایا نہیں۔ اوقات کا اندازہ کرکے نمازیں پڑھی جائیں۔ پھر ہمنے عرض کی اُس کی سُرعت سیر کی کیا کیفیت ہوگی فرمایا جس طرح ابر کو ہوا لے جاتی ہے۔ وہ کسی قوم میں جاکر اُن کو اپنے پر ایمان لانے کو کہیگا جب وہ اُس پر ایمان لائینگے تو آسمان کو حکم کریگا کہ پانی برسائے اور زمین کو حکم کریگا سبزی اُگائے جس سے جانور خوب ہی موٹے تازے ہوجائینگے پھر دوسری قوم پر جاکر اُن کو اپنی طرف مائل کریگا مگر وہ قبول نہ کرینگے وہاں سے جب وہ لوٹیگا تو اُن لوگوں پر قحط آجائیگا اور کسی قسم کا مال اُن لوگوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہیگا۔ اُس کے بعد ایک ویرانے پر گذریگا اور اُس سے کہیگا کہ اپنے خزانوں کو نکال لے چنانچہ وہاں کے خزانے اُس کے ساتھ ہوجائینگے۔ پھر ایک شخص کو بلائیگا جو کمال شباب میں ہوگا اور اُس کے دو ٹکڑے کرکے دور دور ڈلوا دیگا پھر اُس جوان مقتول کو بلائیگا چنانچہ وہ ہنستا ہوا اُس کی طرف جائیگا۔ غرض کہ وہ اسی قسم کے واقعات میں مشغول ہوگا کہ خدائے تعالےٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجیگا وہ دمشق کی شرقی جانب سفید مینار کے پاس دو زرد چادریں پہنے ہوئے دو فرشتوں کی بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریںگے جب وہ سر جھکا دیں گے اور اٹھا دینگے تو اُن کے پسینے کے قطرے مثل موتی کے ٹپکیں گے۔ جس کافر کو اُن کے دم کی بو پہنچ جائے گی تو ممکن نہیں کہ وہ زندہ رہ سکے۔ پھر وہ دجال کو ڈھونڈکر لد کے دروازے پر جو بیت المقدس کے قریب ایک شہر ہے

قتل کر ڈالینگے۔ اُس کے بعد عیسےٰ علیہ السلام اُس قوم کی طرف جائینگے جنکو حق تعالےٰ نے دجال کے فتنے سے بچایا تھا اور شفقت سے اُن کے منہ پر ہاتھ پھیر کر خوشخبری درجات جنت کی دینگے جو اُن کے لئے مقرر ہیں۔ اس اثنا میں حق تعالیٰ عیسےٰ علیہ السلام پر وحی فرمائیگا کہ اب ہم نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جنکے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں اس لئے ہمارے پیارے بندوں کو تم طور کی طرف لے جاؤ اُس وقت یاجوج ماجوج کو حق تعالےٰ زمین پر بھیجیگا جو ہر بلندی پر سے دوڑتے نظر آئینگے اُنکی کثرت کی یہ کیفیت ہوگی کہ جب بحیرہ طبریہ پر اُن کا گذر ہوگا تو اس کا سب پانی پی جائینگے جسکو دیکھکر اُن کے پچھلے لوگ خیال کرینگے کہ شاید کسی زمانے میں یہاں پانی تھا۔ اُدھر عیسےٰ علیہ السلام اور اُن کے اصحاب محصور ہونگے اور اشیا کی نایابی اس درجے تک پہنچ جائیگی کہ آج کے دن سو اشرفیوں کی جو تمہیں قدر ہے اُس روز بیل کے ایک سر کی قدر ہوگی۔ اُس وقت عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کے اصحاب خدائے تعالےٰ کی طرف توجہ کرینگے اور حق تعالےٰ ایک کیڑا یاجوج و ماجوج کی گردنوں میں پیدا کر دیگا جس سے ایک رات میں وہ سب مرجائینگے ایک ان میں سے نہ بچیگا۔ پھر عیسےٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے مقام سے نکلیں گے اور دیکھینگے کہ زمین پر ایک بالشت کی جگہ ایسی نہیں جہاں اُن کی چربی اور گندگی نہ ہو سب خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونگے کہ یہ مصیبت دفع فرمائے۔ تب حق تعالےٰ بڑے بڑے پرندے اُتاریگا اور وہ اُن کی لاشوں کو اُٹھا کر جہاں منظور الٰہی ہے ڈال دینگے اور پانی برسائیگا جس سے تمام روئے زمین آئینہ کی طرح صاف ہوجائیگا۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے ثمرات اُگادے اور برکت از سر نو ظاہر کرے چنانچہ برکت کی یہ کیفیت ہوگی

۱ ۱ادکرے زالیہ

کہ ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور اُس کے چھلکے کے سائے کے تلے ایک جماعت بیٹھ سکے گی۔ اور ایک اونٹنی کے دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک بڑی جماعت اُس سے سیراب ہوجائیگی اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کے لوگوں کو کافی ہوگا۔ اس اثنا میں ایک ہوائے خوشگوار ایسی بہیگی کہ مسلمانوں کے بغلوں کے نیچے سے اُس کے بہتے ہی اُن کی روح قبض ہوجائیگی چنانچہ کل مسلمان عالم بقا کو چلے جائینگے۔ اور بُرے لوگ باقی رہ جائینگے اُن لوگوں کی بیحیائی اس درجے تک پہنچ جائیگی کہ عام جلسوں میں مرد عورت گدھوں کی طرح علانیہ جفتی کرینگے۔ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی"!

اس حدیث شریف نے مرزا صاحب کی عیسویت کی کارروائی کو ملیامیٹ کر دیا کیونکہ جو امور عیسےٰ علیہ السلام سے متعلق اس میں مذکور ہیں نہ مرزا صاحب سے اُن کا وقوع ممکن ہے نہ اُن کے زمانے میں کوئی ایسی بات پائی جاسکتی ہے جو عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ جھنجلا کر ازالۃ الاوہام صفحۂ (۲۰۲) میں لکھتے ہیں کہ بانی مبانی اس تمام روایت کا صرف نواس بن سمعان ہے۔ اور کوئی نہیں۔ جس کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ اُنہوں نے اس حدیث کو بنایا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ الفاظ اپنے معاصرین کے حق میں کہتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا مگر افسوس ہے کہ اُن کی صحابیت اور جلالت شان کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ بھلا نواس رضی اللہ عنہ کو کیا خبر کہ مرزا صاحب عیسویت کا جھوٹا دعوےٰ کرینگے جس کے مخالف یہ حدیث ہوگی اُنہوں نے تو اپنا فرض منصبی ادا کر دیا اور جس طرح صحابہ کا دستور تھا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بلاکم وکاست پہنچا دیا اور امت مرحومہ نے اُس کو قبول بھی کر لیا۔ کیونکہ اس حدیث

میں اگر کسی کو کلام ہوتا تو علما اس کی تصریح کر دیتے کہ نواس رضؓ نے اس حدیث میں
غلطی کی ہے۔ ہر چند یہ بات ظاہر ہے کہ جتنے امور اس حدیث میں مذکور ہیں ظاہرا
خلاف عقل ہیں مگر علما نے دیکھا کہ جتنے وقائع قیامت کے قرآن و حدیث سے
ثابت ہیں بالکل خلاف عقل ہیں اور یہ امور بھی مقدمۂ قیامت ہیں اس لئے انہوں
نے ان کو بھی قیامت ہی سے متعلق کر کے ایمان سے کام لیا لیکن مرزا صاحب
چونکہ اس مسئلے میں صاحب غرض ہیں انہوں نے دیکھا کہ اگر ایک بات بھی اس
حدیث کی مان لی جائے تو عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اس لئے پہلے
تو بانی مبانی اس حدیث کا نواسؓ کو قرار دے کر موضوع ہی ٹھیرا دیا پھر تاویلات سے
کام لیا چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۰۲) میں اس حدیث کو ذکر کر کے ایک دوسری
حدیث تلاش کی جو ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ میں رات عیسیٰ علیہ السلام کو اور دجال کو خواب میں دیکھا اور ان دونوں کا حلیہ بھی
بیان فرمایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ مقصود اس تلاش سے یہ ہے کہ کسی طرح نواس رضؓ
رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیکار کر دیں اور اس کی تدبیر یہ نکالی کہ ابن عمر کی حدیث میں
مصرح ہے کہ حضرت نے خواب میں دونوں کو دیکھا تھا اس وجہ سے نواس رضؓ کی حدیث
بھی خواب ہی کی بات ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ اب اس تمام حدیث پر غور کرنے سے
معلوم ہوگا کہ جو کچھ دمشقی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار
اس حدیث (ابن عمرؓ) میں واقع ہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح
طور سے اس حدیث میں بیان فرما دیا کہ یہ میرا ایک مکاشفہ یا یہ خواب ہے
پس اس جگہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث

(جس کو نواس رضؓ نے روایت کیا ہے) درحقیقت وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب ہی ہے۔

نواس رضؓ والی حدیث میں شروع سے اخیر تک کہیں نہ خواب کا لفظ ہے نہ اُس پر کوئی دلیل مگر مرزا صاحب نے اسی میں سے ایک لفظ نکال ہی لیا چنانچہ صفحہ (۲۰۴) میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے دجال کو خواب یا کشف میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک شئے عالم مثالی سے ہے اس لئے اُس کا حلیہ بیان کرنے کے وقت لفظ کافی یعنی گویا کا لفظ بتا دیا تا اس بات پر دلالت کرے کہ یہ رویت حقیقی رویت نہیں۔ ایک امر تعبیر طلب ہے سبحان اللہ مرزا صاحب نے کہاں کی کہاں لگا دی۔ اگر تعبیر طلب تھی تو ابن عمر رضؓ کی حدیث تھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا خواب میں دیکھنا مذکور ہے حالانکہ حضرت نے نہ خود اُس کی تعبیر بیان کی نہ صحابہ نے حسب عادت پوچھا کہ عیسیٰ سے کیا مراد ہے اور دجال سے کیا مراد اور اُن کے طواف سے کیا مقصود ہے اُس سے معلوم ہوا کہ اس خواب سے صرف اُن کی معرفت اور مشخص طور پر معلوم ہونا مقصود تھا بخلاف نواس رضؓ کی حدیث کے اُس میں تو سرے سے خواب کا ذکر ہی نہیں۔ رہا لفظ کانی اشبہ اُس سے صرف تعیین اور تشخیص مقصود ہے کہ من وجہ جسمانی مشابہت مشبہ اور مشبہ یہ بھی معلوم ہو جائے کیونکہ یہ لفظ دوسرے مشخصات کی قطار میں واقع ہے جیسے اُن کے نکلنے کے مقامات۔ اور مدت بقا اور سرعت سیر کا اندازہ اور اُس زمانے کے واقعات جن سے ہر مسلمان سمجھ جائے کہ جب تک یہ تمام نشانیاں نہ پائی جائیں نہ کسی کو عیسیٰ سمجھ سکتے ہیں نہ دجال موعود۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ باوجود ان تمام تشخصات اور اہتمام کے جو

حضرت نے اُن کے بیان میں کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ سب خواب و خیال ہے کس قدر ایمان سے دور ہے پیشتر یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ مرزا صاحب نے یوذ اسف کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ واقعات میں تصرف کیا کرتے ہیں جیسے اُس نے ابراہیم علیہ السلام کے تمام واقعات میں تصرف کر کے اُن کو مجوسی قرار دیا اور بنیاد یہ قائم کی کہ اُن کے ملفوظ پر برص ہوا تھا مرزا صاحب نے یہاں بھی وہی کیا کہ لفظ کافی پر یہ بنیاد قائم کی نواس رض کی حدیث ایک خواب کا واقعہ ہے ابن عمر رض والی حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں عیسے علیہ السلام اور دجال کو دیکھا ہے اُس بنا پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ پس یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دمشق والی حدیث درحقیقت ایک خواب ہی ہے معلوم نہیں مرزا صاحب سے کس نے کہدیا کہ حضرت نے دجال وغیرہ کو جو ایک بار خواب میں دیکھ لیا تھا اُس کے بعد جتنے واقعات اور پیشگوئیاں حضرت نے اس باب میں فرمائی ہیں وہ سب خواب ہیں۔ ایک بار کسی کو خواب میں دیکھنے سے قطعی طور پر یہ کیونکر ثابت ہو گا کہ جب کبھی اُس کے واقعات بیان ہوں سب خواب ہی ہوا کریں۔ مرزا صاحب کے اس مسلک پر حضرت عائشہ رض کے نکاح وغیرہ کے واقعات سب قطعی اور یقینی طور پر خواب ہونگے اس لئے کہ اُن کو بھی حضرت نے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا۔ مرزا صاحب کی سخن سازیوں نے قطع اور یقین کو نہایت ہی ارزاں کر دیا ہے کہ جہاں احتمال بھی پایا نہیں جاتا قطع و یقین کے ڈھیر لگ جاتی ہے۔

مرزا صاحب نے دجال کی نسبت جو لکھا ہے کہ حضرت نے دجال کو خواب میں دیکھا وہ صورت مثالی تعبیر طلب ہے اس سے تو مرزا صاحب کی عیسویت بھی دجال ہی کے ساتھ درہم و برہم ہو جاتی ہے اس لئے کہ حضرت نے دونوں کو ایک ہی خواب

دیکھا تھا اور علمائے فن تعبیر نے تصریح کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر سفر وغیرہ ہے اس صورت میں مرزا صاحب کی عیسویت کس بنا پر قائم ہوگی کیونکہ حضرت کے اس خواب کی تعبیر کا ظہور تو حضرت کے سفر وغیرہ سے اُسی زمانے میں ہوگیا ہوگا اب نواس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں غور کیجئے کہ کتنے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس میں بیان فرمائے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے ہی سے متعلق ہیں (۱) دجال کا حلیہ (۲) شام وعراق کے درمیان سے اُس کا نکلنا (۳) اُس کا فساد برپا کرنا (۴) اُس کی مدت فتنہ پردازی (۵) اُس کے زمانے کے ایام کی مقدار (۶) اُن ایام کی نمازوں کا طریقہ (۷) اُس کی سرعت سیر (۸) اُس کے خوارق عادات (۹) عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا (۱۰) اُن کے اُترنے کا مقام (۱۱) اُن کا لباس اور ہیئت (۱۲) کافروں کا قتل (۱۳) دجال کو مقام معین میں قتل کرنا (۱۴) یاجوج وماجوج کا خروج اور اُن کی کثرت (۱۵) خوردنی اشیا کی گرانی (۱۶) یاجوج وماجوج کی موت کا حال (۱۷) پرندوں کا اُن کی لاشوں کو اُٹھا لیجانا (۱۸) زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش (۱۹) پیداوار کی کثرت (۲۰) مسلمانوں کی موت کا حال (۲۱) کفار کا حال اور اُن پر قیامت کا قائم ہونا یہ کل علامات ایسی ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ مختص ہیں جن میں سے ایک بھی مرزا صاحب کے وقت میں نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث کو ایک خواب تعبیر طلب قرار دیکر بعض امور کی تعبیر بھی بیان کی ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۱۵) میں طولانی ایام کی نسبت لکھتے ہیں کہ لمبے دنوں سے مراد تکلیف اور مصیبت کے دن بھی ہوتے ہیں۔ بعض مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ایک دن ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتوں میں ایک دن

ایک مہینے کے برابر اور بعضوں میں ایک ہفتے کے برابر دکھائی دیتا ہے پھر رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو جانے سے وہی لمبے دن معمولی دن دکھائی دیتے ہیں"۔

ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۴۶) میں انہوں نے لکھا ہے کہ دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں"
جب دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں اور ایام کی درازی مصیبتوں کے لحاظ سے ہوتی ہے تو اس تعبیر میں اُن کو ضرور تھا کہ اُس کی تصریح بھی کر دیتے کہ فلاں با اقبال قوم کے خروج کا پہلا دن ایک سال اور دوسرا دن ایک ماہ کا اور تیسرا دن ایک ہفتے کا اور باقی ایام معمولی اصناف مصائب کے لحاظ سے ہو گئے تھے اسی طرح ایک ایک با اقبال قوم کے ایام و مصائب کا ذکر کرتے۔ مگر یہ اُن سے ممکن نہیں ان کو تو صرف حدیث کو بگاڑنا مقصود ہے۔ اور نمازوں کے باب میں لکھتے ہیں صفحہ (۲۱۶) کہ طولانی دن کی مقدار پر اندازہ کرنے کو جو فرمایا ہے سو یہ بیان حضرت کا علی سبیل الاحتمال ہے یعنی حضرت نے بلحاظ وسعت قدرت الٰہی کشفی امر کو مطابق سوال کے ظاہر پر محمول کر کے جواب دیا اور کشفی امر کو جب تک خاص طور پر خدا تعالیٰ ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری معنے پر محدود نہیں سمجھتے تھے"۔
مطلب اس کا ظاہر ہے کہ اُن ایام کا کشف تو حضرت کو ہو گیا تھا مگر بیان کرنے میں نعوذ باللہ غلطی کی جو مطابق سوال کے خلاف واقع جواب دیدیا اور حق تعالیٰ نے اُس کشفی امر کو حضرت پر ظاہر ہی نہیں کیا اسی لئے ظاہری معنے پر اُس کو محدود کر لیا۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر اُن ایام کا کشف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا تھا کہ ایک روز ایک برس کا ہوگا تو اُس کو ظاہری معنے پر حمل کرنا کیوں

خلاف واقع سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر ایک برس کا ایک دن سمجھنا غلط تھا تو کشف ہی کیا ہوا۔ مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف کو اپنے ادعائی کشفوں کے جیسے سمجھ لیا ہے کہ کشف میں دیکھا تو شیطان کو اور سمجھ لیا کہ وہ خدا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اسی وجہ سے حضرت کے کشف کی اصل حقیقت سمجھنے میں دقتیں لاحق ہوئیں۔

اور اسی ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۱۶) میں لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ دجال بادل کی طرح تیز چلیگا اور اس پر ایمان جو لائے تب بادل کو حکم کریگا کہ مینہ برسائے اور زمین کھیتی اُگائے سو یہ استعارات ہیں ہوشیار رہو دھوکا نہ کھانا۔"

مرزا صاحب مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم کو دھوکا دیدیا اُن سے ہوشیار رہو دھوکا نہ کھاؤ۔ سبحان اللہ اس پر امتی ہونے کا دعویٰ بھی ہے اور اسی میں صفحہ (۲۱۵) لکھتے ہیں کہ دجال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام وعراق کے درمیان واقع ہے یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ مکاشفات میں عام طور پر استعارات وکنایات ہوا کرتے ہیں" مرزا صاحب کی رائے یہاں چل نہ سکی اس لئے کہ دجال تو با اقبال قومیں ٹھیریں اور وہ شام وعراق کے درمیان نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کیا کہ وہ بھی ایک استعارہ وکنایہ ہے جسکے معنی سمجھ میں نہیں آتے یہاں اہل اسلام کو یہ بھی خیال کر لینا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس اہتمام سے ان واقعات کو بیان فرمایا اور کیسے کھلے کھلے الفاظ میں دجال کے حالات معلوم کرائے ان سب کو مرزا صاحب نے چیستان اور پہیلی قرار دیا اور صرف چند مضامین اپنی دانست میں حل کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ کیا یہی نبی کی شان ہے

کہ اپنی امت کو کسی سے ڈرائے اور اُس کے احوال کی پہیلی بناکر بیان کرے اور اس پہیلی کے سننے والے اُس کو ظاہر پر حمل کرکے ظاہری الفاظ پر ایمان لائیں جن میں بعض امور کفریات اور دھوکا ہوں اور نبی ساکت رہیں اور یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے تو پہیلی بنائی تھی تم اُسی کے ظاہر پر ایمان لارہے ہو۔ اپنے نبی کی نسبت ایسا گمان کرنے والا کیا امتی ہوسکتا ہے عقل اسکو ہرگز باور نہ کریگی۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اگر عیسےٰ اور دجال میں تلازم ثابت ہوجائے تو جو علامات دجال کی احادیث میں مذکور ہیں کسی پر صادق کرکے بتلانے کی ضرورت ہوگی اگرچہ کہ اپنے مناسب دجال کبھی پادریوں کو اور کبھی بااقبال قوموں کو قرار دیتے ہیں اور چند علامات بھی تاویلیں کرکے اُن پر صادق کردیتے ہیں مثلاً ایک چشمی ہونے سے مراد دنیاوی عقل وغیرہ ہیں مگر پوری علامتیں تاویلات سے بھی صادق نہیں آسکتیں اس لئے آخر میں بتنگ آکر صاف کہدیا کہ دجال کے باب میں جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں سب موضوع ہیں البتہ ابن صیاد دجال موعود تھا جو حضرت ہی کے زمانے میں نکلا اور مر بھی گیا اب دجال کی ضرورت ہی نہ رہی چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۲۶) میں لکھتے ہیں کہ اب اگر ہم بخاری اور مسلم کی اُن حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانے میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں موضوع ٹھیرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ عقل خداداد ہم کو یہ طریقہ فیصلہ کا بتلاتی ہے کہ جتنی احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں کو سچ سمجھا جائے سو اس طریق فیصلے کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کی حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں

سے بے شک ایک دجال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنے میں پڑتے تھے لیکن بعد مشرف باسلام ہوگیا" اور اُسی کے صفحہ (۲۲۵) میں لکھتے ہیں کہ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر ابن صیاد پر یقین کیا گیا کہ یہی دجال معہود ہے چنانچہ صحابہ نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اس میں شک نہیں کہ یہی دجال معہود ہے اور حضرت نے بھی آخر کار یقین کر لیا"

ابن صیاد اور دجال کی بحث انوار الحق میں کسی قدر مبسوط لکھی گئی ہے اُس میں مرزا صاحب کے ان شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں مگر یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جب آخری زمانے میں دجال کا وجود ہی نہ ہو تو پھر عیسیٰ کی ضرورت ہی کیا حالانکہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۴۷) میں وہ لکھتے ہیں لکل دجال عیسٰی اس سے تو دونوں میں تلازم ثابت ہوتا ہے اور احادیث میں مصرح ہے کہ عیسٰی علیہ السلام خاص دجال کے قتل کے لئے معین ہیں اور خود عیسٰی علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا جیسا کہ حدیث صحیح سے ابھی معلوم ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب وہ حدیثیں موضوع ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر جو وہ بھی انہی میں ہے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہوگیا کہ نہ وہ مسیح موعود ہیں نہ مثیل موعود اور نہ اُن کی ذریت میں کوئی مسیح ہو سکتا ہے۔ اور اگر اپنے الہاموں سے مسیح ہونا ثابت کریں تو اُن کے الہاموں کی بے وقعتی تقریر سابق سے بخوبی ثابت ہے اور مرزا صاحب اپنا دجال پادریوں اور با اقبال قوموں کو جو بتا رہے ہیں اُن کے مقابلے میں غالب ہونا تو درکنار اُن کو آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ نہیں سکتے اس لئے کہ مسٹر اتھم صاحب کے مقابلے میں جب حد سے زیادہ خفیف و ذلیل ہوئے تو اب کسی پادری کے مقابلے کی اُن میں

جرأت ہی نہیں اور با اقبال قوموں کے مقابلے کا تو ان کو خیال بھی نہیں آسکتا بلکہ بجائے مقابلے کے دعاگوئی اور خوشامد میں مصروف ہیں پھر اپنے آپ کو عیسٰے اور پادریوں اور با اقبال قوموں کو دجال بنانے سے فائدہ ہی کیا جب احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ عیسٰے دجال کو قتل کرینگے اور مرزا صاحب اپنے دجال کے مقابلے میں حرکت مذبوحی بھی نہیں کر سکتے تو انہی احادیث سے مرزا صاحب کی عیسویت خود باطل ہو گئی۔

مرزا صاحب نے مسیحیت کا ایسا دعوے کیا ہے کہ بقول ان کے اب تک کسی نے نہیں کیا کیونکہ اس دعوے کے لوازم و شرائط جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی ایمان ہے اس دعوے سے روک دیتی ہیں۔ اور تمام حدیثوں کی صحیح کتابیں جن کی صحت پر ہر زمانے کے علمائے شرق و غرب کا اتفاق قرنا بعد قرن چلا آرہا ہے اُن کو اس دعوے میں کاذب بتا رہی ہیں تو اب اُن کو بغیر اسکے کہ ان کتابوں پر حملہ کریں کوئی مفر نہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت کہ مرزا صاحب کی خاطر سے اپنی معتمد علیہ کتابوں کو جھوٹی اور اپنے سلف صالح اور متفق علیہ علمائے متقدمین و متاخرین کو جاہل اور غیر متدین ٹھہرا دعائی مسیح کو مان لیں۔ بہرحال یہ اکیس ۲۱ علامتیں جن کو نواس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے اور تمام امت نے اُس کی تصدیق کی ہے باواز بلند کہہ رہی ہیں کہ مرزا صاحب کا دعوے عیسویت بلاشک و شبہ بے اصل محض ہے اور وہ زبردستی اپنے کو مسیح بنا رہے ہیں اور اُس کا کچھ خوف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کیا فرمایا ہے امام سیوطیؒ نے

البدور السافرة فی احوال الآخرة کے صفحہ (۲۱۱) میں یہ حدیث نقل کی ہے اخرج الشیخان
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ادعی مالیس لہ فلیس منا ولیتبوأ مقعدہ من النار یعنی بخاری
وسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسی بات کا دعوے
کرے جو اُسکو حاصل نہیں وہ ہم لوگوں میں یعنی مسلمان نہیں۔ چاہئیے کہ وہ اپنا گھر
دوزخ میں بنالے انتہے۔

اس مقام میں فلسفی خیال والوں کو مرزا صاحب کی تقریر بہت مفید ہوگی اور ضعیف الایمان
ان کی بات کو بآسانی قبول کرلینگے اس وجہ سے کہ امور مذکورہ کو معمولی عقلیں قبول
نہیں کرسکتیں۔ مثلاً چالیس سال کا ایک دن ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس میں
شک نہیں کہ ایمان کے موانع بہت ہیں اسی وجہ سے اہل ایمان جو مستحق جنت ہیں
دوزخیوں کی نسبت ہزاروں حصہ ہونگے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لیکن
انصاف سے اگر دیکھا جائے تو کوئی بات بھی اُن میں خلاف عقل نہیں اس لئے
کہ خدائے تعالے جو خالق عالم ہے اُس میں ہر طرح تصرف کرسکتا ہے۔ اس میں کسی
مسلمان کو شبہ نہیں کہ قیامت کے روز آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے آفتاب بے نور
اور قریب ہو جائیگا اور اُس پچاس ہزار برس کے دن میں آفتاب پر کئی حالتیں طاری
ہونگی پھر اگر قیامت کے قریب اُس پر یہ حالت بھی گذرے کہ چالیس سال زمین کے
کسی خاص حصے کے مقابل ٹھیرا رہے تو کونسا محال لازم آجائیگا۔ حکمت جدیدہ کی رو سے
تو آفتاب ساکن ہی ہے اور حکمت قدیمہ کی رو سے زمین ساکن ہے بہر حال ان
دونوں کا ساکن ہونا حکما کے قول سے ثابت ہے پھر اگر ایک مدت تک دونوں
ساکن رہیں تو کونسی نئی بات ہوگئی۔ اسی پر کل امور کا قیاس کرلیجئے کیونکہ

وہ ایک ایسا زمانہ ہوگا کہ خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کو خاص طور پر ظاہر فرمائیگا اس سے بڑھکر کیا ہو کہ جتنی مخلوق ابتدائے خلقت سے مرکر مٹی میں مل گئی جن کا نام و نشان تک باقی نہ رہا سب کے سب اصلی حالت پر اٹھائی جائے گی اور اعادہ معدوم جو محال سمجھا جاتا ہے اس روز ممکن بلکہ واجب ہوگا۔ بہرحال آدمی ایمان لانا چاہے تو کوئی بات نہ خلاف عقل ہے نہ ایمان لانے سے مانع مگر یہ بات سبے توفیق آلہی حاصل نہیں ہوسکتی وما توفیقی الا باللہ

نواس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو علامات عیسے علیہ السلام کے زمانے کے معلوم ہوئیں یہ ہیں (۱۳) شام و عراق کے درمیان دجال کا نکلنا (۱۴) اس کا حلیہ (۱۵) اس کا فساد برپا کرنا۔ (۱۶) اس کی فتنہ پردازیاں (۱۷) اس کے زمانے کے ایام کی مقدار (۱۸) اُن ایام کی نمازوں کا طریقہ (۱۹) اس کی سرعت سیر (۲۰) اُس کے خوارق عادات (۲۱) عیسے علیہ السلام کا لباس و ہئیت وغیرہ (۲۲) اُن کا کافروں کو قتل کرنا (۲۳) یاجوج ماجوج کا خروج اور اُن کی کثرت (۲۴) خوردنی اشیاء کی گرانی (۲۵) یاجوج وماجوج کی موت کا حال (۲۶) پرندوں کا اُن کی لاشوں کو اٹھالیجانا (۲۷) زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش (۲۸) پیداوار کی کثرت (۲۹) مسلمانوں کی موت کا حال (۳۰) کفار کا حال (۳۱) اُن پر قیامت کا قائم ہونا (۳۲) امام مہدی کا عیسے علیہ السلام کے زمانے میں ہونا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ امام مہدی اور عیسے علیہ السلام ایک ہی شخص ہیں مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ دو شخص

ہیں اور ہر ایک کے حالات جدا جدا ہیں جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے ج ۷ نمبر (۱۹۵۸)۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تہلک امۃ انا فی اولہا وعیسیٰ ابن مریم فی آخرہا والمہدی من اہل بیتی فی وسطہا یعنی وہ امت کیونکر ہلاک ہوگی جس کے اوائل میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور وسط میں مہدی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ علیہما السلام ایک شخص نہیں ہیں۔ اور کنز العمال ج ۷ نمبر ۱۹۳۸ میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی من عترتی من ولد فاطمہ (دم عن ام سلمہ) یعنی مہدی میری اہل بیت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں ہونگے یہ روایت ابوداؤد اور مسلم میں ہے وفی کنز العمال نمبر (۱۹۵۴) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المہدی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یعنی مہدی کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا وفی کنز العمال نمبر (۱۹۵۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذالک الیوم حتیٰ یبعث فیہ رجل من اہل بیتی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا (وعن ابن مسعود) یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہجائے تب بھی حق تعالےٰ اُس دن کو دراز کر دیگا تاکہ امام مہدی آکر دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں۔ اُن کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ مہدی علیہ السلام اور ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اور۔

پھر انکو پہچاننے کے لئے حضرت نے کئی علامتیں بتلادیں تاکہ مسلمان کسی اور کو مہدی نہ سمجھ لیں کما فی کنز العمال نمبر (۱۹۴۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی اجلی الجبہۃ اقنی الانف (دک عن ابی سعید رض) وفی روایۃ صفحہ (۱۹۴۲) قال رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم وجہہ کالکوکب الدری وفی روایۃ صفحہ (۱۹۵۶) فی خدہ الایمن خال اسود علیہ عباتیان قطرتیان وفی البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان للشیخ علی المتقی رحمہ اخرج نعیم عن ابی الطفیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف المہدی فذکر تقلا فی لسانہ وفیہ ایضاً اخرج نعیم المہدی ازج ابلج اعین یجیئی من الحجاز حتے یستوی علی منبر دمشق وہو ابن ثمان عشر سنۃ۔ وفیہ ایضاً من روایۃ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ المہدی کث اللحیۃ اکحل العینیین براق الثنایا وفی وجہہ خال یعنی مہدی علیہ السلام فراخ پیشانی اور بلند بینی ہونگے ان کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکتا ہوگا۔ ان کے داہنے رخسارہ پر خال سیاہ ہوگا اور لباس ان کا دو قطرے عبا ہونگے ان کی زبان میں ثقل ہوگا۔ اور کشیدہ وکشادہ ابرو ہونگے اور فراخ چشم جب وہ حجاز سے دمشق آئینگے ان کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی دمشق کے منبر پر خطبہ پڑھینگے۔ ان کی ریش گھن ہوگی آنکھیں سرگیں اور دانت نہایت چمکدار ہونگے ان کے سوا اور بہت سی حدیثیں حلیہ وغیرہ سے متعلق وارد ہیں الغرض باوجودیکہ امام مہدی سے متعلق روایتیں بکثرت صحاح وغیرہ میں وارد ہیں اور مرزا صاحب جانتے ہیں کہ امام مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہونگے اور خود مغل ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ دوسرے کے نسب میں داخل ہونے کی کیسی وعیدیں ہیں مگر با ایں ہمہ صاف کہتے ہیں کہ میں مہدی ہوں۔

اب ان روایات کو بھی دیکھئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی عیسےٰ علیہ السلام کی امامت کرینگے عن جابر رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامۃ قال فینزل عیسےٰ بن مریم فیقول امیرہم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی البعض امراء تکرمۃ اللہ ہذہ الامۃ رواہ مسلم کذا فی المشکوٰۃ۔

یعنی فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت قیامت تک حق پر جنگ کرتی رہیگی۔ جب عیسےٰ بن مریم اتریںگے انکا امیر عیسےٰ علیہ السلام سے کہیگا آئیے نماز پڑھائیے وہ انکار کرکے کہیں گے اس امت کے امیر انہی میں سے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ خدائے تعالےٰ نے اس امت کو بزرگی دی ہے۔ اگرچہ روایت میں صرف امیر کا لفظ ہے جو عیسےٰ علیہ السلام کی امامت کرینگے مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مہدی ہونگے جیساکہ کنز العمال صفحہ (۱۹۴۹) میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم منا الذی یصلی عیسےٰ بن مریم خلفہ یعنی جس امیر کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھینگے وہ ہمارے اہل بیت میں ہوگا مرزا صاحب اگر مہدی ہیں تو ثابت کریں کہ عیسےٰ علیہ السلام نے ان کے پیچھے نماز کونسی جنگ میں پڑھی تھی۔ مختصر تذکرہ قرطبی میں امام شعرانی رحمہ نے لکھا ہے روی ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطولہ اللہ عز وجل حتےٰ یملک رجل من اہل بیتی جبل الدیلم والقسطنطنیہ واسنادہ صحیح یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدائے تعالےٰ اسی کو دراز کریگا جس میں میرے اہل بیت سے ایک شخص جبل دیلم اور قسطنطنیہ کا مالک ہو جائیگا۔ اور روایت سابقہ جو اسی مضمون کی مذکور ہوئی اُس میں نام بھی اُس شخص کا معلوم ہوا کہ وہ امام مہدی ہونگے۔ اور دوسری روایت میں مصرح ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے ساتھ ہی دجال نکلیگا جس کے مقابلے کے لئے امام مہدی جائیں گے اور عیسےٰ علیہ السلام کی امامت کا اتفاق ہوگا۔ جس کی خبر حضرت نے دی ہے کہ منا الذی یصلی عیسےٰ خلفہ روایت مذکورہ یہ ہے جو مختصر تذکرہ قرطبی میں مذکور ہے روی مسلم عن ابن ہریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال لاتقوم الساعۃ حتٰے ینزل الروم قال فیفتحون قسطنطنیہ فبینما ہم یقتسمون الغنائم اذصاح فیہم الشیطان ان المسیح قد خلفکم فیخرجون وذلک باطل فاذا جاؤا الشام خرج فبینما ہم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا قیمت الصلوۃ فینزل عیسی بن مریم الحدیث یعنی اہل اسلام قسطنطنیہ فتح کرکے تقسیم غنیمت میں مشغول ہونگے کہ شیطان پکار دیگا کہ دجال نکل آیا اگرچہ وہ بے اصل ہوگا لیکن جب وہ شام کو آئینگے تب دجال نکلیگا اور وہ صف آرائی میں مشغول ہونگے اور ادھر نماز کی جماعت قائم ہوگی کہ عیسےٰ علیہ السلام اتر آئینگے ۔ مرزا صاحب انہی احادیث کے لحاظ سے اکثر نماز میں اقتدا کیا کرتے ہیں جیسا کہ الحکم میں لکھا ہے ۔ اور کچھ نہیں تو تصور تو اُس کا ضرور جماتے ہونگے کہ میں عیسےٰ ہوں اور یہ امام مہدی ہے ۔ کیوں نہ ہو مرزا صاحب کو تصوف میں بھی دعوے ہے فنا و بقا میں خوب گفتگو کیا کرتے ہیں یہ شعر ضرور پیش نظر ہوگا

گر در دل تو گل گزرد گل باشی

مگر حیرت یہ ہے کہ یہ تصور بھی اب تک جما نہیں اس لئے کہ نماز کے بعد بیچارے امام کو مہدویت سے محروم کرکے خود مہدی بن جاتے ہیں ۔

احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ گو امام مہدی عیسےٰ علیہ السلام سے چند روز پیشتر مامور ہونگے مگر درحقیقت دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اور یہ حدیث شریف بھی اسکی خبر دیتی ہے عن معاذ ابن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمران بیت المقدس خراب یثرب وخراب یثرب خروج الملحمہ وخروج الملحمۃ فتح قسطنطنیہ وفتح قسطنطنیہ خروج الدجال رواہ ابوداؤد وکذا فی المشکوۃ یعنی بیت المقدس کی آبادی مدینے کی ویرانی ہے اور مدینے کی ویرانی ایک جنگ عظیم کی ابتدا

ہوگی اور اُس جنگ عظیم کی ابتدا قسطنطنیہ کی فتح اور فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہے
یعنی ایک دوسرے سے ایسے متصل ہیں کہ گویا سب ایک ہی ہیں اور ابھی معلوم
ہوا کہ امام مہدی قسطنطنیہ کو فتح کرتے ہی شام میں آئینگے اور عیسےٰ علیہ السلام کا نزول
ہوگا اور ابوعمر الدانی نے اپنی سنن میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلتفت المہدی وقد نزل عیسےٰ ابن مریم کانما یقطر
من شعرہ الماء فیقول المہدی تقدم وصل بالناس فیقول عیسےٰ انما اقیمت الصلوٰۃ
لک فیصلی خلف الرجل من ولدی الحدیث مولوی قاضی عبید اللہ صاحب مدراسی
نے فتوے میں یہ روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی رہ نماز
کے لئے کھڑے ہونگے کہ یکایک عیسےٰ علیہ السلام اترینگے امام مہدیؒ امامت کیلئے
اُن سے کہینگے مگر وہ قبول نہ کرینگے۔ پس عیسےٰ علیہ السلام میری اولاد سے ایک
شخص یعنی امام مہدی کے پیچھے اقتدا کرینگے اور اسی میں ہے اخرج ابونعیم عن
کعب الاحبار فاذا بعیسےٰ ابن مریم ویقام الصلوٰۃ فیرجع امام المسلمین المہدی فیقول
عیسےٰ علیہ السلام تقدم فلک اقیمت الصلوٰۃ فیصلی بہم تلک الصلوٰۃ ثم یکون
عیسےٰ اماما بعدہ اور نیز اس میں ہے اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال المہدی من
ہذہ الامۃ وہو الذی یوم عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام ماحصل ان سب روایتوں کا یہی
ہے کہ امام مہدی عیسےٰ علیہ السلام کی امامت کرینگے جس سے ظاہر ہے کہ دونوں
کا زمانہ ایک ہی ہوگا اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لا مہدی
الا عیسےٰ یعنی ہر چند ان دونوں حضرات کے حیرت انگیز وقائع جداگانہ ہیں
جن کا ذکر مختلف احادیث میں بیان فرمایا گیا لیکن زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے

جیسے فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہی سے ہے مگر چونکہ مرزا صاحب قابو جو ہیں انہوں نے اس حدیث سے یہ کام لیا کہ مہدی کو عیسٰے بنا دیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے اس قسم کا حمل عموماً کیا کرتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اور آپ ایک ہیں اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ دونوں شخص ملکر ایک ہوگئے کیونکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ دو ذاتوں کا ایک ہوجانا محال ہے۔ حضرت نے جب حسب و نسب اور احوال مختصہ ہر ایک کے بارہا بیان فرمائے جس سے تمام صحابہ مطلع اور بخوبی واقف ہوگئے کہ قبل قیامت ان دونوں حضرات کی تشریف فرمائی ضرور ہے کسی موقع میں جہاں اتصال زمانی دونوں کا بیان کرنا مقصود تھا فرمادیا کہ لا مہدی الا عیسٰے وہ بھی اس خیال سے کہ کوئی غبی ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو شخصوں کو ایک سمجھ لے پھر بھلا صحابہ جو حضرت کی بات بات کو وظیفہ اور حرز جان بناکر ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے تھے کیونکر اس سے یہ سمجھ سکتے کہ حضرت نے اُن دونوں بزرگواروں کو ایک بنا دیا۔

مرزا صاحب کی کج بحثیوں کی کوئی انتہا بھی ہے صدہا احادیث و آثار امام مہدی کی خصوصیات میں موجود ہیں جن میں چند یہاں لکھے گئے اور صدہا آیات و احادیث و آثار عیسٰے علیہ السلام کے باب میں وارد ہیں ذرا بھی احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں مگر انہوں نے ایک حدیث کو لیکر سب کو باطل کردیا اس پر اجتہاد کا بھی دعوےٰ ہے۔ اگر اجتہاد اسی کا نام ہے کہ ایک حدیث کو لیکر سب کو باطل کردیا جائے تو اتنی بات کے لئے مجتہد کی کوئی ضرورت نہیں جس عامی سے کہئے فوراً یہ کام کردیگا۔ تقریر سابق سے ظاہر ہے کہ حدیث لا مہدی الا عیسٰے

میں صرف مضاف محذوف ہے یعنی لازمان مہدی الازمان عیسے جیسے حدیث عمران
بیت المقدس خراب یثرب میں بھی لفظ زمان محذوف ہے۔ چونکہ آبادی بیت المقدس
اور ویرانی یثرب اور جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال اور ظہور امام مہدی اور
نزول عیسے علیہما السلام میں قرب واتصال زمانی ہے اس لئے حسب محاورہ سامعین
کی فہم پر اعتماد کر کے ان وقائع کو ایک دوسرے پر حمل فرما دیا مگر مرزا صاحب اسکو جائز
نہیں رکھتے اپنے دعووں میں تو مجاز و استعارات وحذف وغیرہ سے احادیث میں برابر
کام لیں مثلاً خود مجازی عیسے قادیان دمشق باقبال تو ہیں دجال۔ اور امام مہدی کے باب
میں جو کثرت سے روایتیں وارد ہیں جن کا تواتر محدثین ومحققین کی تصریح سے ثابت ہے،
ان کی صحت کے لئے مجاز لینے کی اجازت نہ ہو اس سے بڑھکر احادیث رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ اس پر دعوے ہے کہ میں عادل ہوں۔
شفاء للناس میں لکھا ہے کہ علامۂ شوکانی بعد نقل احادیث کے اپنی کتاب توضیح میں
لکھتے ہیں وجمیع ما سبقناہ بالغ حد التواتر کما لایخفی علی من لہ فضل اطلاع فتقرر بجمیع
ما سبقناہ فی ہذا الجواب ان الاحادیث الواردۃ فی المہدی المنتظر متواترۃ۔ اب حدیث
لامہدی الا عیسے کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جس سے صحیح صحیح روایتیں مرزا صاحب
باطل کر رہے ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے کما قال حدثنا یونس بن عبد الاعلی ثنا محمد
بن ادریس الشافعی حدثنی محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح عن الحسن عن انس بن
مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزداد الامر الا شدۃ ولا الدنیا الا ادبارا
ولا الناس الا شحا ولا تقوم الساعۃ الا علی شرار الناس و لا مہدی الا عیسے ابن مریم
امام سیوطی رح نے مصباح الزجاجہ میں اس روایت سے متعلق ایک نہایت مبسوط تقریر

لکھی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جملہ لا مہدی الا عیسٰے سوائے یونس کے
اور کسی نے زیادہ نہیں کیا۔ اور یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ یونس نے امام شافعیؒ سے اُسکو نہیں سنا
اس وجہ سے یہ حدیث منقطع ہے۔ اور یہ روایت صرف محمد بن خالد سے مروی ہے اور
محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہیں اُن کی عدالت ثابت نہیں
اور ابان بن صالح کی نسبت کہا گیا ہے کہ انہوں نے حسن سے کوئی حدیث سنی نہیں ۔
ابوالحسن علی بن محمد ابن عبد اللہ الواسطی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا وہ
فرماتے ہیں کہ یونس نے جو مہدی کے باب میں مجھسے روایت بیان کی ہے وہ جھوٹ ہے
نہ میں نے وہ روایت کی نہ اُس سے بیان کیا۔ الحاصل روایت لا مہدی الا عیسٰے اکابر محدثین کے
نزدیک کئی طرح سے مخدوش ہے مگر مرزا صاحب کو اُس سے کیا غرض اُن کو کیسی ہی ضعیف
منکر منقطع مجہول مخدوش روایت مل جائے بشرطیکہ مفید مطلب ہو اُس پر بڑی دھوم دھام
سے استدلال کرتے ہیں اور جو روایت اُن کے حق میں مضر ہوتی ہے اگر بخاری و مسلم میں
بھی ہو تو اقسام کے احتمال قائم کر کے ساقط الاعتبار بنا دیتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۱۸) میں لکھتے ہیں کہ یہ خیال بالکل فضول اور مہمل
معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو جسکو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت
اُس کے کے مسیح ابن مریم کہنا چاہیئے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اُس کے ساتھ کسی
دوسرے مہدی کا آنا بھی ضرور ہو کیا وہ خود مہدی نہیں ہے کیا وہ خدا کی طرف سے ہدایت
پا کر نہیں آیا۔ ابن ماجہ نے اپنی صحیح میں لکھا ہے لا مہدی الا عیسٰے یعنی بجز عیسٰے کے
اُس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔
مطلب اس کا یہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مسیح کے رنگ والا

شخص یعنی قادیانی موجود ہونے کے بعد پھر مہدی کی کیا ضرورت) کمال زجر سے فرمایا لا مہدی الا عیسٰے یعنی مہدی اُس وقت کوئی چیز نہیں وہی قادیانی بس ہے وہی مہدی ہے۔ مگر یہ بات غور طلب ہے کہ صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو پوچھکر اُسکو صاف کرلیا کرتے تھے اس موقع میں ضرور تھا کہ کمال ادب سے عرض کرتے کہ حضرت مہدی کا ذکر تو نہ قرآن میں ہے نہ توراۃ و انجیل وغیرہ میں نہ ہمنے کسی سے سُنا کہ مہدی بھی کوئی آدمی ہوگا پھر یہ جو بطور عتاب ارشاد ہو رہا ہے کہ مہدی کوئی چیز نہیں اس کا سبب معلوم نہ ہوا کس نے عرض کی کہ مہدی بھی کوئی چیز ہے۔ اور اگر انہوں نے حضرت سے امام مہدی کا ذکر اور انکا حسب ونسب وحلیہ وغیرہ سنا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو عرض کرتے کہ جس مہدی موعود کا بارہا ذکر فرمایا کیا اب اُن کی ضرورت نہ رہی اور جب عیسٰی ہی مہدی ٹھیرے تو کیا وہ حضرت ہی کی اولاد میں ہونگے اب تک تو ہم قرآن اور حضرت کے ارشاد سے عیسٰے ابن مریم کو نبی بنی اسرائیل سمجھتے تھے۔ اب اُن کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے کیا وہ سچ مچ عیسٰے ابن مریم ہونگے یا جس طرح مہدی کی نفی فرمادی گئی اُن کی بھی نفی مطلوب ہے۔ مگر کسی حدیث میں اس قسم کا سوال مذکور نہیں۔ اب یہ مضمون کس طرح اس حدیث سے نکالا جائے کہ قادیانی کے وقت میں مہدی کوئی چیز نہ ہونگے اور قادیانی ہی مہدی ہونگے۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب جو اس حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کس قدر بدنما ہیں۔

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ بجز عیسٰے کے اس وقت کوئی مہدی یعنی ہدایت یافتہ

نہ ہوگا اس میں بھی ان کو غلطی ہوئی اس لئے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسے علیہ السلام کے زمانے میں صرف اسلام ہی اسلام رہ جائیگا جس سے ظاہر ہے کہ کل ہدایت یافتہ ہونگے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کل مہدی یعنی محمد ابن عبد اللہ ہوں کلام اسمیں ہے کہ مہدی موعود عیسے علیہ السلام نہیں البتہ معنی لغوی اُن پر صادق آئینگے جس میں اُن کی خصوصیت نہیں۔

مرزا صاحب نے مہدی کو کلی قرار دی ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۱۹) میں لکھتے ہیں یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آئیں اور ممکن ہے کہ امام محمدیہ کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے اُس کا ثبوت پایا نہیں جاتا ۔" مقصود یہ کہ مہدی اسلام میں متعدد ہونگے مگر جس صورت میں حدیث لامہدی ظاہری معنی پر لی جائے جس کے مرزا صاحب قائل ہیں تو اُس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ محمد ابن عبد اللہ بھی مہدی یعنے ہدایت یافتہ نہیں جن کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکرات و مرات بیان فرمایا پھر مرزا صاحب کا اقرار مہدیوں کے تعدد میں کیونکر صحیح ہوگا۔

مرزا صاحب نے مہدی سے پیچھا چھوڑانے میں بڑی دقتیں اُٹھائیں مگر اس زمانے میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کسی کا نام مہدی رکھدیا جاتا یا اس نام کا کوئی شخص تلاش کرلیا جاتا تو بھی کام چل جاتا آخر قدما نے فرشتے بنا لئے تھے اور اسی پر اُن کی کامیابی ہوگئی جیساکہ تومرت کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

مرزا صاحب نے حدیث لامہدی الا عیسے کو ابن ماجہ میں تلاش تو کرلی مگر وہیں ایک حدیث اور بھی موجود تھی کاش اُس پر بھی اُن کی نظر پڑ جاتی اور اُس کے معنی بھی

بیان فرما دیتے جس سے ناظرین کو دوبالا لطف آتا مگر اسکو انہوں نے اگر دیکھا بھی ہے تو نظر انداز کیا اس لئے کہ وہ تو مہدی کے ساتھ اس زمانے کے عیسیٰ کو بھی رخصت کر رہے ہیں

وہ حدیث یہ ہے عن ابی امامۃ الباہلی رض قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اکثر خطبتہ حدیثا حدثناہ عن الدجال - قال وامامہم رجل صالح فبینما امامہم قد تقدم یصلی لہم الصبح اذ نزل علیہم عیسیٰ ابن مریم الصبح فرجع ذالک الامام یمشی القہقری لیستقدم عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ یدہ بین کتفیہ ثم یقول لہ تقدم فصل فانہا لک اقیمت فیصلی بہم امامہم فاذا انصرف قال عیسیٰ علیہ السلام افتحوا الباب فیفتح ووراءہ الدجال معہ سبعون الف یہودی کلہم ذوسیف محلی وشاح فاذا نظر الیہ دجال ذاب کما یذوب الملح فی الماء وینطلق ہاربا ویقول عیسیٰ علیہ السلام ان لی فیک ضربۃ لن تسبقنی بہا فیدرکہ عند باب اللد الشرقی فیقتلہ فیہزم اللہ الیہود فلا یبقی شئی مما خلق اللہ یتواری بہ الیہود الا انطق اللہ ذالک الشئی لا الحجر ولا الشجر ولا الدابۃ الا الغرقد فانہا من شجرہم لا ینطق الا قال یا عبد اللہ المسلم ہذا یہودی فتعال اقتلہ رواہ ابن ماجہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اکثر دجال ہی کا حال بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ دجال کے مقابل ہونگے ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا صبح کی نماز پڑھانے کے لئے وہ آگے بڑھے گا کہ عیسیٰ ابن مریم اتر آئینگے امام پیچھے ہٹیگا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں مگر وہ کہینگے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ چنانچہ وہ نماز پڑھائیگا بعد فراغ عیسیٰ کہینگے دروازہ کھولو اُس وقت دجال ستر ہزار یہود کے ساتھ وہاں موجود ہوگا جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھیگا تو کمال اضمحلال کی حالت میں بھاگے گا عیسیٰ علیہ السلام کہینگے تو مجھ سے بھاگ نہیں سکتا ایک وار میرا تجھمیں ضرور ہوگا چنانچہ اُس کا پیچھا کر کے لد کے شرقی

دروازہ کے پاس اُس کو قتل کرینگے اور خدائے تعالےٰ یہودیوں کو ہزیمت دیگا اور کیفیت یہ ہوگی کہ جس چیز کے پیچھے کوئی یہودی چھپیگا خواہ وہ پتھر ہو یا جھاڑ یا دیوار یا جانور وہ چیز بآواز بلند کہیگی کہ اے خدا کے بندے مسلمان یہاں یہودی چھپا ہے آ اُسکو قتل کرڈال۔ صرف غرقد کا جھاڑ خبر نہ دیگا کیونکہ وہ انہیں کا ہے"۔

اب مرزا صاحب ہی بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے جو دجال کے مقابل ہو گئے تھے اور اُن کا کون امام تھا جس کی توصیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور کونسی صبح کی نماز کے لئے وہ کھڑا تھا جو مرزا صاحب اتر آئے اور اُس کے پیچھے نماز پڑھی۔ اور کونسی مسجد کا دروازہ کھولنے کو کہا جس کے پاس دجال ستر ہزار مسلح یہود کو لیکر کھڑا تھا اور کس کے پیچھے دوڑ کر مرزا صاحب نے لد کے دروازہ پر قتل کرڈالا اور کون سے یہودیوں کو ہزیمت ہوئی اور سب مارے گئے۔ اور کس روز مرزا صاحب اور اُن کے ہمراہی سے حجر و شجر نے باتیں کیں۔

یوں تو مرزا صاحب مسلمانوں کو یہود قرار دے ہی چکے ہیں کہدینگے کہ میں نے ان کو ہزیمت دی مگر وہ خلاف واقع ہے اس لئے کہ کئی وقائع سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرزا صاحب ہی کو ہزیمت ہوا کی۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے دجال کو قتل کریں اگر دل سے نہیں تو زبان سے اُس کے مدح خوان اور شکر گذار اور دعا گو ہیں کیونکہ دجال انہوں نے با اقبال قوموں کو قرار دیا ہے جن میں اعلیٰ درجے کی گورنمنٹ برطانیہ ہے۔

اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۰۹) میں گورنمنٹ کی کمال درجہ کی شکر گذاری اور دعا گوئی میں اپنی مصروفی اور مشغولی ظاہر کرتے ہیں۔

ب مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۷۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث نبویہ کا لب لباب

یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانے میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کروگے تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسٰے بن مریم آئیگا یعنی تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو تم میں ہی عیسٰے ابن مریم کسی کو بناکر تمہاری طرف بھیجونگا اور جب تم اشد سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق تھیر جاؤ گے تو محمد ابن عبد اللہ ظہور کریگا جو مہدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونو وعدے کہ محمد ابن عبد اللہ آئیگا یا عیسٰے بن مریم آئیگا دراصل اپنی مراد و مطلب میں ہمشکل ہیں۔ محمد ابن عبد اللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائیگی جو اپنی درستی کے لئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اُس وقت کوئی شخص مثیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوکر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اُس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہو بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک اُس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثیل بنکر آئیگا"

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اہل اسلام احادیث کو دیکھکر اس بات پر اڑینگے کہ امام مہدیؑ جن کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا اور اُن کی وہ علامتیں ہونگی جو احادیث میں مصرح ہیں ان کا وجود ضروری ہے اس لئے انہوں نے تقریر سابق میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ممکن ہے کہ کئی مہدی آئے ہوں اور امام محمد بھی آجائیں نہ اُن کے وجود سے غرض ہے نہ عدم سے مطلب ہمیں اپنی عیسویت سے کام ہے۔ اس میں صرف ابلہ فریبی مقصود تھی ورنہ اُن کا مقصود اصلی تو یہ ہے کہ وہ صرف عیسٰے ہی نہیں بلکہ مہدی بھی ہیں انہوں نے دیکھا کہ جہلا تو سب کچھ مان لینگے مگر علما سے پیچھا چھوڑانا مشکل ہے اس لئے یہ راہ گریز بنا رکھی کہ ہم نے تو مہدی کے

آنے کا بھی اقرار کر لیا ہے پھر اپنی عیسویت کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ جو لوگ یہودی بن گئے تھے اُن کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور مہدویت کا یہ ثبوت کہ لوگ سیاست کے قابل ہو گئے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل بنکر آئے ہیں اور مہدی ہیں۔ ہر چند اس مقام میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر یہ تو کہدیا کہ اُس وقت کوئی شخص مثیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو کر ظاہر ہوگا جو مہدی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اُس کا نام بھی محمد ابن عبداللہ ہو۔ اور براہین احمدیہ اور ازالۃ الاوہام میں بکرات و مرات لکھ چکے ہیں کہ میں مثیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوں بلکہ دعوے یہ ہے کہ بروزی طور پر حضرت ہی تشریف فرما ہوئے ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اس قول سے بھی ظاہر ہے جو ابھی نقل کیا گیا کہ ایسا شخص جس کو مسیح کہنا چاہیئے کیا وہ مہدی نہیں۔ لیجئے خود ہی عیسٰے بھی ہو گئے اور خود ہی مہدی بھی ہیں اور جتنی حدیثیں امام مہدی کے حسب و نسب وغیرہ خصوصیات کی تھیں سب بیکار ہو گئیں اور مرزا صاحب کا قول سب کا ناسخ اُن کی امت نے تسلیم کر لیا۔

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب جن یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے انکی اصلاح کی یا اُن کو یہودی بنا دیا۔ یہود جو گمراہ سمجھے گئے تھے آخر اُس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کے ارشادوں کو چھوڑ کر اوروں کی باتوں کو مان لیا تھا جو اپنے دل سے تراش کر ان کو فتوے دیا کرتے تھے مرزا صاحب کا گروہ بھی یہی کر رہا ہے مرزا صاحب کے قول کے مقابلہ میں وہ کسی حدیث کو نہیں مانتے اور جن کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں اُن کی باتوں کو قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی سرکشی اور شرارت ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے نہایت سچ اور بالکل حسب حال فرمایا کہ بہت سے

لوگ یہودی بن گئے اور اُن کی سیاست کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وان یروا سبیل الرشد لایتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا یعنی اُن گمراہوں کی یہ حالت ہے کہ ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اسکو راستہ بنا لیتے ہیں"

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۰۱) میں حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے ایک امتی لوگو پیدا ہوگا یہانتک کہ بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام بخاری صاحب امامکم منکم کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے العاقل یکفیہ الاشارہ سبحان اللہ امام بخاری کے فرضی اشارہ پر تو اس قدر توجہ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً جو فرمایا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی امامت جو شخص کرینگے وہ ہمارے اہلبیت سے ہونگے اُس کا ذکر تک نہیں۔ اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوتیں توجب بھی اُن کے ابطال کا کوئی حق نہ تھا اس لئے کہ ان کا موضوع ہونا ثابت نہیں چہ جائیکہ وہ احادیث مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ مقصود مرزا صاحب کا یہ ہے کہ امامکم منکم کا جملہ علیحدہ ہے اور اس میں لفظ ہو محذوف ہے اور ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ واو وامامکم میں حرف تفسیر ہے جیسا کہ تلک آیات الکتاب وقرآن میں۔ غرض کہ دو توجیہیں کیں ایک یہ کہ وامامکم جملہ مستانفہ ہے بحذف مبتدا اور دوسری یہ کہ جزو جملہ ہے جو نزل کے فاعل کی تفسیر واقع ہوا ہے مگر امام بخاری نے ان دونوں توجیہوں سے ایک کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ کس لفظ سے امام بخاری رہنے والے

اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے بیان کرتے مگر چونکہ امام بخاری پر یہ افترا ہے اس لئے بیان نہ کرسکے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خدا اور رسول پر اُن کا افترا کرنا ثابت ہے پھر بخاری کیا چیز ہیں محدثین کے نزدیک مسلم ہے کہ الحدیث تفسیر الحدیث یعنی کسی حدیث کے معنی میں تردد ہو تو دوسری حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں دیکھی جائیں اور اُس کے وہی معنی لئے جائیں جو دوسری حدیثوں سے مستفاد ہوں جب ہم صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اترینگے تو مسلمانوں کا امام اُن سے درخواست امامت کریگا اور وہ قبول نہ کرینگے جس سے ظاہر ہے کہ وہ امام اور عیسیٰ علیہما السلام دو شخص ہونگے تو اُن احادیث کے لحاظ سے ہمیں ضرور ہوا کہ اس حدیث بخاری کے وہی معنی لیں جو اُن صحیح حدیثوں سے مستفاد ہیں اس لئے واماکم منکم میں واؤ حالیہ لیا گیا جسپر تمام علماء کا اجماع ہے اور اس کی صدہا نظیریں قرآن وحدیث میں موجود ہیں جن کو ہر طالب علم جانتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس واؤ کے جو معنی لئے ہیں ابتک کسی عالم نے نہیں لکھا صرف مرزا صاحب خودغرضی سے یہ معنی تراش رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر تکلف کرکے یہ معنی لئے جاہیں تو دوسری احادیث میں عیسےٰ علیہ السلام اور امام میں مغائرت بالتصریح ثابت ہے وہ حدیثیں جھوٹی ثابت ہونگی اور کتب صحاح ساقط الاعتبار ہوجائنگی ع بدوزد طمع دیدۂ ہوشمند اب دیکھئے کہ اس حدیث کے معنی جو وہ بتلاتے ہیں کہ عیسےٰ ابن مریم تمہیں میں سے ایک شخص ہوگا ظاہر ہے کہ غلط ہیں اس لئے کہ ہر مسلمان جانتا ہے اور صحابہ ہمیشہ قرآن وحدیث میں سنتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اگر ذرا بھی احتمال اس معنی کا ہوتا تو صحابہ پوچھ لیتے کہ حضرت عیسےٰ ابن مریم تو بنی اسرائیل ہیں اُن کی نسبت منکم کا ارشاد کیسا ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی ثابت نہیں کرسکتے کہ عیسےٰ ابن مریم جو حضرت

سے فرمایا اُس سے مراد وہ شخص ہے جو اس امت سے ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں روایت ہے فاذا جاؤا الشام خرج فبینما یعدون القتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰۃ فینزل عیسے ابن مریم صلی اللہ علیہ وسلم فامہم فاذا راٰہ عدو اللہ ذاب کما یذوب الملح فی الماء اس سے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام جب اتریںگے تو امامت کرینگے۔ مگر جب دوسری متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السلام امامت نہ کرینگے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہ ہوگا جو ظاہرا سمجھا جاتا ہے۔ البتہ لفظ امہم سے وہ شبہ پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ نماز ہی کی امامت کے واسطے موضوع نہیں بلکہ پیش روی کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو وہ شبہ رفع ہوجاتا ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے والامام بمعنی المقدم وفلان یؤم القوم یقدمہم وقال ابوبکر معنی قولہم یؤم القوم ای یتقدمہم اخذ من الامام یقال فلان امام القوم معناہ ہو المتقدم لہم ویکون الامام رئیسا کقولک امام المسلمین اور منتہی الارب میں لکھا ہے وامہم امامۃ وام بہم امام وپیش روایشاں شد اس صورت میں مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ عیسٰے علیہ السلام اتریںگے اور دجال کے مقابلے کے واسطے پیش رو ہونگے۔ اور اس پر قرینہ بھی یہ ہے کہ فامہم کے ساتھ فاذا راٰہ عدو اللہ ذاب متصل ہے یعنی جب مسلمانوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش میں سب سے آگے عیسٰے علیہ السلام کو دجال اپنے مقابلہ میں دیکھیگا تو گل جائیگا اس سے ظاہر ہے کہ اُن کو پیش رو لشکر دیکھیگا ورنہ مسجد میں دیکھنے کا اسکو کوئی موقع نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مسجد کا دروازہ نماز کے وقت بند ہوگا یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کرینگے کہ فینزل عیسٰے علیہ السلام فامہم سے ظاہرا امامت نماز معلوم ہوتی ہے مگر اُس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہے اور جو مذکور ہوا وہ بھی احتمال ہے جس پر قرینہ بھی

موجود اور لفظ بھی مساعد ہے اور دوسری احادیث بھی اُسکی مؤید ہیں۔ بہت ہوگا تو تعارض کی وجہ سے دونوں احتمال ساقط ہونگے مگر اس سے ہماری مقصود میں کوئی نقصان نہیں آتا کیونکہ دوسری حدیثیں صحیح صحیح بجائے خود بحال ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ عیسٰے علیہ السلام امیر المومنین کی اقتدا کرینگے۔ اس توجیہ پر اتنی بات باقی رہ جائیگی کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس وقت امامت کون کرینگے۔ مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف میں کس قدر محذوفات ہیں۔ مثلاً واذا الارض مدت والقت مافیہا وتخلت واذنت لربہا وحقت یا ایہا الانسان الایہ میں جزا محذوف ہے جسکی نظیریں بکثرت موجود ہیں اسی طرح قصص میں کہیں پورا قصہ ذکر کیا گیا اور کہیں اختصار کیا گیا جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام مانشاء الیٰ اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا اور دوسری جگہ ارشاد ہے قولہ تعالےٰ ہو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم یخرجکم طفلا دیکھئے آیۂ سابقہ میں ارشاد ہے کہ نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ سے طفل بنایا جاتا ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ علقہ سے طفل بنایا جاتا ہے یعنی اس آیت میں مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ ترک کر دیا گیا۔ اسی طور پر احادیث میں بھی کہیں پورا واقعہ مذکور ہوتا ہے اور کہیں بالاختصار۔ اور عقل و تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ جب آدمی متعدد مجلسوں میں کسی واقعہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کا التزام نہیں کرتا کہ من اولہ الی آخرہ پورا واقعہ بیان کر دے۔ بلکہ بحسب ضرورت مقام اور اقتضائے حال کمی و زیادتی ہو جاتی ہے۔ اسی طور پر اس حدیث شریف میں

نماز کی امامت کا ذکر ترک کر دیا جو بارہا مختلف حدیثوں میں بیان فرما دیا ہے اس موقع میں مقصود اسیقدر تھا کہ عیسےٰ علیہ السلام اُس لشکر کے آگے رہینگے جن کو دیکھکر دجال مضمحل ہوگا مرزا صاحب اس حدیث کو اپنے پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں معلوم نہیں وہ کیونکر ہوسکیگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں اسے مسلمانو اُس روز تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسےٰ ابن مریم آسمان سے اترینگے اور تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔ اس قسم کی بات ایسے موقع میں کہی جائے تو زیبا ہے کہ کوئی بڑی بات کا وقوع ہو مثلاً عیسےٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی جن کی جگہ جگہ قرآن شریف میں تعریف و توصیف ہے آسمان سے اتریں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کہلائیں اور خود امامت بھی نہ کریں بلکہ ایک امتی کی اقتدا کریں۔ البتہ یہ کمال افتخار اور خوشی کی بات ہوگی اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کا مقتضائے طبع ہے کہ جب کوئی جلیل القدر شخص اپنے کسی بزرگ مثلاً باپ یا مرشد کا تابع ہوکر اپنے حلقہ میں شریک ہوتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا اسی بنا پر حضرت فرماتے ہیں کہ اُس روز کیا حالت ہوگی جب تمہارے ساتھ آں جلالت شان عیسےٰ علیہ السلام شریک حال ہونگے فی الواقع جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال درجے کی محبت ہے ان کی اس وقت عجیب حالت ہوگی اسی وجہ سے ارشاد ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔

اگر اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ اُس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ایک پنجابی تم میں اتریگا اور تمہاری امامت کریگا۔ اس میں تو کوئی خوشی کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بات اس قابل ہے کہ عرب اُس کو بہت برا سمجھیں

مگر اس لحاظ سے کہ وہ ایک مہمان ہوگا جو (اذا انزل) سے سمجھا گیا ہے چنداں ملال کے قابل بھی نہیں۔ بہر حال ایک پنجابی شخص کا کسی نماز میں امامت کرنا نہ کوئی خوشی کی بات ہے نہ غمی کی۔ پھر کیف انتم سے اس واقعہ کی عظمت بیان کرنا کس قدر شان بلاغت وفصاحت سے دور ہے۔ درباطن یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حملہ ہے کہ ایسے خفیف خفیف امور کو حضرت عظیم الشان سمجھتے تھے۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس شخص میں عیسےٰ علیہ السلام کے کمالات ہونگے جب بھی بقول مرزا صاحب وہ کمال ہی کیا دارومدار اُن کے معجزوں کا مسمریزم تھا جسکو خود مرزا صاحب قابل نفرت سمجھتے ہیں ایسے قابل نفرت شخص کی امامت کوئی وقعت کی بات نہیں ہوسکتی اب رہا یہ کہ احیاء اموات وغیرہ سے ہدایت مراد لی جائے تو وہ بھی کوئی نئی بات نہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرماکر حضرت نے ہر ایک عالم متدین کو انبیائے بنی اسرائیل کا مثیل قرار دیا جن میں موسےٰ اور عیسےٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

(۳۳) امام مہدی جو عیسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہونگے وہ خاندان اہل بیت کرام سے ہونگے جن کا حلیہ بھی بتلادیا گیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

(۳۴) اٹھارہ سال کی عمر میں امام مہدیؑ دمشق میں جاکر خطبہ پڑھینگے جیسا کہ معلوم ہوا۔

(۳۵) امام مہدیؑ قسطنطنیہ فتح کرینگے اور ساتھ ہی دجال نکلیگا کما مر۔

(۳۶) امیر المومنینؑ عیسےٰ علیہ السلام کو امامت کے لئے کہینگے مگر وہ اس پر راضی نہ ہونگے

(۳۷) عیسیٰ علیہ السلام نماز کے بعد مسجد کا دروازہ کھلوادینگے اور اس وقت دجال وہاں موجود ہوگا کما مر

(۳۸) دجال کے ساتھ ستر ہزار یہود ہونگے اور سب بھاگینگے کما مر۔

(۳۹) پتھر جھاڑ وغیرہ یہودیوں کی نشاندھی کرینگے تاکہ اہل اسلام اُن کو قتل کرڈالیں کما مر

(۴۷) امام مہدی کی تائید کے لئے حارث کا خراسان کی طرف سے نکلنا جیساکہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ الحارث حراث علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور یوطن او یمکن لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما مکنت قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجب علی کل مومن نصرہ او قال اجابتہ رواہ ابو داؤد یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماوراء النہر سے ایک شخص نکلیگا جس کا نام حارث ہوگا جس کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص منصور نام ہوگا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ایسی مدد دیگا جیسے قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی تھی ہر مسلمان پر اُس کی مدد واجب ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رایتم الرایات السود جاءت من قبل خراسان فاتوہا فان فیہا خلیفۃ اللہ المہدی رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ۔

از شرح رسالۂ قیامت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی مولفۂ مولانا کرامت علی صاحب محدث دہلوی یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم دیکھو کہ سیاہ نشان خراسان کی طرف سے آرہے ہیں تو اُن لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ اس لئے کہ اُن میں مہدی خلیفۃ اللہ ہونگے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ حارث امام مہدی کی مدد کے لئے خراسان کی طرف سے فوج لیکر نکلیگا اور امام مہدی بھی اُس کے ساتھ ہونگے ان روایتوں میں کئی امور مذکور ہیں

(۱) حارث کا خروج۔

(۲) اس کا مقام خروج ماوراء النہر ہوگا۔

(۳) اُس کی فوج کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا۔

(۴) غرض اُس کی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوگی۔

(۵) امام مہدی بھی اُس فوج میں موجود ہونگے۔

(۶) ہر شخص پر واجب ہوگا کہ اُن کی مدد کرے۔

امر اول کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ حارث میں ہوں چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں انگریزی سلطنت میں تین گانوں تعلقداری اور ملکیت قادیان کا حصہ جدی والد مرحوم کو ملے جو اب تک ہیں اور حارث کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی ہیں "

مرزا صاحب اپنی زمینداری سے یہاں یہ کام لینا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق بنیں اور اُس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ حارث مذکور ہے اور حارث زمیندار کو کہتے ہیں اور میں زمیندار ہوں۔

حارث کے معنے جو زمیندار کے بتلا رہے ہیں اُس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا انھیں مقصود ہے۔ کیونکہ کتب لغت میں مصرح ہے کہ حارث کسان کو کہتے ہیں۔ اور اگر بالفرض وہ کسان بھی قرار دئے جائیں جب بھی اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یخرج رجل حارث بلکہ یہ فرمایا رجل یقال لہ الحارث جس سے ظاہر ہے کہ اُس شخص کا نام حارث ہوگا کیونکہ یقال لہ اعلام کے مقام میں کہا جاتا ہے جیسا کہ یہ حدیث اس پر شہادت دے رہی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یذہب اللیل والنہار حتے یملک رجل من الموالی یقال لہ الجہجاہ رواہ الترمذی غیاث اللغات میں لکھا ہے حارث اسد و شیر درندہ و بمعنی زراعت کنندہ و مزارع و نام ابن ہشام کہ از صنادید عرب بود " ظاہر ہے کہ یہ تینوں معنی مرزا صاحب پر صادق نہیں اگر حارث زمیندار کو کہنا صحیح ہو تو بادشاہ پر بطریق اولے یہ لفظ صادق آئیگا حالانکہ کسی کتاب میں وہ اس کی تصریح نہیں بتا سکتے۔ بہر حال لفظ حارث کے مصداق

وہ کسی طرح بن نہیں سکتے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث میں ایک اور تصرف کیا ہے کہ (یقال لہ الحارث حراث علی مقدمتہ رجل) کا مطلب یہ بتایا کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلیگا جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۹) میں فرماتے ہیں کہ اب وہ حدیث جو ابو داؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ناظرین کے سامنے پیش کرکے میں اُس کے مصداق کی طرف توجہ دلاتا ہوں سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنے حراث ماوراء النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلیگا اور آل رسول کو تقویت دیگا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھپر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیشگوئی اور مسیح کی پیشگوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیشگوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے اب دیکھئے کہ اُن کا یہ قول کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلیگا کسی طرح صحیح ہوگا۔ اگر تفسیر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حارث مفرد ہے اور حراث جمع ہے مفرد کی تفسیر جمع کے ساتھ صحیح نہیں۔ اور اگر جمع کا لحاظ کیا جائے تو من تبعیضیہ کی ضرورت ہے مگر مضاف الیہ حراث کا جو ماوراء النہر کو بتا رہے ہیں وہ خود مضاف سے بھی کئی درجے اوپر ہے مضاف الیہ کے تحت میں کیونکر آسکے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ مرزا صاحب کے کئی درجہ اوپر کے جد بزرگوار ماوراء النہر سے نکلے اور حارث مرزا صاحب بن رہے ہیں تو یہ توجیہ بن سکتی ہے مگر کلام یہاں عبارت حدیث میں ہے کہ آیا نحو کی ترکیب بھی اُس کو اجازت دیتی ہے یا نہیں سوادنے درجہ کا طالب علم بھی سمجھتا ہے کہ وہ درست نہیں کیونکہ (یخرج رجل من وراء النہر یقال لہ الحارث حراث علی مقدمتہ رجل) کے معنے یخرج رجل یقال لہ الحارث ای من حراث ماوراء النہر سمجھنا کسی نحوی کا کام نہیں۔ مرزا صاحب

کی امت تو خوش ہوتی ہو گی کہ مرزا صاحب نے حدیثوں کے ساتھ نحو کو بھی باطل کر دیا مگر
اہل علم کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ اس دورہ میں علوم کی تباہی ہو رہی ہے۔
اس کی ضرورت اُن کو اس وجہ سے ہوی کہ حدیث شریف میں حارث کی مدد کرنے کا
حکم ہے انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح حارث بن جائیں تو ہر طرف سے مال آنے لگ جائیگا
جو لوگ علم سے ناواقف تھے ان کو ترکیب نحوی سے کیا غرض انہوں نے مرزا صاحب کے
اعتبار پر ایک حارث ہی کیا مہدی مسیح موعود نبی رسول اور خدا کی اولاد کے برابر بھی مان
لیا اور مرزا صاحب نے فوراً چندوں کی فہرست پیش کر دی چنانچہ اسی تقریر کے ضمن
صفحہ (۱۰۰) میں لکھتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عظیم الشان سلسلہ
اُس حارث کے سپرد کیا جائیگا جس میں قوم کے امداد کی ضرورت ہوگی جیسا کہ ہم
فتح اسلام میں اس سلسلہ کی پانچوں شاخوں کا مفصل ذکر کر آئے ہیں۔ اور نیز
اس جگہ بھی یہی اشارۃً سمجھا گیا ہے کہ وہ حارث بادشاہوں یا امیروں میں سے
نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے۔ اور اس تاکید شدید کرنے سے
اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس حارث کے ظہور کے وقت جو مثیل مسیح ہونیکا
دعوے کریگا لوگ امتحان میں پڑ جائینگے اور بہتیرے اُن میں سے مخالفت پر کھڑے
ہونگے اور مدد دینے سے رکیں گے کہ اُس کی جماعت متفرق ہو جائے اس لئے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنو تم پر اُس حارث کی مدد
واجب ہے ایسا نہو کہ کسی کے بہکانے سے اُس سعادت سے محروم رہ جاؤ اہل وجدان سلیم
سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ سب اشارات مرزا صاحب کے مفید مدعا کس صفائی سے
نکالے جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ایک اعتبار سے درست بھی ہے اسلئے کہ جناب

ایسی تدابیر نہ کی جائیں کوئی روپیہ دیتا بھی تو نہیں اور ایسا کون آدمی ہے جس کو روپیہ کی ضرورت نہ ہو خصوصاً زمینداری بلکہ موروثی شاہی خیال والوں کو تو بہت سی ضرورتیں لاحق رہتی ہیں اب اُس حدیث پر اور بھی غور کیجئے۔ ابوداؤد کے نسخوں میں یہ عبارت (الحارث الحراث) دو طور پر ہے بعض نسخوں میں حارث ابن حراث ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ حارث کے باپ کا نام حراث ہوگا اور بعض نسخوں میں حارث حراث علی مقدمتہ رجل ہے یعنی حارث ایسی حالت میں نکلیگا کہ اُس کے مقدمتہ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا اس نسخہ کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں حراث کعلام اسے امیر و عامل للحارث یعنی حراث کے معنی کارگزار اور کاسب کے ہیں چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے وفی الحدیث اصدق الاسماء الحارث لان الحارث الکاسب واحترث المال ای کسبہ والانسان لایخلومن الکسب طبعا واختیاراً۔

امر دوم یعنی حارث کا مقام خروج ماوراء النہر ہونا جو حدیث شریف میں ہے اسکی نسبت مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۲۱) میں فرماتے ہیں کہ بابر بادشاہ کے وقت میں اجداد اس نیازمند کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے ہجرت اختیار کرکے دہلی میں پہنچے انہیں شاہی خاندان سے ایسا تعلق خاص تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز تھے چنانچہ بادشاہ وقت سے پنجاب میں بہت سے دیہات جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلقدار ٹھیرائے گئے"

بابر بادشاہ کے زمانہ کو چارسو برس گذرتے ہیں اس عرصہ میں تخمیناً دس پندرہ پشت مرزا صاحب کے گذر گئے ہونگے اور جداعلے جو دہلی تشریف لائے تھے مقصود اُس سے سمرقند سے ہجرت کرکے اس غرض سے نکلنا تھا کہ بادشاہ سے کوئی دنیوی نفع حاصل

کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاگیرات وغیرہ ملیں۔ اب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ سمرقند سے یعنی ماوراء النہر سے کوئی بھی نکلے مگر حارث تو میں ہی ہوں کیونکہ الہام سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔

مرزا صاحب نے اس موقع میں حسن ظن سے بہت کام لیا ورنہ ملہم سے پوچھ لیتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرمادیا ہے کہ حارث وراء النہر سے نکلیگا اور میں تو وراء النہر کہاں پنجاب سے بھی باہر نہیں نکلا پھر حارث ہونے کا کیونکر دعوے کروں اور اگر اس حدیث کے معنی خلاف واقعہ بیان کر دوں تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا ہوگا جس کے بارے میں سخت وعید وارد ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوء مقعدہ من النار متفق علیہ یعنی جو بات حضرت نے نہیں کہی وہ حضرت کی طرف منسوب کرنا دوزخ میں ٹھکانا بنا لینا ہے۔ اس سوال کے بعد جب ملہم کوئی تشفی بخش جواب نہ دیتا اور یقیناً نہ دے سکتا تو اس پر لاحول پڑھکر سمجھ جاتے کہ یہ شیطانی الہام ہے جو مخالف حدیث ہے بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو چند دوں کی ضرورت ہے اور صبح و شام اسی کا خیال لگا رہتا ہے اس لئے جس طرح مرزا صاحب نے اپنی ذاتی تحقیق سے قاعدہ قرار دیا ہے شیطان نے موقع پاکر الہام کر دیا اور مرزا صاحب کو ضرورت کے لحاظ سے اُس کے رد کرنے کا موقع نہ ملا۔

تیسرا امر یعنی حارث کے مقدمۃ الجیش پر منصور نام سردار ہونا جو حدیث میں مذکور ہے اُس کی نسبت ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۶) میں تحریر فرماتے ہیں کہ پھر اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس کے لشکر یعنی اُس کی جماعت کا سردار و سرگروہ

ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جسکو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائیگا کیونکہ اُس کے خادمانہ ارادوں کا جو اُس کے دل میں ہونگے آپ ناصر ہوگا اس جگہ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ وجدل مراد نہیں بلکہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اُس حارث کو دی جائیگی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا"

حدیث شریف میں (علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور) مذکور ہے۔ اور لغت میں مقدمہ فوج کے اُس حصے کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے آگے رہتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حارث معمولی آدمی نہ ہوگا بلکہ لشکر جرار لیکر امام مہدی کی مدد کو نکلیگا اور ایک نامی سردار اُس کے مقدمۃ الجیش پر ہوگا۔ اور دوسری روایت میں جو اسی کی تائید میں ہے صراحۃً یہ بھی مذکور ہے کہ اُس فوج کے نشان سیاہ ہونگے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب سب کی نفی کرکے فرماتے ہیں کہ وہ ایک معمولی پنجابی آدمی ہوگا جس کے ساتھ نہ فوج ہے نہ حشم البتہ اس کے مریدوں میں ایک شخص ہوگا جسکو آسمان پر منصور پکارا جائیگا۔

مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارۃً سمجھا گیا کہ وہ حارث بادشاہ یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہوسکے غالباً اشارہ اسی سے نکالا ہوگا کہ حارث کی نصرت کا حکم ہے۔ اُنہوں نے نصرت کو چندہ میں منحصر کردیا حالانکہ چندہ دینے کا نام نصرت نہیں حق تعالے فرماتا ہے ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ کیا مرزا صاحب اس آیت کی تفسیر میں بھی یہ فرماوینگے کہ خدائے تعالے نے چندہ دیا تھا

مرزا صاحب لفظ وجیب نصرہ سے اشارۃً یہ نکالتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور امیر ہوگا اور جو صراحۃً لشکر و رایات وغیرہ مذکور ہے اُس سے انکار ہے ۔ تو رِث کے زمانے کے مسلمانوں کو آفرین کہنا چاہئیے کہ باوجودیکہ انہیں حدیثوں پر استدلال کر کے اپنی مہدویت کے ثبوت پر ایک لشکر جرار پیش کرتا ہوگا ۔ مگر جو خالص ایماندار تھے وہ نور ایمان سے اُس کی کارروائیوں پر نظر کر کے اُس کے دام میں نہ آئے برخلاف اس کے ہمارے زمانے کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ایک علامت بھی پائی نہیں جاتی مگر مرزا صاحب کے تصنیفات و تالیفات پر ایمان لا کر اُنہی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جو لوگ ان کے مکائد پر اُن کے مطلع کرتے ہیں انہی کو دشمن سمجھتے ہیں ۔

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مرزا صاحب کا لشکر تو روحانی ہے نہ جسمانی فوج ہے نہ جنگ و جدل پھر چندوں کی کیا ضرورت ایسے لطیف لشکر کی نصرت کثیف چیز سے طلب کرنا اور مال جس کا فتنہ ہونا مسلم ہے اُس کے لئے ہاتھ پھیلانا کس قدر نا مناسب اور بدنما ہے ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۵۶) میں خود فرماتے ہیں کہ مسیح دنیا میں آکر مال کو اس قدر تقسیم کریگا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائینگے یہ نہیں کہ مسیح درہم و دینار کو جو بمصداق آیت انما اموالکم و اولادکم فتنہ ہے ۔ جمع کریگا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دیکر فتنے میں ڈالیگا ۔

مرزا صاحب کا حزم و احتیاط بھی قابل دید ہے کہ مال میں دو جہتیں ہیں محمود و مذموم جب دینے کی کوئی روایت آجاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بہت مال دیں گے تو مال نہایت مذموم اور فتنہ ہو جاتا ہے کہ اگر دیا جائے تو

لوگ فتنے میں پڑینگے۔ اور لینے کا موقع آتا ہے تو نہایت محمود اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُس کے لئے دست سوال دراز کیا جائے۔ اور اُس کے دینے کی حدیثوں میں فرماتے ہیں کہ اُن سے مراد باتیں کرنا ہے۔ اور لینے کے وقت وہی خاص جسم قرار دیا جاتا ہے جس میں استعارہ اور کنایہ کو دخل نہیں۔

امر چہارم یعنے حارث کی غرض آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوگی اُس کی نسبت ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۴) میں لکھتے ہیں کہ حارث ایسے وقت میں ظاہر ہوگا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی اتقیا مسلمین جو سادات قوم و شرفائے ملت ہیں کسی حامی دین اور مبارز میدان کے محتاج ہونگے۔ آل محمد کے لفظ میں ایک افضل اور طیب چیز کو ذکر کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اُس چیز سے مناسبت رکھتے ہیں اس کے اندر داخل کئے گئے ہیں جیسا کہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جزو کو ذکر کر کے کل اس سے مراد لیتے ہیں۔

ابھی معلوم ہوا کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد امام مہدی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے ظاہر ہے مرزا صاحب نے اُس روایت سے اغماض کر کے صرف آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی حدیث کو لے لیا اور اُس میں یہ تصرف کیا کہ اُس سے مراد تمام مسلمان ہیں جن کی تائید کے لئے وہ خراسان یعنی سمرقند سے نکلے ہیں اور تائید یہ کی کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو بلکہ صحابہ سے لیکر آج تک کے مسلمانوں کو مشرک بنا دیا جسکا حال مذکور ہوا۔

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ مجازی معنی وہیں لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی نہ بنیں اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس پیشگوئی کے حقیقی معنی چھوڑنے کی کیا ضرورت

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ فلان سنہ میں یہ واقعہ ہوگا پھر اگر وہ سنہ قریب الختم ہوتا تو اُس وقت اُس حدیث کی تصحیح کے لئے مجازی معنے لے سکتے تھے۔ امام مہدی حارث اور عیسے علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا نکلنا تو قیامت کی علامات کبرٰے سے ہیں جن کے متصل قیامت ہوگی۔ اور یہ علم کسی کو نہیں دیا گیا کہ قیامت کس سنہ میں ہوگی یہانتک کہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی حق تعالےٰ نے فرمادیا کہ ان سے صاف کہدو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے جب چاہیگا قائم کردیگا چنانچہ ارشاد ہے

یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا قل انما علمہا عند ربی لا یجلیہا لوقتہا الا ہو۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ عیسےٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کہا تھا کہ قیامت کب ہوگی یہ تو سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی کو معلوم نہیں البتہ دجال کا قتل میرے ذمہ ہے جو وقت پر عمل میں آجائیگا۔ جب قیامت کا علم کسی کو نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس زمانہ میں اگر اُن احادیث کے معنے مجازی نہ لئے جائیں تو وقت منقضی ہوجائیگا اور وہ حدیثیں نعوذ باللہ جھوٹی ثابت ہونگی تو پھر کیا ضرورت ہے کہ حقیقی معنے چھوڑکر مجازی معنے لئے جائیں۔ اگر مجازی معنی ہر موقع میں لینے کی اجازت شرعاً اور لغۃً ہوجائے تو ہر شخص قرآن وحدیث میں خودغرضی سے مجازی معنے لیکر اپنا مطلب نکا لیگا اور جتنے مفتری اور کذاب ہیں اپنا اپنا دین علیحدہ بنا لینگے جس طرح مرزا صاحب بنا رہے ہیں کہ عیسےٰ مجازی دجال مجازی قتل مجازی مہدی مجازی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجازی حارث مجازی منصور مجازی جنگ وغیرہ سب مجازی جس کا مطلب ظاہر ہے

کہ یہ کل کارخانہ جو جمایا گیا ہے محض بے اصل و بے حقیقت ہے۔

امر پنجم و ششم یعنی امام مہدی کا اس لشکر میں ہونا اور اُن کی مدد کی ضرورت اس مقام میں ان کو صرف حارث بننا منظور تھا اُن حدیثوں سے اگر اپنی مہدویت ثابت کرتے تو کوئی دوسرا شخص حارث بنکر چندوں کا مستحق ہوتا۔ چونکہ اس حدیث سے چندوں کی کارروائی کو تائید پہنچتی ہے اس لئے اس حدیث میں بڑا ہی زور لگایا اور چار جز تک اس میں خامہ فرسائی کی مگر یہ ثابت نہ کر سکے کہ حارث کا دیان سے نکلیگا۔ اگر مرزا صاحب چاہتے تو چند روز میں اپنے خاص خاص مریدوں کے ساتھ ماوراءالنہر تک جا کر چلے آتے جس سے ماوراءالنہر یا خراسان سے نکلنا صادق آجاتا اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملتی کہ مرزا صاحب ماوراءالنہر سے نہیں نکلے مگر وہ اُن سے نہ ہوسکا اور کیونکر ہوسکتا وہ تو مخبر صادق کا کلام ہے جو سوائے اپنے مصداق کے کسی دوسرے پر صادق آہی نہیں سکتا باطن میں فی الحقیقت یہی وجہ تھی مگر ظاہرا افغانستان کا خوف سدراہ ہوا ہوگا۔ جب یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے فتمنوا الموت ان کنتم صادقین مگر خدا جانے اُن پر کس قسم کا خوف طاری ہوگیا تھا کہ اُن کے منہ سے کوئی تمنا کا کلمہ نکل ہی نہ سکا آخر اُن کا جھوٹا ہونا خود اُن کی طرز عمل سے مسلم ہوگیا۔

یہ چند علامتیں عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ہیں اگرچہ اور بہت سی علامات احادیث سے ثابت ہیں مگر طالبین حق کے لئے یہ چالیس علامتیں بھی کم نہیں۔ اگر در دہ کس است یک حرف بس است۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان علامتوں سے

ایک بھی مرزا صاحب پر صادق نہیں آتی اب وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح ان علامات کو اپنے پر چسپاں کرلیں ورنہ عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اس لئے اقسام کی تدبیریں کیں۔ مثلاً ناموں میں تحریف کردی اپنا نام عیسےٰ مہدی حارث وغیرہ رکھ لیا اور قادیان کو دمشق۔ اور پادریوں اور ابن صیاد کو دجال اور نصاریٰ کو یاجوج وماجوج قرار دیا اور کہیں معنوں میں تحریف کی مثلاً قتل دجال اور کسر صلیب سے مراد رد مذہب اور معمولی سوال و جواب۔ اور بے حساب مال تقسیم کرنے سے مراد علمی باتیں بیان کرنا۔ اور کسی حدیث کی نسبت کہدیا کہ وہ حضرت کا خواب تعبیر طلب تھا اُس کے وہ معنے نہیں جو ظاہر میں سمجھے جاتے ہیں۔ اور کبھی عقل سے حدیث کو رد کردیا جیسا کہ لکھا ہے۔ کیا عیسےٰ مہدی اور ہدایت یافتہ نہیں پھر مہدی کی کیا ضرورت۔ اور جہاں کچھ نہ بنا تو کہدیا کہ وہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ دجال کے شام وعراق کے درمیان سے نکلنے کے باب میں لکھا ہے اور سردار لشکر کا نام جو حدیث میں منصور مذکور ہے کہا کہ خدا کے نزدیک اس کا نام منصور ہوگا۔ بلکہ کہیں تو صاف کہدیتے ہیں کہ وہ حدیث ہی غلط ہے جیسا کہ نواس رضؓ کی حدیث کی نسبت معلوم ہوا بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف غلطی کی نسبت کردی اور کہیں اغماض ہی کرگئے مثلاً حدیث شریف میں مذکور ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کل اسلام ہی اسلام ہوجائیگا اور درندے اور گزندے کسی کو ضرر نہ پہنچا سکینگے وہاں کہہ تو دیا کہ شیر اور بکری کو ایک جگہ بٹھائیگا مگر اُس میں کچھ گفتگو نہ کی کہ عیسےٰ ہیں تو ان پیشگوئیوں کا وقوع کیوں نہ ہوا غرض کہ اقسام کی بدنما تدبیریں کیں کہ کوئی سمجھدار آدمی اُس کو رضامندی کی نگاہ سے دیکھ

نہیں سکتا۔ افسوس ہے ایک زمانہ وہ تھا جس میں العاقل یکفیہ الاشارہ کے مصداق بکثرت موجود تھے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اشارہ تو درکنار سخن سازیاں بآواز بلند کہتی ہیں کہ کل تصنع ہی تصنع ہے مگر کسی کو جنبش نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب کیا کر رہے ہیں۔ معتقدین اتنا تو خیال کر لیتے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کشف میں غلطی ٹھیری تو اس کی تصدیق کیوں کی جائے کہ ایک نقلی عیسےٰ پنجابی شخص ہونا ضروری ہے آخر وہ بھی کشفی بات ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اور کشف جب تعبیر طلب ہو تو کسی شخص کے مثیل مسیح ہونے کی کیا ضرورت ممکن ہے کہ اُس کی تعبیر یہ ہو کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں امت مرحومہ من جانب اللہ راہ راست پر آجائیگی کیونکہ عیسےٰ کلمۃ اللہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کلمہ کن سے سب کچھ کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لاٰتینا کل نفس ھدٰھا۔ اس تعبیر میں جیسے عیسےٰ کی ضرورت نہیں ویسا ہی مثیل عیسیٰ کی بھی ضرورت نہیں۔ اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۹۹) میں انہوں نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ کل دجال عیسےٰ تو جس طرح پادریوں کی قوم دجال بتائی گئی اسی طرح ان کی رد کرنے والی قوم عیسےٰ ہوگی اور اگر وہاں افراد قوم دجال ہیں تو ادھر بھی افراد قوم عیسےٰ ہونگے اس کا کیا ثبوت کہ اُدھر تو دجال قوم ہو اور اِدھر ایک ہی شخص ہو۔ الحاصل بیسیوں قرینے شاہد حال ہیں کہ نہ اُن کو حدیث شریف سے کام ہے نہ قرآن سے مطلب صرف اپنی عیسویت مقصود بالذات ہے جس سے بوضاحت ثابت ہے کہ جتنے الہام اُنہوں نے اپنی عیسویت وغیرہ سے متعلق لکھے ہیں وہ سب دل سے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ جب آیات

واحادیث میں تصرفات کر کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جن کا احتمال بھی نہیں اور اسکی کچھ پروا نہیں کرتے کہ دیکھنے والے کیا کہینگے تو الہام بنالینا کونسی بڑی بات ہے اُس پر تو دوسرا کوئی مطلع ہی نہیں ہو سکتا آخر قرآن وحدیث کے خلاف مراد معنی بیان کرنا بھی تو افترا ہی ہے۔ جس نے حرمت علیکم المیتۃ کے معنی یہ لئے تھے کہ میتہ کسی بزرگ کا نام تھا جس کی تعظیم کی گئی تھی اس کو مردار سے کوئی تعلق نہیں کیا یہ افترا علی اللہ نہیں۔ مرزا صاحب بھی تو اسی قسم کے تصرفات کر رہے ہیں پھر اُن کے افترا کرنے میں کیا تامل اور جب یہ افترا اُنہوں نے جائز رکھا تو الہام بنا لینے میں کون مانع ہے۔ پھر جو دلائل انہوں نے اپنی عیسویت پر پیش کئے اُن میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو قابل توجہ ہو جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔ اس سے یقیناً ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر اُنہوں نے اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ اُن کی حیات میں خدشے پیدا کر کے خود مسیح موعود بن جائیں کیونکہ جب تک اُن کی موت ثابت نہ ہو وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کیسی ہی یقینی بات ہو جب آدمی اُس میں خدشے ڈالنے کے درپے ہوتا ہے تو سخن سازیوں سے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا ہے دیکھ لیجئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں تیرا سو سال سے آج تک کسیکو اختلاف نہیں شیعہ سنی ہندو۔ عیسائی وغیرہ سب کے نزدیک وہ مسلم ہے اور تمام تاریخی کتابیں اس پر گواہی دے رہے ہیں مگر مرزا حیرت صاحب نے اُس میں خدشے ڈال ہی دئے چنانچہ جاہلوں میں ہر طرف چرچے ہو رہے ہیں کہ مرزا حیرت صاحب نے خوب ہی دلائل قائم کئے آج کل کے مباحثوں کا حال بعینہ اس مباحثے کا سا ہے کسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کوئی واقعہ بیان کیا جو ظاہرا غیر مربوط

ساتھا۔ اس شعر پر ایک شاعر صاحب نے ہنسکر یہ شعر پڑھا۔ ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا		الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و نا ولہا

مولوی صاحب نے بگڑ کر کہا کیسا غلط پڑھتے ہو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ایک مصرعہ چھوٹا ایک بڑا ہے اس پر شاعری کا دعوے ہے۔

شاعر۔ حضرت مجھے تو ایسا ہی یاد ہے صحیح آپ ارشاد فرمائیں۔

مولوی صاحب۔ خیر ہم ہی صحیح بتائے دیتے ہیں۔ ؎

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا		الا یا ایہا الساقی ادر رکا

شاعر۔ ادر کا چہ معنی دارد۔

مولوی صاحب۔ عربی پڑھیں تو معلوم ہو کہ (ادرر) امر کا صیغہ ہے ادر کاف خطاب کا جو اشباع کی وجہ سے۔ ادر کا۔ پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ساقی پیالہ کے دور کرانے میں کیا لگا ہے اپنے کو پھیرا ور ادھر متوجہ کر۔

شاعر۔ دیوان حافظ میں تو اس مصرعہ میں یہ ہے ادر کاساً و نا وطھا۔

مولوی صاحب۔ سبحان اللہ ترجمہ کا بھی آپ کو خوب سلیقہ ہے کیا سعدی کے معنی حافظ اور زلیخا کے معنی دیوان ہیں جو دیوان حافظ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ شاعر تو یہ خبر دے رہا ہے کہ سعدی نے زلیخا میں یہ مصرعہ لکھا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دیوان حافظ میں ایسا نہیں ہے۔ نہوا کرے۔

شاعر۔ کیا سعدی نے زلیخا بھی لکھی ہے۔

مولوی صاحب۔ کیا سعدی کو زلیخا لکھنا منع تھا۔

شاعر۔ اگر لکھی ہے تو وہ زلیخا کہاں ہے۔

مولوی صاحب - کیا ساری دنیا کی کتابیں آپ کے شہر میں موجود ہیں۔ یا آپ نے سب کا مطالعہ کرلیا ہے اور صرف وہی ایک باقی رہگئی۔

شاعر - حضرت آپ یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ شعر کس موقع میں پڑھا جاتا ہے۔ جب کوئی بے ربط بات کہی جائے تو مضحکہ کے طور پر پڑھتے ہیں جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ بات ایسی ہے جیسے اس شعر کا مضمون۔

مولوی صاحب - یہ آپ کا خیال ہے مضحکہ سے کیا تعلق جب کوئی دلچسپ بات سنتے ہیں تو بے اختیار ہنسکر اُس کی داد دیتے ہیں کہ ادھر متوجہ ہو کر پھر فرمائے جناب اتنا تو خیال کر لیجئے کہ یہ شعر حد تواتر کو پہنچ گیا ہے ہزاروں ذی علم اسکو پڑھتے ہیں اور یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ مصرعہ سعدی نے اپنی زلیخا میں لکھا ہے کیا وہ سب جھوٹے ہیں کیا اُن میں سے کسی نے بھی سعدی کی زلیخا کو نہ دیکھا ہو گا آپ کی عقل پر افسوس ہے۔

الغرض شاعر صاحب سے کچھ نہ بن پڑی اپنا سا منھ لیکر رہ گئے اور آخر یہی کہنا پڑا کہ شاید ایسا ہی ہو گا۔

کلام اس میں تھا کہ تیرا سو برس سے جو بات بلا خلاف ہم تک پہنچی اور جس پر ہر ملت و ملت کے لوگ گواہی دے رہے ہیں اور کسی کو اُس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ مرزا حیرت صاحب نے باتیں بنا کر جاہلوں کو چوکنے تو کر دیا اور بعض متزلزل بھی ہو گئے اور تعجب نہیں کہ رفتہ رفتہ ایک جماعت بھی قائم ہو جائے۔

اسی طرح مرزا صاحب اور اُن کے امتی ہمہ تن متوجہ ہو کر اپنی پوری ذکاوتیں مسئلہ وفات مسیح میں صرف کر رہے ہیں جس سے جاہلوں کے اعتقاد متزلزل

ہو گئے اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ مرزا صاحب جب منصب عیسویت اپنے لئے
تجویز کر رہے ہیں اور اس کا مدار انہیں خدشات پر ہے تو اُن کی غرض اُس سے
متعلق ہوئی اور خود غرضی کارروائی عقلاً قابل التفات ہو سکتی ہے یا نہیں پھر جب
اُن کا مقصود یعنی اِن کی عیسویت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو سکی تو عیسے علیہ السلام
کی موت وحیات میں گفتگو سے کیا فائدہ اُن کو ضرور ہے کہ اپنی عیسویت بدلائل
ثابت کر دیں اور جب وہ بدلائل ثابت ہو جائے تو عیسے علیہ السلام کی موت
خود بالضرور ثابت ہو جائیگی کیونکہ مسیح موعود تو ایک ہی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اُنکی
موت ثابت ہونے سے مرزا صاحب کی عیسویت ثابت ہو جائے اس لئے کہ یہ
ضرور نہیں کہ عیسے علیہ السلام مرتے ہی مرزا صاحب ہی عیسیٰ بن جائیں آخر مرزا صاحب
بھی اس کے قائل نہیں کہ عیسے علیہ السلام کی وفات سنہ ۱۳۰ ہجری میں ہوی اور
وہ اُن کے جانشین ہوئے۔ اور یہ بات بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتی
کہ ایک عیسے کے مرنے کے بعد دوسرے عیسے کے نکلنے کی اس قدر مدت
مقرر ہے۔ الحاصل مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں اپنا دعویٰ مع شرائط ولوازم ثابت
کرنا اُن کے ذمہ ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہمارے دین میں طے شدہ اجماعی
مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو ازسرنو ثابت کریں البتہ بحسب قواعد مناظرہ ہمارا
کام ہوگا کہ مدعی کے دلائل میں غور کرکے بحسب موقع وضرورت جرح کریں۔
مرزا صاحب کو عیسے علیہ السلام کی موت ثابت کرنے اور آپ مسیح موعود ہونے
میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ پہلے یہ ثابت کرنا انہوں نے ضروری سمجھا
کہ کوئی شخص زندہ آسمان پر جا ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ دقت پیش آئی

کہ قرآن و احادیث صحیحہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج ثابت ہے اگر قرآن وحدیث کی رعایت کرتے ہیں تو اپنی بات بگڑتی ہے اور اگر بات کی رعایت کرتے ہیں تو اُن آیات و احادیث سے ایمان رخصت ہوتا ہے آخر بحکم حبک للشئ یعمی ویصم طبیعت نے یہی حکم کیا کہ بات بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ معراج جسمانی کا انکار ہی کر دیا اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ حضرت شب معراج مکہ سے باہر نہیں گئے بستر ہی پر بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا۔ اور سبحان الذی اسری بعبدہ وغیرہ آیات کو تاویل کرکے ٹال دیا۔ اس کے بعد یہ خیال کیا کہ شاید کوئی یہ کہدے کہ عیسےٰ علیہ السلام مر تو گئے مگر ممکن ہے کہ قیامت کے قریب زندہ ہو کر آجائیں اُس کی پیش بندی یوں کی کہ کوئی شخص مرنے کے بعد اس عالم میں زندہ ہو ہی نہیں سکتا اور قرآن شریف میں جو ہزارہا مُردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے اُس کا عقل سے ایسا مقابلہ کیا کہ اُنہی کا کام تھا کسی واقعہ میں کہا کہ مسمریزم سے صرف حرکت ہو گئی تھی اور کبھی معنی بدل دئے مثلاً فاماتہ اللہ مائۃ عام میں کہا کہ اُس سے موت مراد نہیں بلکہ نیند ہے کہ سو برس تک سوتے رہے اس کے بعد یہ سوچا کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ عیسےٰ علیہ السلام قیامت میں بھی زمین پر نہ آنے پائیں اس لئے حشر اجساد ہی کا انکار کر دیا اس دلیل سے کہ مرنے کے بعد قبر میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جس کی راہ سے جنتی آدمی جنت میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اب صدہا آیات و احادیث جو حشر اجساد اور قبر سے مُردے نکلنے کے باب میں وارد ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ رکھی رہیں اور سب پر ایمان بھی ہے مگر اُن کے معنی سے کوئی تعلق نہیں

اور اُن کا وہ قول بھی صحیح ہوگیا کہ قرآن کے ایک نقطہ کی کمی و زیادتی نہیں ہوسکتی کیونکہ مسلمانوں کو بتلانے کے لئے الفاظ پر پورا پورا ایمان ہے جو کچھ تصرف اور حکومت ہے سو معنی پر ہے۔ الغرض ان مقامات میں اور اُن کے سوا جو جو آیات و احادیث اُن کو مقصود کے مخالف نظر آئیں سب کے معنی میں تحریف کر ڈالی اور جن آیات و احادیث کو دیکھا کہ تغیر معنی سے اپنا مطلب نکل سکتا ہے اُن میں نئے معنی پیدا کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

یوں تو مرزا صاحب کی طبیعت خود جدت پسند اور موجد مضامین تازہ ہے مگر ظاہراً تقدم کی وجہ سے سرسید احمد خاں صاحب کو مقتدا ہونے کا فخر حاصل ہے کیونکہ اُنہوں نے ایسے طریقہ بتلا دئے کہ کہنے کو قرآن پر ایمان بھی مسلم رہے اور اپنی مطلب براری میں قرآن خلل انداز بھی نہ ہو مثلاً اُنہوں نے دیکھا کہ جب تک گورنمنٹ کے ہم خیال نہ ہوں مقصود حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے قرآن کو حکمت جدیدہ کے تابع کر دیا اور جتنی آیتوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہوتا ہے سب میں تاویلیں کر کے آسمانوں کی جگہ موہوم دوائر قائم کر دئے اور جنت و دوزخ کے باب میں جتنی آیات وارد ہیں سب کو عالم خیال میں پہنچا دیا۔ قرآن میں فرشتوں کا ذکر بہت جگہ ہے اُس کی تصدیق یوں کی کہ آدمی وغیرہ میں جو قوتیں ہیں وہی ملائکہ ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ آسمان پر بھی کوئی فرشتہ ہو۔ بہرحال خاں صاحب اور مرزا صاحب الفاظ قرآن کی جہاں تک حد ہے اُس میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور جہاں معنی کا موقع آیا علحدہ ہو جاتے ہیں اور اس وقت سوائے اپنی خواہش کے مسلمان تو کیا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم

بھی فرمادیں تو نہیں سنتے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک احادیث ساقط الاعتبار ہیں البتہ وہ حدیثیں تو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن کو اپنے مفید مدعا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ ان حضرات نے جو ایمان کا طریقہ نکالا ہے وہ شرعاً ایمان نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو قرآن نازل ہوا ہے اُس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط الفاظ ہی پر ایمان لایا جائے۔ دیکھ لیجئے اگر کوئی شخص عمر بھر لا الہ اللہ پڑھا کرے اور اُس کے معنی یعنی توحید کا قائل نہ ہو تو وہ شرعاً ہرگز مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا اگر معنی میں تعمیم کر دی جائے کہ حسب مرضی جو جی چاہے سمجھ لینا کافی ہے تو اس قسم کی تاویلوں میں تعجب نہیں کہ کفار کے اعتقاد بھی داخل ہو جائیں۔ منصور نے حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر میں تاویل کر کے مردار خنزیر وغیرہ کو حلال کر دیا تھا حالانکہ اس آیت کو وہ کلام الٰہی کہتا تھا کیا اس قسم کے ایمان سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اُس کو اس آیت پر ایمان تھا۔

اب ہم خیر خواہانہ اہل اسلام سے عرض کرتے ہیں کہ ایمان بڑی نعمت عظمیٰ ہے آخرت کی نجات اور راحت ابدی کا مدار اسی پر ہے اُس کی حفاظت اور احتیاط کی بڑی ضرورت ہے ہر کس و ناکس کو اپنے ایمان پر تصرف دینا نہایت خلاف عقل ہے مولانا روم رح فرماتے ہیں۔ **شعر**

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان ہے جس سے انبیاؑ کو کمال درجہ کا افتخار حاصل ہے کہ سوائے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو یہ فضیلت

حاصل نہیں ہوئی۔ مگر مرزا صاحب خود غرضی سے اُس میں کلام کرتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ اُس کی تصریح نہیں کرتے مگر قرائن و دلائل واضحہ اس کی خبر دے رہے ہیں بہر حال ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۷) میں لکھتے ہیں کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی واجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے"

مرزا صاحب کے کشف و تجربہ کا کیا کہنا اسی کتاب میں آپ کے کشفوں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے اگر ناظرین اُن کا تذکرہ فرمالیں تو مرزا صاحب کی اس تقریر کا لطف دوبالا ہو جائیگا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ اُن کا غالباً پیشتر کا ہوگا ورنہ انہوں نے تو اپنے باب میں قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ خود بدولت مردود ہیں ملعون ہیں بے دین ہیں خائن ہیں اور اُس فیصلہ کو خدائے تعالیٰ نے بھی منظور فرمالیا جس کا حال معلوم ہوا اس کے بعد اب وہ کسی عامی مسلمان کی بھی مساوات کا دعوے نہیں کر سکتے چہ جائیکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری۔ اگرچہ مسئلہ معراج نہایت وسیع اور طویل الذیل ہے جس کی گنجائش اس مختصر میں دشوار ہے مگر مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے لحاظ سے تھوڑی سی بحث اس میں بھی کی جاتی ہے انشاء اللہ تعالےٰ بشرط انصاف اہل ایمان پر منکشف ہو جائیگا کہ اہل سنت کا مذہب اس مسئلہ میں کیسا قوی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کئی امور اس مسئلہ میں ایسے ہیں کہ معمولی عقول پر ان کا تسلیم کرنا شاق ہوتا ہے۔ مثلاً سینۂ مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج

شق کیا جانا اور حکمت وایمان سے اُس کو بھرنا پھر بسواری براق بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانا اور یہ سب معاملات ایک ہی شب میں سطے ہو جانا وغیرہ امور ایسے ہیں کہ اُن کی نظیر مل نہیں سکتی اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے عقل کے خلاف ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عالم میں بہت سے بلکہ تقریباً کل کام ایسے ہیں کہ اُن کا ادراک عقل سے ممکن نہیں مگر عادت کی وجہ سے اُن میں غور تدبر کی نوبت آتی ہے نہ خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں اس کا بیان ہم نے کتاب العقل میں بشرح وبسط لکھا ہے اُس کے ملاحظہ سے منکشف ہو سکتا ہے کہ جو معمولی امور ہیں اُن کے بھی ادراک میں حکما کی عقلیں حیران ہیں اور جن چیزوں کو ہم بدیہی سمجھتے ہیں اُن کی حقیقتیں ایسی نظری ہیں کہ اُن کا ادراک ابتک نہ ہو سکا۔ پھر جیسے وہ عادت کی وجہ سے مطابق عقل معلوم ہوتے ہیں اسی طرح اگر بالفرض آسمانوں پر آنا جانا بھی عادی ہوتا تو اُن میں بھی عقل کو استبعاد کا موقع نہ ملتا۔ یہاں بطور مثال ایک نور ہی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کس قدر ظاہر بلکہ مظہر ہے اور ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے ہر شخص اُس کو بدیہی سمجھتا ہے مگر اس کی حقیقت ایسی نظری ہے کہ تمام حکما اُس کے ادراک میں حیران ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی اس کو جوہر بلکہ جسم کہتا ہے اور کوئی عرض۔ حالانکہ جوہر و عرض میں جس قدر فرق اور تبائن ہے ظاہر ہے ایسی روشن چیز میں جب یہ اندھیر ہو تو اور چیزوں کا کیا حال ہوگا اگر ایسے شخص سے جس نے نور کبھی نہ دیکھا ہو یعنی مادر زاد نابینا سے اُس کا حال بیان کیا جائے تو یہی کہیگا کہ ایسی چیز کا وجود محال ہے اہل حکمت جدیدہ نے نور کو جوہر بلکہ جسم مان لیا ہے اور کمال تحقیق سے تصریح کرتے ہیں کہ وہ ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ

میل کی مسافت طے کرتا ہے جیسا کہ ریوری رنٹ چارلس صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اور پیسہ اخبار مورخہ ۹ رجادی الثانی سنہ ۱۳۲ ھ ہجری میں تحقیق جدید کو بیان کیا ہے کہ بجلی ایک منٹ میں پانچ سو مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے اور ستہ شمسیہ میں جو چارلس صاحب مذکور کی کتاب کا ترجمہ ہے لکھا ہے کہ بعض دُم دار ستارے اتنے بڑے ہیں کہ فقط ان کی دُم تین کروڑ تیس لاکھ میل کی ہے اور انکی رفتار ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار میل تک ثابت ہوئی ہے۔ اور محققین ہئیت قدیمہ نے تصریح کی ہے کہ فلک تاسع کے مقعر کا ہر نقطہ ایک ساعت میں وس کروڑ اکھتر لاکھ میل حرکت کرتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آدمی جس عرصہ میں ایک لفظ کا تلفظ کرے مثلاً (ا) یا (ب) کہے وہ پانچ ہزار ایک سو چھانوے میل طے کرتا ہے اب دیکھئے کہ کیسے بڑے بڑے اجسام کی حرکت ایک ساعت میں لاکھوں بلکہ کروڑوں میل تسلیم کرلی جاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ حکما کا قول ہے۔ اور معراج کی خبر خود خدا تعالےٰ دیتا ہے اُس میں اقسام کے احتمالات پیدا کرکے تاویلیں کی جاتی ہیں کہ جسم کثیف اس مدت قلیل میں اتنی مسافت کیونکر طے کرسکتا ہے اس لئے برائے نام اُس پر ایمان لانے کی یہ تدبیر نکالی گئی کہ وہ ایک کشفی واقعہ ہے۔ اب اگر کوئی ایماندار جس کو خدا کی قدرت پر پورا ایمان ہو اور یقین سمجھتا ہو کہ حق تعالےٰ صرف کن سے جو چاہتا ہے کرسکتا ہے یہ اعتقاد رکھے کہ وہ قادر مطلق جو بعض اجسام کثیفہ کو ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل چلا جاتا ہے۔ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جن کا جسم مبارک ہماری جان سے بھی زیادہ تر لطیف تھا اُن کو تھوڑے عرصہ میں آسمانوں کی سیر کرالائے تو کونسی بڑی بات ہوگئی کیا ان مسلمانوں کے نزدیک

خدا کی اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی اتنی بھی وقعت نہ ہونی چاہیئے جو
اہل یورپ کی بات کی آجکل ہو رہی ہے۔ مقتضائے ایمان تو یہ تھا کہ اگر کوئی ضعیف
حدیث بھی اس باب میں وارد ہوتی تو اس خیال سے مان لی جاتی کہ آخر حدیث تو ہے
کسی کی بنائی ہوئی بات نہیں چہ جائیکہ قرآن کی آیتوں اور صحیح صحیح حدیثوں سے
ثابت ہے مگر ہر کسی کو یہ گراں بہا دولت ایمانی کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ ہزارہا
معجزات دیکھنے پر بھی تو اشقیا اس دولت سے محروم ہی رہے۔ در اصل خود
حق تعالیٰ کو منظور نہیں کہ یہ دولت عام اور بے قدر ہو جائے اسی وجہ سے خود
کتاب ہدایت یعنی قرآن شریف کی خاصیت یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا رکھی گئی
اور معراج شریف کی نسبت بھی اسی قسم کا ارشاد ہے قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی
اریناک الا فتنۃ للناس یعنی جو تمکو شب معراج ہم نے دکھلایا اس سے لوگونکی
آزمائش مقصود ہے احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب
میں نازل ہوئی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر کسی کا کام نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے امتحان
میں پورا اُترے۔ اس موقع میں تو ایمانداروں کا ایمان ہی سلامت رہ جائے تو غنیمت
ہے کافروں کے ایمان کی کیا توقع چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجودیکہ حضرتؐ نے بیت المقدس
کی پوری نشانیاں بتلا دیں اور کفار اس کا انکار بھی نہ کر سکے مگر ایمان کسی نے نہ لایا
اور صحابہ جو ہمیشہ معجزات دیکھتے تھے باوجود اُس فیضان معنوی کے وہ بھی متزلزل
ہو گئے اور بعض تو نعوذ باللہ مرتد ہی ہو گئے۔ اور اسی واقعہ کی عمدہ طور پر تصدیق
کرنے کی بدولت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کہلائے ان مضامین کی تصدیق
روایات ذیل سے ہوتی ہے اخرج ابن جریر عن قتادہ رض وما جعلنا الرؤیا التی اریناک

الافتنۃ للناس یقول اراہ من الآیات والعیر فی میسرہ الی بیت المقدس و ذکر لنا ان
ناسا ارتدوا بعد اسلامھم حین حدثھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمسیرہ انکروا ذلک
وکذبوا بہ وعجبوا منہ وقالوا تحدثنا انک سرت مسیرۃ شہرین فی لیلۃ واحدۃ کذا فی الدرالمنثور

یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ آیۂ شریفہ وماجعلنا الرءیا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس سے
وہ نشانیاں مراد ہیں جو بیت المقدس کے جانے میں حضرت کو دکھلائی گئیں
جب حضرت نے وہ حالات بیان کئے تو بہت سے لوگوں نے تکذیب کرکے
براہ انکار کہا کہ اب ایسی باتیں کرنے لگے کہ ایک رات میں دو مہینے کی راہ سطے کی
غرض باوجودیکہ وہ لوگ اسلام لاچکے تھے مگر واقعہ معراج سنکر مرتد ہوگئے۔ واخرج
احمد وابویعلی وابن مردویہ وابونعیم عن ابن عباس رضؓ قال اسری بالنبی صلی اللہ
علیہ وسلم الی بیت المقدس فی لیلۃ فحدثھم بمسیرہ وبعلامۃ بیت المقدس وبعیرھم
فقال ناس لانصدق محمدا (صلی اللہ علیہ وسلم) بما یقول فارتدوا کفارا فضرب اللہ
اعناقھم مع ابی جہل۔ کذا فی الدرالمنثور یعنی ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب
حضرت بیت المقدس جاکر اسی شب واپس تشریف لائے اور واقعہ جانے کا
اور علامت بیت المقدس کی اور کفار کے قافلہ کا حال بیان فرمایا تو بہت سے
لوگوں نے کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ان امور میں نہیں کرسکتے چنانچہ
وہ مرتد ہوگئے اور آخر ابوجہل کے ساتھ اُن کی گردنیں ماری گئیں انتہیٰ۔
ان روایات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ظاہراً خلاف عقل ہونے کی وجہ سے
وہ لوگ اُس کی تصدیق نہ کرسکے جس سے اُن کا ایمان سلب کرلیا گیا۔ یہاں غور
کیا جائے کہ کیا خواب میں بیت المقدس کو جانا اس قدر خلاف عقل تھا کہ اُس کے

سننے سے مسلمانوں کا ایمان جاتا رہے عقل سلیم اس کو ہرگز قبول نہیں کرسکتی یہ واقعہ خلاف عقل اسی وقت ہوسکتا ہے کہ عالم بیداری میں ہوا ہو جس کی تصدیق ابوبکر رض نے کرکے مستحق لقب صدیق ہوئے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے واخرج ابویعلی وابن عساکر عن ام ہانی رضی اللہ عنہا قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قالت قال مطعم کل امرک قبل الیوم کان امماً غیر قولک الیوم انا اشہد انک کاذب نحن نضرب اکباد الابل الی بیت المقدس مصعداً شہراً ومنحدراً شہراً تزعم انک اتیتہ فی لیلۃ واللات العزی لا اصدقک فقال ابوبکر یا مطعم بئس ماقلت لابن اخیک جبہتہ وکذبتہ انا اشہد انہ صادق فقالوا یا محمد صف لنا بیت المقدس قال دخلتہ لیلاً وخرجت منہ لیلاً فاتاہ جبرئیل علیہ السلام فصورہ فی جناحہ فجعل یقول باب منہ کذا فی موضع کذا وباب منہ کذا فی موضع کذا وابوبکر رض یقول صدقت صدقت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ یا ابابکر ان اللہ قد سماک الصدیق الحدیث کذا فی الدر المنثور یعنی ام ہانی رض نے معراج کا واقعہ بیان کرکے کہا کہ جب یہ واقعہ حضرت نے کفار سے بیان کیا تو مطعم نے کہا کہ ابتک آپکا معاملہ ٹھیک تھا سوائے اس بات کے جو اب کہہ رہے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو ہم تو اونٹوں کو مار مار کے دو مہینے میں بیت المقدس کو جاکر آتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات میں جاکر آگئے لات وعزی کی قسم ہے کہ یہ تو میں ہرگز نہ مانونگا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اے مطعم تو نے بری بات کہی اپنے بھتیجے کو شرمندہ کیا اور اُن کی تکذیب کی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ پھر کفار نے حضرت سے کہا کہ بیت المقدس کا حال تو بیان کیجئے آپ نے فرمایا کہ میں رات کے

وقت اُس میں داخل ہوا تھا اور رات ہی میں اُس سے نکلا یہ فرماہی رہے تھے
کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور اپنی بازو میں بیت المقدس کا نقشہ پیش نظر کردیا
جسکو دیکھ دیکھ کر آپ علامتیں فرماتے کہ فلاں دروازہ فلاں مقام میں ہے اور فلاں
دروازہ فلاں مقام میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس کی تصدیق کرتے جاتے تھے
اُس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضہ سے فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ نے
تمہارا نام صدیق رکھا انتہیٰ۔
اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسمانی کی تصدیق کی وجہ سے حق تعالےٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ
کو لقب صدیق عطا فرمایا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار کو بھی اُس میں کلام نہ ہوتا کیونکہ
خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کیا ہی کرتے ہیں۔
ابتداء اسلام میں معراج کا واقعہ گویا محک امتحان ہے جس نے اُس کا انکار کیا اُسکی
شقاوت ازلی کا حال کھل گیا اس سے بڑھکر اور کیا شقاوت ہوگی کہ سب جانتے تھے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا باوجود اس کے
جو جو نشانیاں پوچھتے گئے سب بتلا دیں اور رستے کے قافلہ کا حال پوچھا وہ بھی بیان
کردیا جس کی تصدیق بھی ہوگئی پھر بھی تصدیق نہ کی اور مثل دوسرے معجزات کے
اس کو بھی سحر ہی قرار دیا جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہے واخرج مسلم والنسائی
وابن مردویہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد رایتنی
فی الحجر وقریش تسالنی عن مسرای فسالونی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتہا فکربت
کربا ما کربت مثلہ قط فرفعہ اللہ لی انظر الیہ ما سالونی عن شئے الا انبأتہم بہ
کذا فی الدر المنثور یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قریش مجھ سے

بیت المقدس کے جانے کا حال دریافت کرنے لگے میں حطیم میں تھا بہت سی چیزیں بیت المقدس کی انہوں نے ایسی پوچھیں جو مجھے بخوبی یاد نہیں اُس وقت مجھکو ایسی فکر ہوئی کہ کبھی ہوئی نہ تھی تب حق تعالیٰ نے اُس کو میرے پیش نظر کر دیا پھر تو وہ جو سوال کرتے ہیں دیکھ کر فوراً جواب دیدیتا واخرج ابو یعلی و ابن عساکر عن ام ہانی رض

ثم انتہیت الی عیر بنی فلاں فی التنعیم یقدمہا جمل اورق وہا ہی تطلع علیکم من الثنیۃ فقال الولید ابن المغیرۃ ساحر فانطلقوا فوجدوا کما قال فرموہ بالسحر وقالوا صدق الولید فانزل اللہ وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنۃ للناس کذا فی الدر المنثور۔

یعنی سفر بیت المقدس کے واقعہ کے اخیر میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ واپسی کے وقت تنعیم میں مجھے ایک قافلہ ملا جس کے آگے آگے ایک اونٹ ہے جس کا رنگ خاکستری ہے اور وہ یہیں قریب میں ہے ابھی ثنیہ پر تمہیں نظر آئیگا یہ سنکر ولید نے کہا کہ یہ ساحر ہیں اور لوگ قافلہ کی خبر لانے کو گئے چنانچہ جس طور پر حضرت نے فرمایا تھا سب باتوں کی تصدیق ہوگئی اُس پر سب نے کہا ولید نے جو حضرت کو ساحر کہا تھا وہ سچ ہے تب یہ آیت نازل ہوئی وما جعلنا الرءیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔

اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نیند کی حالت میں ہوا تھا کیا وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کے مرزا صاحب قائل ہیں اُن کو کتنے واقعات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ خواب کیسا ہی عجیب و غریب ہو اُس کے بیان کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور نہ سننے والا اُس کا انکار کرتا ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اُس واقعے کا بیان کرنا بخوف

تکذیب قرینِ مصلحت نہیں سمجھا گیا تھا جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے
واخرج الطبرانی وابن مریم عن ام ہانی رضہ قالت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ارید ان
اخرج الی قریش فاخبرہم مارایت فاخذت بثوبہ فقلت انی اذکرک اللہ انک تاتی قوماً
یکذبونک وینکرون مقالتک فاخاف ان یسطوا بک قالت فضرب ثوبہ من یدی
ثم خرج الیہم واتاوہم جلوس فاخبرہم الحدیث کذا فی الدر المنثور والحدیث مذکور فیہ
بطولہ یہ حدیث بہت طویل ہے یہاں مقصود اسی حصہ سے متعلق ہے جو لکھا گیا۔
ماحصل اس کا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی رضی اللہ عنہا سے سفر
بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے رات دیکھا ہے
سب قریش سے بیان کر دوں میں نے حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ خدا کے لئے
آپ یہ کیا کرتے ہو لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب اور آپ کی باتوں کا انکار کرتے
ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سنکر کہیں حملہ نہ کر بیٹھیں۔ حضرت نے جھٹکا مار کر دامن چھڑا لیا
اور ان کے مجمع میں جاکر سب واقعہ بیان فرمایا۔ انتہی ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ
خواب کا ہوتا تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر ام ہانی رضہ کو اس کے بیان کرنے
پر اس قدر اصرار کیوں تھا اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب کفار نے یہ واقعہ
سنا تو بہت کچھ خوشیاں منائیں اور یہ سمجھ لیا کہ اب حضرت کی کسی بات کو فروغ
نہ ہوگا۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ واخرج ابن ابی شیبہ واحمد والنسائی
والبزاز والطبرانی وابن مردویہ وابونعیم فی الدلائل والضیا فی المختارہ وابن عساکر
بسند صحیح عن ابن عباس رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان لیلۃ
اسری بی فاصبحت فی مکۃ قطعت وعرفت ان الناس مکذبی فقعدت معتزلا حزینا

فمر بي عدو الله ابو جهل فجاء حتى جلس اليه فقال له كالمستهزئ هل كان من شئ قال نعم قال ما هو
قال اني اسري بي الليلة قال الى اين قال الى بيت المقدس قال ثم اصبحت
بين ظهرانينا قال نعم فلم يرد ان يكذبه مخافة ان يجحده الحديث ان دعا قومه اليه
قال ارايت ان دعوت قومك اتحدثهم بما حدثتني قال نعم قال هيا معشر بني كعب
بن لوي فانفضت اليه المجالس وجاؤا حتى جلسوا اليهما قال حدث قومك بما حدثتني
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني اسري بي الليلة قالوا الى اين قال الى
بيت المقدس قالوا ايليا قال نعم قالوا ثم اصبحت بعد ظهرانينا قال نعم قال
فمن بين مصفق وبين واضع يده على راسه متعجبا قالوا وتستطيع ان تنعت المسجد
وفي القوم من سافر اليه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهبت انعت فمازلت
انعت حتى التبس على بعض النعت فجئ بالمسجد وانا انظر اليه حتى وضع دون دار عقيل
او عقال وانا انظر اليه فقال القوم اما النعت فوالله لقد اصاب كذا في الدر المنثور۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس رات میں بیت المقدس جاکر صبح مکہ میں آگیا مجھے یقین ہوا کہ اس واقعہ میں لوگ میری تکذیب ضرور کرینگے۔ اُسی خیال میں میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمن خدا ابو جہل آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور بطور استہزا پوچھا کیوں کیا کوئی نئی بات ہے فرمایا ہاں کہا کیا ہے فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے کہا کہاں فرمایا بیت المقدس کہا پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہو گئے فرمایا ہاں جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کر جائیں تکذیب نہیں کی اور کہا کیا یہ بات آپ لوگوں کے روبرو بیان کر دیگے فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی آواز بلند پکارا اے گروہ بنی کعب بن لوی اور فوراً جوق جوق

لوگ وہاں ٹوٹ پڑے پھر حضرت سے کہا جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہئے فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے لوگوں نے پوچھا کہاں فرمایا بیت المقدس کہا کیا ایلیا فرمایا ہاں کہا پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہو گئے فرمایا ہاں یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوی کہ کوئی تو تالیاں بجانے لگا کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر اُنھوں نے کہا کیا آپ مسجد کا حال بیان کر سکتے ہیں اور اُن میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے حضرت فرماتے ہیں کہ مسجد کا حال بیان کرنے لگا یہانتک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتباہ سا ہو گیا ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی گئی جس کو میں دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا اُن لوگوں نے جب پوری علامتیں سن لیں تو بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں انتہیٰ۔

یہاں چند امور قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

(۱) یہ حدیث صحاح اور مسند امام احمد اور مختارہ میں ہے اور بحسب تصریح محدثین ثابت ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

(۲) حضرت کا یقین کرنا کہ اس واقعہ کی تکذیب کرینگے دلیل ہے اس بات پر کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب و غریب خلاف عقل واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی ہے کہ لوگ سنکر اس کی تکذیب کرینگے۔

(۳) حضرت بجائے اس کے کہ اس واقعہ معراج شریف سے شادان و فرحان رہتے بیان کرنے کے پہلے نہایت غمگین رہے اس وجہ سے کہ کفار اس خلاف عقل واقعہ کی ضرور تکذیب کرینگے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہی خیال تھا تو

بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر ضرور بھی تھا تو صرف راسخ الاعتقاد چند
مسلمانوں سے بطور راز کہا جاتا بخلاف اس کے ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کفار کے
روبرو بیان کرنے سے بہت روکا اور خود حضرت کو بھی کمال درجہ کی فکر دامنگیر تھی یہاں تک
کہ حزین وغمگین بہت دیر بیٹھے رہے مگر آخر بیان کرنا پڑا ان امور میں غور کرنے سے
یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور
مکلف تھے۔ اگرچہ اصل مقصود عجائب قدرت حضرت کو دکھلانا تھا مگر اس کے بعد اس
مسئلہ کی حیثیت ہی کچھ دوسری ہوگئی اور ایک دینی مسئلہ ٹھہر گیا پہلے حضرت مامور ہوئے
کہ کفار اور مسلمانوں میں اس کا اعلان کردیں پھر قرآن شریف میں اس کا ذکر فرما کر
قیامت تک کے آنے والوں کو اس کی اطلاع دی گئی اور منجملہ ان مسائل کے ٹھیرایا گیا
جن پر ایمان لانا ضروری ہے گو خلاف عقل ہوں جیسے مسائل بعث ونشر ومقدرات
الٰہی وغیرہ چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالےٰ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا الآیہ یعنی وہ
خدا پاک ہے جو اپنے بندے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راتوں رات مسجد حرام
یعنی خانۂ کعبہ سے مسجد اقصےٰ یعنی بیت المقدس لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے
برکتیں دیں اور اس لے جانے سے مقصود یہ تھا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے
چند نمونہ معائنہ کرائیں انتہیٰ۔

اور اس واقعہ کے بعض اغراض اس طرح بیان کئے قولہ تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک
الا فتنۃ للناس یعنی یہ جو تم کو دکھایا گیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطے
تھا کہ لوگوں کی آزمائش ہوجائے۔ چنانچہ آزمائش اور فتنے کا حال بھی

ابھی معلوم ہوگیا کہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہوگئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا

(۴) کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جاکر صبح ہم میں موجود ہوگئے تو آپ نے اس کی تصدیق کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں تشریف لے گئے تھے ورنہ جواب میں فرماتے کہ یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ یہاں سے گیا ہی کب تھا جو پوچھا جاتا ہے کہ ثم اصبحت بین ظہرانینا یعنی صبح یہاں موجود ہوگئے۔

(۵) ایسے موقع میں تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور خصم کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی اپنی وہ اسی میں سمجھتے تھے کہ جھوٹ ثابت کریں اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل خواب سننے سے یہ جوش طبائع میں ہرگز نہیں پیدا ہوتا اُس میں تو توہین مقصود ہو تو زیادہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اضغاث احلام یعنی پریشان خواب ہیں جو قابل اعتبار نہیں ہوسکتے حالانکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہ کیا جائیگا کہ کسی مخالف نے اس واقعہ کو سنکر پریشان خواب کہا ہو۔

(۶) مقامی علامتیں بطور امتحان دریافت کرنا خواب کے واقعہ میں نہیں ہوا کرتا اسلئے کہ خواب کے بیان کرنے والے کو یہ دعوے ہی نہیں ہوتا کہ جو دیکھا ہے وہ واقع کے مطابق ہے اسی وجہ سے اُس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ واقعہ خواب میں دیکھا گیا ہے تو نہ اُن کو علامات پوچھنے کا موقع ملتا نہ حضرت کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی اور نہ فکر و کرب طبع غیور کو لاحق ہوتی۔

(۷) امتحان کے وقت نقشہ مسجد کا پیش نظر ہونے سے ظاہر ہے کہ کشف

اس موقع میں ہوا تھا جس کی تصریح فرمادی اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اسی طرح صراحۃً فرمادیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہو گئے تھے۔

الحاصل حدیث موصوف میں غور کرنے سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا ہے۔

کفار نے جب حضرت سے یہ واقعہ سنا تو اُن کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر ایسی کھلی جھوٹ ہے کہ جو سنیگا عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اُس کی تکذیب کریگا اس لئے انہوں نے پہلے یہ خیال کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فتنے میں ڈالیں۔ جب نعوذ باللہ وہ حضرت سے پھر جائینگے تو پھر کوئی حضرت کی رفاقت نہ دیگا اس لئے فوراً وہ صدیق اکبر رضؓ کے مکان پر پہنچے اور کہا کہ لیجئے آپ کے رفیق اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس جاکر آگئے کیا اس کی بھی تصدیق کی جائیگی مگر وہاں شان صدیقی جلوہ گر تھی ایسے باد ہوائی شبہات سے کب جنبش ہو سکتی تھی آپ نے فرمایا کہ اس کی بھی تصدیق میں کوئی تامل نہیں بشرطیکہ حضرت نے فرمایا ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے واخرج الحاکم وصححہ وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل عن عائشہ رضؓ قالت لما اسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المسجد الاقصیٰ اصبح یحدث الناس بذلک فارتد ناس ممن کانوا آمنوا بہ وصدقوہ وسعوا بذلک الی ابی بکر رضؓ فقالوا هل لک فی صاحبک یزعم انہ اسری بہ اللیلۃ الی بیت المقدس قال او قال ذلک قالوا نعم قال لئن قال ذلک لقد صدق قالوا فتصدقہ انہ ذہب اللیلۃ الی بیت المقدس وجاء قبل الصبح قال نعم انی لاصدقہ بما ہو ابعد من ذلک اصدقہ بخبر السماء فی غدوۃ اور وحۃ فلذلک سمی ابا بکر الصدیق کذا فی الدر المنثور یعنے عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جاکر واپس تشریف لائے
اُس کی صبح وہ واقعہ لوگوں سے بیان فرمایا جس سے بہت لوگ جو حضرت پر ایمان
لاکر ہر طرح کی تصدیق کر چکے تھے مرتد ہو گئے پھر کفار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس
آکر کہنے لگے کیا اب بھی آپ اپنے رفیق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق
کروگے لیجئے وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آج رات وہ بیت المقدس جاکر آگئے کہا کیا
حضرت نے یہ فرمایا ہے کہا ہاں کہا اگر فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے کہا کیا تم اس کی تصدیق
کرتے ہو کہ وہ رات بیت المقدس تک گئے اور صبح سے پہلے واپس آگئے
فرمایا ہاں میں تو بیت المقدس سے دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں یعنے جو
صبح شام آسمان کی خبریں بیان فرماتے ہیں اُن کو صحیح جانتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا انتہے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ذہن نشین یہی کرایا گیا تھا کہ حضرت حالت
بیداری میں بیت المقدس جاکر تشریف لائے اور اُسکی تصدیق پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
بلقب صدیق ملقب ہوئے اگر کفار نے سمجھا نہ تھا یا بہتان کیا تھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا
اُس کی تصریح فرمادیتیں کہ یہ کفار نے بہتان کیا تھا درحقیقت وہ خواب تھا۔

اب اس روایت کی قوت کو دیکھئے کہ باوجودیکہ حاکم رح کا میلان تشیع کی طرف تھا
جیسا کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رح بستان المحدثین میں لکھے ہیں۔ اور اس
حدیث سے صدیق اکبر رض کی فضیلت صدیقیت ثابت ہوتی ہے مگر قوت اسناد کے
لحاظ سے مستدرک میں اُس کو لکھکر تصریح کردی کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اس سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کے قائل ہیں

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں کیونکر صحیح ہوگا۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے مرتد ہونے اور دین اسلام کو چھوڑ دینے کو گوارا کیا مگر معراج جسمانی کو نہ مان سکے جیساکہ دوسری احادیث سے ابھی معلوم ہوا واضح رہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا مجازی طور پر ہے حقیقت میں تو وہ کفار ازلی تھے اور تعجب نہیں کہ برائے نام مسلمان کہلاتے ہوں کیونکہ مسلمانوں کے ایسے بودے اعتقاد نہیں ہوا کرتے۔

واخرج البزاز وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل وصححہ عن شداد بن اوس قال قلنا یا رسول اللہ کیف اسری بک فقال قد صلیت لاصحابی العتمۃ فاتانی جبرئیل بدابۃ بیضاء الی ان قال ثم انصرف بی فمررنا بعیر قریش بمکان کذا وکذا وقد ضلوا بعیرا لہم قد جمعہ فلان فسلمت علیہم فقال بعضہم ہذا صوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ثم اتیت اصحابی قبل الصبح بمکۃ فاتانی ابوبکر فقال یا رسول اللہ این کنت اللیلۃ قد التمسک فی مکانک فقلت اعلمت انی اتیت بیت المقدس اللیلۃ فقال یا رسول اللہ انہ میسرۃ شہر فصفہ لی قال ففتح لی صراط کانی انظر الیہ لا تسالونی عن شیٔ الا انباتکم عنہ فقال ابوبکر رض اشہد انک رسول اللہ وقال المشرکون انظروا الی ابن ابی کبشۃ زعم انہ اتی بیت المقدس اللیلۃ فقال ان من آیۃ ما اقول لکم انی مررت بعیر لکم بمکان کذا وکذا وقد اضلوا البعیر لہم فجمعہ فلان وان میسرہم ینزلون بکذا ثم کذا ویاتونکم یوم کذا وکذا یقدمہم جمل آدم علیہ مسح اسود وغرارتان سوداوتان فلما کان ذالک الیوم اشرف القوم ینظرون حتی کان قریبا من نصف النہار قدمت العیر یقدمہم ذالک الجمل الذی وصفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ

الامام السیوطی بطولہ فی الدر المنثور یعنی شداد بن اوس سے کہتے ہیں ہمنے عرض کی یارسول اللہ آپ کو بیت المقدس کس طرح لے گئے فرمایا میں جب صحابہ کے ساتھ عشا پڑھ چکا تو جبرئیل میرے لئے سواری لائے پھر تمام واقعہ بیان کرکے فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس سے لوٹے تو فلاں مقام میں ایک قافلہ پر ہمارا گذر ہوا جو مکہ کو جا رہا تھا اُن کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جس کو فلاں شخص نے گھیر لایا اُس حالت میں میں اُن پر سلام کیا بعضوں نے کہا یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز ہے غرض کہ صبح سے پہلے میں مکہ کو اپنے صحابہ میں پہنچ گیا پھر ابوبکر رض میرے پاس آئے اور کہا یارسول اللہ آپ رات کہاں تھے میں آپ کو آپ کے مقام پر تلاش کیا میں نے کہا تم جانتے ہو میں رات بیت المقدس گیا تھا اُنہوں نے کہا یارسول اللہ وہ تو ایک مہینے کی راہ ہے اُس کا کچھ حال بیان کیجئے فرمایا وہ دور تو ہے لیکن خدائے تعالےٰ نے ایک رستہ میرے لئے ایسا نزدیک کا کھولدیا کہ وہ میرے پیش نظر ہوگیا وہاں کی جو بات تم پوچھو میں بتا دوں گا۔ ابوبکر رض نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہو اور مشرکوں نے کہا دیکھو ابن ابی کبشہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس کو جا کر آگئے حضرت نے فرمایا میں ایک نشانی اس کی تمہیں بتلاتا ہوں کہ میرا گذر فلاں مقام میں تمہارے قافلہ پر ایسے وقت ہوا کہ اُن کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جس کو فلاں شخص نے گھیر لایا اور اُن کی رفتار ایسی تھی کہ فلاں مقام میں اتریں گے اُس کے بعد فلاں مقام میں اترینگے اور فلاں روز وہ یہاں پہنچ جائینگے قافلہ کے آگے ایک سفید اونٹ ہے جس کی پیٹ پر دو کالے گوں اور اُس پر ایک بوڑھا

سیاہ رنگ سوار ہے۔ جب وہ دن آیا تو لوگ اُس قافلہ کو دیکھنے نکلے چنانچہ دوپہر کے قریب وہ قافلہ آپہنچا اور جس طرح حضرت نے فرمایا تھا وہی اونٹ اُس کے آگے تھا انتہیٰ۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت نے طے مکان کو اشارۃً بیان فرمایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسالت کی شہادت دیکر اُس کی تصدیق کرلی کیونکہ جب رسالت مان لیجائے تو اُس کے سب لوازم مان لئے جاتے ہیں دیکھئے لفظ انصرفت اور ثم اتیت قبل الصبح بمکۃ سے ظاہر ہے کہ اُس رات حضرت مکہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ نے حضرت کو اُس رات تلاش کیا اور نہ پایا اگر حضرت وہاں ہوتے تو فرما دیتے کہ میں تو وہیں تھا یا فلاں مقام میں تھا بجائے اس کے صدیق اکبرؓ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ رات کہاں تھے یہ فرمانا کہ میں بیت المقدس گیا تھا آواز بلند کہہ رہا ہے کہ حضرت مع جسم تشریف لے گئے تھے۔ پھر ظاہر ہے کہ اُس قافلہ والوں پر ایسی جلدی کی حالت میں کہ سرعت سیر برق سے کم نہ تھی سلام کرنا اسی غرض سے تھا کہ خبر معراج سنکر اُن کے دل اُس کی صحت پر گواہی دیں کیونکہ اپنے کانوں سے اُنہوں نے حضرت کی آواز سن لی تھی۔

اور نیز جب کافروں نے کہا کہ حضرت بیت المقدس کے جانے کا دعوے کرتے ہیں تو اُن کے جواب میں یہ ارشاد کہ جانے کی نشانی میں تمہیں بتلاتا ہوں علانیہ ثابت کر رہا ہے کہ اُن کے قول کی تسلیم کی گئی کہ بیشک ہم گئے تھے اور اُس کی نشانیاں سُن لو اگر خواب وغیرہ میں گئے ہوتے تو

فرما دیتے کہ یہ میرا دعوےٰ ہی نہیں۔ اور جس طرح اس حدیث سے ثابت ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ان احادیث سے بھی ثابت ہے اخرج ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل وابن عساکر عن ابی سعید الخدری قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالمدینۃ عن لیلۃ اسری بہ من مکۃ الی المسجد الاقصے قال بینا انا نائم بالمسجد اذا تانی آت فایقظنی فاستیقظت کذا فی الدر المنثور یعنی ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں ہم لوگوں سے واقعہ معراج کا جو بیان فرمایا اُس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اُس رات میں مسجد میں سوتا تھا کہ اکایک کوئی شخص آکر مجھے بیدار کیا۔ اُس کے بعد پورا واقعہ اُس حدیث میں مذکور ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے۔ عن ابی اسحٰق وابن جریر وابن المنذر عن الحسن بن الحسینؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم فی الحجر جاءنی جبرئیل فھمزنی برجلہ فجلست فلم ارشیا فعدت لمضجعی فجاءنی الثانیۃ فھمزنی بقدمہ فجلست فلم ارشیا فعدت لمضجعی فجاءنی فھمزنی بقدمہ فجلست فاخذ بعضدی فقمت معہ الحدیث ذکرہ فی الدر المنثور یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا جو مسجد الحرام میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے جگایا مگر کوئی نظر نہ آیا اس لئے پھر سو رہا پھر جگایا پھر بھی کوئی نظر نہ آیا اور پھر سو رہا تیسرے بار کے جگانے میں میں اُٹھ بیٹھا اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں اُن کے ساتھ چلا اس کے بعد براق وغیرہ کا قصہ مذکور ہے۔

اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

میں بیت المقدس اُس رات میں جاکر آیا اور قرآن و حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے خواب پر دلالت ہو اور مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۴۰) میں لکھتے ہیں یہ مسلم ہے کہ النصوص تحمل علی ظواہرہا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تصریح فرما رہے ہیں کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا اور اُس پر اتنے قرائن موجود ہیں جو مذکور ہوئے پھر کسی ایماندار کو اُس کے ماننے میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے اسی وجہ سے صحابہ کو اس مسئلہ میں ذرا بھی شبہ نہ تھا چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو تفسیر درمنثور میں ہے اخرج عبدالرزاق وسعید بن منصور واحمد والبخاری والترمذی والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فی قولہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس قال ہی رؤیا عین اُریہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ الی بیت المقدس ولیست برؤیا منام یعنی آیہ شریفہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس کی تفسیر میں ابن عباس رضہ کہتے ہیں کہ رؤیا سے مراد یہاں رؤیت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی شب معراج جو نشانیاں حضرت کو بیت المقدس وغیرہ میں دکھلائی گئی تھیں وہ خواب نہ تھا۔

اب دیکھئے کہ باوجودیکہ رؤیا خواب کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے مگر چونکہ ابن عباس رضہ کو خواہ تواتر کی وجہ سے یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیا تھا معراج جسمانی کا یقین تھا اس لئے رؤیا کی تفسیر رؤیت بچشم کے ساتھ کی جو لازمہ معراج جسمانی ہے اگر اُن کو اس بات میں ذرا بھی تامل ہوتا تو قرآن کی تفسیر اس جزم کے ساتھ ہرگز نہ کرتے اور نہ اُس کو جائز رکھتے کیونکہ تفسیر بالرائے کو

یہ حضرات کفر سمجھتے تھے۔

ابن عباس رضؓ سے انی متوفیک کے معنی ممیتک جو مروی ہیں اُس کو مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور ابن عباس رضؓ کے فضائل بیان کر کرکے لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے علم قرآن اُن کے حق میں قبول ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس رضؓ جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں وہ صحیح اور قابل وثوق ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ مرزا صاحب ابن عباس رضؓ کی اس تفسیر پر اعتماد کر کے معراج جسمانی کے قائل ہوتے مگر افسوس ہے کہ اسکو قابل اعتبار نہ سمجھا اور اُس پر توجہ تک نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ اُن احادیث فضیلت پر ایمان زبانی تھا۔

ابن عباس رضؓ نے روایت مذکورہ میں رؤیت کو دو قسموں میں منحصر کیا رؤیت عینی اور رؤیت منامی اگر رؤیت کشفی جو مرزا صاحب کہتے ہیں کوئی علیحدہ چیز ہوتی تو اُس کو بھی بیان کر دیتے اس سے معلوم ہوا کہ رؤیت کشفی کو انہوں نے انہیں دو سے کسی ایک میں داخل کر دیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگرچہ منام میں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں مگر فی الواقع وہ چشم سر سے نہیں دیکھتا یہی حال کشفی رؤیت کا بھی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشف سے قیامت تک کے حالات کو بیان فرمایا ہے حالانکہ اُن چیزوں کا وجود ہی اُس زمانہ میں نہ تھا پھر کیونکر کہا جائے کہ حضرت نے آنکھوں سے اُن چیزوں کو دیکھا تھا حالانکہ ابصار کی شرط جو تقابل رائی و مرئی ہے فوت ہے اُس سے ثابت ہے کہ رویت کشفی رؤیت عینی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابن عباس رضؓ نے رویت کشفی کو رویت منامی میں داخل کر کے اُس کی بھی نفی کر دی اور رویت عینی کو ثابت کیا۔

اس موقع میں تعجب نہیں کہ مرزا صاحب اسکو بھی قبول کر لینگے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں بیٹھے ہوئے آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۵۲) میں ہے کیونکہ مرزا صاحب کو انکار یا تاویل یا رد و قدح کی ضرورت صرف وہاں ہوتی ہے جہاں اُن کی عیسویت وغیرہ پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسے علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جاتا ہے پھر جب وہ زندہ آسمان پر موجود ہوں تو احادیث کی رو سے لوگ اُنہیں کے انتظار میں لگجائیں گے اور مرزا صاحب کو کون پوچھیگا اس وجہ سے معراج کا انکار ہی کر دیا۔ اور شق القمر کے معجزہ کا کوئی اثر اُن کے مباحث پر نہ تھا اس لئے اُس کو مان لیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۳۰۱) میں لکھتے ہیں کہ معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور خدائے تعالےٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راستباز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اُس کو دکھایا تھا انتہیٰ۔

اور اُس کے بہت سی نظائر اُن کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں کلام اس میں تھا کہ تعجب نہیں مرزا صاحب رؤیت عینی کو بھی مان لیں کیونکہ اُس سے کوئی انکا ہرج نہیں البتہ حرکت جسمانی کو وہ اس خیال سے محال سمجھتے ہیں کہ کہیں معراج کے ضمن میں عیسیٰ بھی آسمان پر نہ چڑھ جائیں مگر رؤیت عینی کو اگر مان لیں تو کہا جائیگا کہ علم مناظر و مرایا میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرائی رائی سے اس قدر دور ہو کہ اُس کی نسبت اُس بعد کی طرف ایسی ہو جیسے ایک کی نسبت پانچ ہزار تین سو کی طرف ہے تو وہ شے نظر نہ آئیگی اس صورت میں

مرزا صاحب کے اس قول پر بھی ہنسیں گے جس کا اُن کو بہت خوف ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۱۴۶) میں لکھتے ہیں کہ مسیح کے بارہ میں یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جبکہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیونکر پہنچ گئے انتہیٰ۔

میری رائے میں اس فکر کی ضرورت نہیں اگر طبعی اور فلسفی لوگ یہ سن لینگے کہ مہینوں کی راہ سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا آنکھوں سے دیکھ لینا اور انگشت کے اشارہ سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دینا وقوع میں آگیا ہے تو ایسی حیرت اور پریشانی میں پڑ جائیں گے کہ عیسٰے علیہ السلام کے عروج پر ہنسنے کی نوبت ہی نہ آئے گی غرض عجائب قدرت کو شب معراج اپنے مقام میں بیٹھے ہوئے دیکھنا نہ عقلاً ثابت ہو سکتا ہے نہ نقلاً اور اگر معجزہ کے طور پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو قرآن کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہ اس سے تو صراحۃً حضرت کو لیجانا ثابت ہے پھر اگر لیجانا روحانی اور رؤیت جسمانی ہو تو اُس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت کی روح مبارک بیت المقدس بلکہ آسمانوں پر گئی اور جسمانی آنکھیں بغیر روح کے مکہ میں پڑی دیکھ رہی تھیں اور نیز اس تقدیر پر لفظ اسریٰ بے معنی ہوئے جاتا ہے وہاں توفی کے معنی پورے صادق آجاتے ہیں کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضیٰ علیہا الموت ویرسل الاخریٰ جس کا مطلب یہ کہ نیند بھی ایک قسم کی وفات ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر چھوڑ دی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ثابت

کرنے کی ضرورت ہوگی کہ بغیر روح کے بھی آنکھوں کو ادراک ہوسکتا ہے جو اس معراج میں مقصود بالذات تھا کما قال تعالے لنریہ من آیاتنا۔

شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ آیۂ شریفہ وما جعلنا الرؤیا کی تفسیر میں اختلاف ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ محققین مفسرین ومحدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباس رض کا ترجمان القرآن ہونا مسلم ہے اس لئے بہ نسبت اور تفسیروں کے اُن کی تفسیر زیادہ تر قابل قبول ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سابق سے بھی یہی امر مستفاد ہے پھر وہ روایت بھی کوئی ضعیف نہیں بلکہ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں موجود ہے اور مرزا صاحب بھی بخاری اور مسلم کی صحت اور قابل استدلال ہونے کے قائل ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۸۸۴) میں لکھتے ہیں کہ اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعوے میں کیوں بار بار اُن کو پیش کرتا انتہے

غرض کہ ابن عباس رض کی تفسیر اور بخاری شریف کی روایت دونوں مرزا صاحب کے مسلمات سے ہیں اور ان سے معراج جسمانی ثابت ہوگئی وہو المقصود۔

کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسیقدر اعتراض کیا تھا کہ اگر آپ بیت المقدس جاکر آئے ہیں تو وہاں کی نشانیاں بتلائیے پھر جب نشانیاں بتلائی گئیں تو اور کوئی اعتراض ان کو نہ سوجھا سوائے اس کے کہ عناد کی راہ سے ساحر کہدیا مگر مرزا صاحب چونکہ بڑے ہوئے اور فہم وذکا میں اُن سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اسلئے انھوں نے اس مسئلہ میں ضرورت سے زیادہ موشگافیاں کرکے ایسے اعتراضات قائم کئے کہ ابتک کسی کو سوجھے نہ تھے چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۳۲) میں لکھتے ہیں کہ

معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض ہے کسی حدیث میں ہے کہ چھت کو کھول کر جبرئیل آئے اور میرے

سینہ کو کھولا پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینہ میں ڈالا گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا مگر اُس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالے کیا گیا اور کسی حدیث میں ہے میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان میں تھا اور تین فرشتے آئے اور ایک جانور بھی لایا گیا۔ اور کسی میں براق کا کوئی ذکر نہیں اور کسی میں ہے کہ میں حطیم میں تھا یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا۔ اور کسی میں ہے بعثت سے پہلے یہ واقعہ ہوا اور بغیر براق کے آسمان پر گئے اور آخر میں آنکھ کھل گئی۔ اور ان پانچوں واقعوں میں لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور بعد تخفیف پانچ منظور کرائیں اور ترتیب رویت انبیا میں بڑا اختلاف ہے انتہی ملخصاً

یہ جتنی باتیں مرزا صاحب نے لکھی ہیں بے شک بخاری کی احادیث میں موجود ہیں باوجود اس کے کسی مسلمان کا ذہن اُن کے ابطال کی طرف منتقل نہ ہوا اور صحابہ کے زمانہ سے آج تک باوجود ان روایات متعارضہ کے وجود معراج پر اجماع ہی رہا اسلئے کہ جب یقینی طور پر کوئی چیز ثابت ہو جاتی ہے تو اُس کے عوارض میں اختلاف ہونے سے اُس یقین پر کوئی اثر پڑ نہیں سکتا مگر چونکہ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت ثابت کرنے کی غرض سے اُس کے ابطال کی ضرورت ہے اس لئے جن امور میں اغماض ہو رہا تھا ان کو ظاہر کر دیا تاکہ ضعیف الایمان لوگوں کو اصل معراج ہی میں شک پڑ جائے بہت خیر گذری کہ مرزا صاحب احادیث ہی میں تعارض پیدا کرنے کے درپے ہوئے اگر قرآن کی طرف توجہ کرتے تو اس قسم کے بہت سارے اعتراض اُس میں بھی پیدا کر دیتے ایک موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ دیکھ لیجئے کہ حق تعالے کہیں فرماتا ہے

کہ موسیٰ کو فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف بھیجا کما قال تعالیٰ ثم بعثنا من بعدہم موسیٰ بآیاتنا الی فرعون وملائہ اور کہیں فرماتا ہے کہ صرف قوم فرعون کی طرف بھیجا کما قال تعالیٰ واذ نادیٰ ربک موسیٰ ان ائت القوم الظالمین قوم فرعون اور کہیں فرماتا ہے کہ انہیں کی قوم کی ہدایت کو بھیجا کما قال تعالےٰ ولقد ارسلنا موسیٰ بآیاتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور۔ کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا کما قال تعالےٰ فائتیا فرعون وقولا انا رسول رب العالمین۔

اور کہیں فرماتا ہے صرف موسیٰ کو بھیجا کما قال واذ نادیٰ ربک موسیٰ ان ائت القوم الظلمین کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ نے ساحروں سے ابتداءً فرمایا کہ جو تم کو ڈالنا منظور ہو ڈالو کما قال تعالےٰ وقال لہم موسیٰ القوا ما انتم ملقون اور کہیں فرماتا ہے کہ پہلے ساحروں نے اس بات میں تحریک کی کما قال تعالیٰ قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین۔ کہیں فرماتا ہے کہ فرعون کی قوم کو ڈبو دیا کما قال تعالےٰ ثم اغرقنا الاخرین۔ اور کہیں فرماتا ہے کہ فرعون اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینکدیا کما قال فاخذناہ وجنودہ فنبذناہم فی الیم اور اُس کے نظائر قرآن میں بکثرت ہیں ہرچند یہ ظاہر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر کیا کوئی مسلمان یہ کہسکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تعارض کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں نعوذ باللہ من ذلک ممکن نہیں کہ اہل ایمان کے دل میں اس تعارض کا ذرا بھی اثر ہو یا اُسکو تعارض سمجھیں۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ شارع کو واقعات بیان کرنے سے کہانی مقصود نہیں ہوتی کہ جب بیان کی جائے پوری بیان کی جائے بلکہ وہاں ہر بیان میں ایک مقصود خاص

پیش نظر ہوا کرتا ہے پھر متعدد بیانوں سے پورا قصہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔
اب معراج کے قصہ میں غور کیجئے کہ جس کو خدائے تعالےٰ کی قدرت پر ایمان ہو کیا اُس کو ان امور میں جو اُس میں مذکور ہیں کچھ تامل ہوگا یا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں متفرق امور مربوط و مرتب کئے جاتے ہیں یہاں ممکن نہیں۔ کیا یہ تصدیق ممکن نہیں کہ خدائے تعالےٰ نے کسی مصلحت سے چھت کھول کر فرشتوں کو حضرت کے مکان میں اتارا ہو اور پھر چھت کو ملا دیا ہو جس میں ظاہرا ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اجسام کی خرق والتیام کا پہلے ہی سے حضرت کو مشاہدہ ہو جائے اور شق صدر کے وقت کسی قسم کا تردد نہ ہوا اور آسمانوں کے خرق والتیام کا استبعاد بھی جاتا رہے۔ کیا یہ محال ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو گھر سے مسجد میں اس غرض سے لایا ہو کہ معراج اُس متبرک مقام سے ہو اور تھوڑی دیر آپ آرام فرمانے کے بعد وقت مقررہ پر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو جگایا ہو۔ اور کیا جبرئیل علیہ السلام کو سونے کا طشت ملنا محال تھا یا یہ محال سمجھا گیا کہ اتنا بوجا اُٹھاکر وہ یا اُن کے ساتھ کے فرشتے آسمان پر کیسے چڑھ گئے اور یہ تو کسی حدیث میں نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت کو وہ طشت ہبہ کر دیا تھا پھر مرزا صاحب جو اُس سونے کے طشت کی تلاش کرتے ہیں کہ جو بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا معلوم نہیں کس خیال پر مبنی ہے۔ جب طشت کا آسمان پر اُٹھایا جانا مرزا صاحب کی سمجھ سے باہر ہے تو فی الواقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسےٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا ہرگز اُن کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی خلاف عادت اور خلاف عقل باتوں پر ایمان لانا ہر کسی کا کام نہیں

جب تک فضل الہی شامل حال نہ ہو ممکن نہیں کہ آدمی خدا و رسول کے ارشادات پر ایمان لاسکے چنانچہ حق تعالے فرماتا ہے بل اللہ یمن علیکم ان ہدٰکم للایمان ان کنتم صادقین یعنی بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا رستہ دکھایا بشرطیکہ تم دعوے اسلام میں سچے ہو۔ اگر آدمی کو ایمان لانا منظور ہو تو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو پیش نظر رکھکر اور اپنے قصور فہم کا اعتراف کرکے ایمان لاسکتا ہے جیسے کروڑہا مسلمان باوجود ان تمام مضامین مذکورہ کے جن کو مرزا صاحب اپنی کامیابی کا سامان سمجھ رہے ہیں ایمان لاتے رہے اور جب ایمان لانا منظور نہیں ہوتا تو مشاہدہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا چنانچہ کفار نے باوجودیکہ دیکھ لیا کہ حضرت نے اُن کے تمام شبہات کے جواب دیدئے مگر جب بھی ایمان نہ لائے۔

تقریر بالا میں اگر غور کیا جائے تو مرزا صاحب کے اکثر شبہات کے جواب ہوگئے مثلاً بعض احادیث معراج میں براق کا نام چھوٹ گیا اور بعضوں میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پہلے آرام فرمانا۔ اور بعضوں میں حطیم کا ذکر اور بعضوں میں جبرئیل علیہ السلام کا حضرت کو جگانا ترک ہوگیا اُس کی مثال ایسی ہے جیسے موسےٰ علیہ السلام کے واقعات کی ہر آیت میں بعض بعض امور فروگذاشت کئے گئے باوجود اس کے تعارض کا احتمال بھی نہیں ہوسکتا۔ البتہ بعض روایات میں جو وارد ہے کہ معراج قبل بعثت ہوئی وہ خلاف واقع ہے بجائے قبل ہجرت قبل بعثت کہا گیا ہے جیسے متعدد احادیث سے اور اجماع سے ثابت ہے مگر اُس میں کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی بعض

تحقیقات سے مستفاد ہے کہ کبھی موخر چیز مقدم بھی کہی جاتی ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ انی متوفیک ورافعک میں تقدیم و تاخیر ممکن نہیں جس ترتیب سے حق تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے وہی واقعی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے رفع ہوا اور وفات بعد ہو گی وہ اپنے لئے خدا کی استادی کا منصب تجویز کرتے ہیں نعوذ باللہ من ذلک اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو ترتیب لفظی واو کے ساتھ ہوتی ہے مرزا صاحب کے نزدیک وہ واقع کے مطابق ہوتی ہے یعنی واو بھی ترتیب کے لئے ہے اس قاعدہ کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام پہلے تھے اور اُن کے بعد ایوب یونس۔ ہارون اور سلیمان علیہم السلام وجود میں آئے کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے واوحینا الیٰ ابراہیم و اسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسےٰ وایوب ویونس وہٰرون وسلیمان جب بحسب تحقیق مرزا صاحب اس آیۂ شریفہ میں اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ گویا حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ پہلے تھے اور ایوب وغیرہ بعد حالانکہ توراۃ وانجیل واحادیث وغیرہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بعدیت یقیناً ثابت ہے اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی نے اسی طرح معراج کو بعثت پر مقدم بیان کیا جیسے عیسےٰ علیہ السلام ایوب و یونس و ہٰرون علیہم السلام پر مقدم بیان کئے گئے جس سے نہ کذب لازم آتا ہے نہ خلاف واقع خبر دینے کا الزام۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام میں معراج ایک ایسا مشہور واقعہ ہے کہ ابتدا سے آج تک ہر کسی کے زبان زد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس واقعہ کی کیفیت طولانی ہو اور اُس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوں تو بعض امور میں ضرور اختلاف

پیدا ہو جاتا ہے مگر اس اختلاف جزئی سے اصل واقعہ کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ہر فریق اُس واقعہ کے وجود پر گواہ سمجھا جائیگا دیکھئے جو لوگ قائل ہیں کہ معراج قبل بعثت ہوا وہ بھی معراج کے ایسے ہی مثبت ہیں جیسے بعد بعثت کے قائلین۔ ہاں یہ کہا جائیگا کہ کسی نے تاریخ میں غلطی کی ہے جو اصل واقعہ سے خارج ہے پھر وہ غلطی بھی دوسرے قرائن سے نکل سکتی ہے جیسا کہ خفاجی رح نے شرح شفای قاضی عیاض رح میں لکھا ہے کہ بہت سی روایتوں اور اتفاق جمہور اور اجماع سے ثابت ہے کہ معراج بعد بعثت اور قبل ہجرت ہوا ہے اس لئے قبل بعثت کی روایت قابل تاویل ہے۔

اصل منشا اس قسم کے اختلافوں کا یہ ہے کہ اوائل اسلام میں ہر امر میں مقصود بالذات پیش نظر رہا کرتا اور اُسی کا پورا پورا اہتمام ہوا کرتا تھا اور جن امور کو مقصود میں چنداں دخل نہیں اُن کے یاد رکھنے میں بھی چنداں اہتمام نہ ہوتا اس بات کا ثبوت اس سے ہو سکتا ہے کہ فی زماننا ادنیٰ ادنیٰ شیوخ و مشائخین کی تواریخ وفات وغیرہ میں کس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ روز تو کیا وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف اُس کے وہاں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف میں اختلاف پڑا ہوا ہے کسی روایت میں دوسری ربیع الاول کی ہے اور کسی میں تیرھویں اور کسی میں چودھویں۔ اسی طرح بعثت کے وقت میں بھی بڑا ہی اختلاف ہے کسی روایت میں ہے کہ اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف برابر چالیس سال کی تھی کسی میں ہے کہ ایک روز زیادہ ہوا تھا اور کسی میں زیادتی دس روز کی اور کسی میں دو مہینے کی کسی میں تین برس کی

اور کسی میں پانچ سال کی لکھی ہے اور سال ہجرت میں بھی بڑا اختلاف ہے بخاری میں ہے کہ نبوت سے تیرہ برس کے بعد ہجرت ہوئی اور مسلم میں پندرہ برس کے بعد اور مسند امام احمد اور نیز بخاری میں دس برس کے بعد جیسا کہ مواہب اللدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے۔

الحاصل واقعات کی تاریخ اُس زمانہ میں چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین نے تاریخ معراج کی تحقیق میں کوشش نہ کی اور یہ سمجھ لیا کہ مقصود بالذات معراج ہے خواہ قبل بعثت ہو یا بعد بعثت اُس کا وقوع ضرور ہوا۔ مرزا صاحب کے جرحی سوالوں کے لحاظ سے ایک معراج ہی کیا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ثابت ہوگی نہ ہجرت وغیرہ سیرۃ حلبیہ میں امام عبدالوہاب شعرانی رح کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس (۳۴) بار معراج ہوئی ایک حالت بیداری میں جسم کے ساتھ اور باقی روحانی۔ اور تفسیر روح البیان میں لکھا ہے قال الشیخ الاکبر الاظہر ان معراجہ علیہ السلام اربع وثلثون مرۃ واحدۃ بجسدہ والباقی بروحہ یعنی شیخ محی الدین عربی رح کا بھی یہی قول ہے کہ معراج چونتیس بار ہوی ایک بار بیداری میں اور باقی روحانی اس صورت میں جو معراج قبل بعثت ہوئی تھی اور جن معراجوں کا خواب میں ہونا معلوم ہوتا ہے وہ سب روحانی معراجوں میں داخل ہیں اور اُس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ قبل بعثت معراج ہونے کے حدیث جو بخاری کے صفحہ (۱۱۲) میں ہے اُس میں یہ الفاظ موجود ہیں انہ جاءہ ثلثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وھو نائم فی المسجد۔ اور اُسی کے آخر میں فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام

موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسجد میں آرام فرماتے تھے اس وقت تین فرشتے خواب میں آئے اور سب واقعہ دیکھنے کے بعد حضرت بیدار ہو گئے اور یہ واقعہ قبل نزول وحی الٰہی ہوا اس حدیث کے سوا ان پانچوں حدیثوں میں جن کو مرزا صاحب نے ذکر کیا ہے اس صراحت سے کسی میں خواب مذکور نہیں البتہ صفحہ (۵۴) کی حدیث میں بین النوم والیقظۃ مذکور ہے مگر اُس کے آخر میں فاستیقظ یا اُس کا مرادف کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ حالت آخر تک مستمر رہی کیونکہ اُس میں تو صرف ابتدائے حالت کا ذکر ہے کہ غنودگی تھی اور ظاہر ہے کہ بیدار مغز ادنےٰ حرکت سے چونک پڑتے ہیں۔ یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کرینگے کہ خواب کی حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو بیداری میں معراج ہونے کی حدیثوں میں ہے اور اُس میں بھی پچاس وقت کی نمازیں ابتداءً فرض ہونا اور بعد کمی کے پانچ مقرر ہونا موجود ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ نمازیں دو وقت فرض ہوئیں۔ مگر اُس کا جواب ادنےٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب قبل بعثت نبوت ملی ہی نہ تھی تو اُس کے لوازم اور کسی چیز کا فرض ہونا کیسا۔ وہ خواب تو صرف تمہیداً دکھایا گیا تھا کہ آئندہ ایسی خصوصیات اور وہ وہ فضائل حاصل ہونے والے ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئے جس کے دیکھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص توقع اور اشتیاق پیدا ہو گیا۔ اور یہ تو کتب تاریخ سے بھی واضح ہے کہ سلاطین وغیرہم جن کو غیر معمولی مدارج حاصل ہونے والے ہوتے ہیں اُن کو عالم رؤیا میں اکثر اطلاع ہو جاتی ہے چنانچہ اس قسم کے خواب رسالۂ (عجیب وغریب خواب) میں بہت سے مذکور ہیں اور اس خواب سے بہت بڑا نفع یہ بھی ہوا کہ جب بیداری میں

میں حضرت تشریف لے گئے تو کسی مقام سے اجنبیت اور ناآشنائی نہ رہے جو باعث توحش ہو۔ پھر خواب فقط معراج ہی کے پہلے نہیں بلکہ ہجرت وغیرہ کے پہلے بھی ہوا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رایت فی المنام انی اھا جر من مکۃ الی ارض بہا نخل فذھب وہلی الی انہا الیمامۃ او ھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب متفق علیہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ مکہ سے ہجرت کرکے اُس طرف جا رہا ہوں جہاں نخلستان ہے اُس وقت میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا پھر یکایک جو دیکھا تو وہ مدینۂ یثرب تھا۔ مقصود یہ کہ ہجرت کا واقعہ قبل ہجرت معلوم کرایا گیا اور مقام ہجرت بھی دکھلایا گیا مگر چونکہ حضرت نے پیشتر مدینہ طیبہ کو غالباً دیکھا نہ تھا اور یمامہ اور ہجر کا نخلستان مشہور تھا اس سبب سے خیال اُن شہروں کی طرف منتقل ہوا مگر ساتھ ہی معلوم ہو گیا کہ وہ مدینہ ہے۔

الحاصل جس طرح ہجرت سے پہلے ہجرت خواب میں ہوئی اُسیطرح معراج بھی پہلے معراج خواب میں ہوئی۔ اب اہل اسلام اس بات پر بھی غور کر لیں کہ کیا اس حدیث ہجرت میں کوئی ایسی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی پکڑی جائے مگر چونکہ مرزا صاحب اسی فکر اور تلاش میں رہتے ہیں کہ حضرت کی غلطیاں پکڑیں ان کو یہاں اتنا موقع مل گیا کہ حضرت نے (ذہب وہلی) فرمایا جس کے معنی وہم و خلاف واقع ہیں پھر کیا تھا جھٹ سے غلطی ثابت ہی کر دی چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۸۹) میں لکھتے ہیں وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں فذہب وہلی الی انہ الیمامۃ او ہجر فاذا ہی المدینۃ یثرب صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ

جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا۔ انتہیٰ

غور کیجئے کہ حضرت نے کب پیشگوئی کا دعوے کیا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر یمامہ یا ہجر جاؤنگا۔ بلکہ وہ تو بر سبیل حکایت فرمایا کہ خواب میں نخلستان دیکھکر ہجر کا خیال تو ہوا تھا مگر اسی وقت وہ مدینہ ثابت ہوا جو فاذا ہی المدینہ سے ظاہر ہے اس سے تو کمال درجہ کا صدق ثابت ہو رہا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے اُس خیال کو جو خواب میں پیدا ہوا تھا خواب ہی میں فوراً بدل دیا تاکہ وہ خواب اگر پیشگوئی کے لباس میں سمجھا جائے تو بھی اُس غلطی کا احتمال باقی نہ رہے۔ مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی پکڑنے کی خوشی میں اپنی غلط فہمی پر نظر نہ پڑی اور مصرعہ ع عیب نماید ہنرش در نظر کا مضمون صادق کر بتایا یہ ضمنی بحث تھی کلام اس میں تھا کہ قبل وقوع واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اطلاع ہو جاتی تھی اُس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے عن عائشۃ رض قالت اول مابدئ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم وکان لا یری رویا الا جاءت مثل فلق الصبح رواہ البخاری یعنی عائشہ رض فرماتی ہیں کہ ابتدا وحی کی رویائے صالحہ سے ہوئی جو کچھ حضرت خواب میں دیکھتے اُس کا ظہور روشن طور پر ہوتا جس میں کوئی اشتباہ نہ رہتا چنانچہ معراج کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جو واقعات خواب میں دیکھے تھے بلا کم و کاست بیداری میں بھی ملاحظہ فرمالیا

مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مقامات انبیا میں بڑا ہی اختلاف ہے اُس کا جواب تقریر بالا سے واضح ہے کہ نفس معراج میں ان امور کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ

کل روایات مثبت معراج ہیں البتہ اس اختلاف کا اثر نفس مقامات پر پڑیگا جس سے یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ کس نبی کا کونسا مقام ہے اور وہ کوئی ضروری بات بھی نہیں اسی وجہ سے راویوں نے اُس کے یاد رکھنے میں اہتمام نہ کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقامات انبیا کا مسئلہ منجملہ اسرار اور ایک لا یدرک بھید ہے اسی وجہ سے بعض متکلمین نے اس میں کلام کرنے کو مناسب نہیں سمجھا جیساکہ شہاب خفاجی رہ نے شرح شفا میں لکھا ہے۔ امام شعرانی رہ نے کتاب الیواقیت والجواہر میں لکھا ہے کہ معراج کے کئی فوائد ہیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جسم کو آن واحد میں دو مکانوں میں دیکھ لیا چنانچہ حضرت جب پہلے آسمان پر گئے آدم علیہ السلام کو دیکھا کہ اُن کے داہنے طرف اُن کی نیک بخت جنتی اولاد ہے اور بائیں طرف بدبخت دوزخی ہیں حضرت نے اپنی صورت نیک بخت جماعت میں دیکھکر شکر کیا۔ اور نیز موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر اُنھیں کو دیکھا کہ آسمان پر بھی موجود ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ اُن کی روح کو دیکھا انتہیٰ ملخصاً۔

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اختلاف انبیا علیہم السلام کے مقامات میں وارد ہے وہ راویوں کی غلطی نہ تھی بلکہ فی الواقع متعدد مقامات ہی میں دیکھے گئے تھے۔ اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں امام سیوطی رہ نے ایک مستقل رسالہ جس کا نام "المنجلی فی تطور الولی" ہے صرف اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ آن واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہوسکتے ہیں اور سبب تالیف یہ لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر طحطوطی رہ ایک شب کسی شخص کے مکان میں رہے اُس نے ایک مجلس میں شیخ کی شب باشی کا ذکر کیا

مجلس سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ تو تمام رات میرے گھر میں تھے ان دونوں میں رد و قدح کی نوبت یہانتک پہنچی کہ ہر ایک نے قسم کھائی کہ اگر وہ بزرگ میرے گھر میں رات بھر نہ رہے ہوں تو میری زوجہ پر طلاق ہے۔ جب شیخ سے پوچھا گیا تو انہوں نے دونوں کی تصدیق کی، اور کہا کہ اگر چار شخص کہیں کہ کہ میں ان کے ساتھ مختلف مقامات میں وقت واحد میں رہا جب بھی تصدیق کرلو امام سیوطی رح کے پاس جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے یہ فتوے دیا کہ کسی کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی اور کئی وقائع اور متقدمین علما کے فتوے استدلال میں پیش کئے جن سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت دی جاتی ہے کہ جب چاہیں وقت واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہوسکیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ جب کفار نے بطور امتحان مسجد کی نشانیاں حضرت سے پوچھیں تو مسجد وہاں موجود ہوگئی جس کو دیکھ دیکھکر حضرت ان کے جواب دیتے گئے کما ذکر و اقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذہبت انعت حتی التبس علیّ بعض النعت فجئی بالمسجد وانا انظر حتے وضع دون دار عقیل او عقال۔ یہ حدیث پوری اوپر مذکور ہے امام سیوطی رح اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ یہ بھی اسی قسم کی بات ہے کیونکہ اصل مسجد اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی اور یہاں بھی موجود تھی جس کو حضرت ان الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں فجئی بالمسجد حتے وضع دون دار عقیل اور تفسیر روح البیان میں امام شعرانی رح کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ محمد خضری رح نے ایک ہی روز پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ پڑھا اور امامت کی روض الریاحین اور کتب طبقات

اولیاء اللہ سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ پر اولیاء اللہ کا اجماع ہے۔
غور کیا جائے کہ جب اولیاء اللہ کو اس عالم کثیف میں یہ قدرت حاصل ہو کہ وقت واحد میں متعدد جگہہ موجود ہو سکتے ہیں اور مسجد و جگہ آن واحد میں موجود ہو گئی تو انبیا علیہم السلام کو اُس عالم لطیف میں وہ قدرت حاصل ہونا کونسی بڑی بات ہے غرض کہ انبیا علیہم السلام کا مختلف مقامات میں حضرت سے ملنا گو بظاہر تعارض کی شکل میں نمایاں ہے لیکن واقع میں وہ تعارض نہیں البتہ متوسط عقول اُس کے سمجھنے میں قاصر ہیں مگر غنیمت یہ ہے کہ مرزا صاحب اس قسم کے اسرار کے قائل ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۴۰) میں لکھتے ہیں کہ

در حقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لایدرک بھید کے طور پر ہے جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی روحیں بن گئی ہیں۔ کلمات اللہ ہی بحکم ربی لباس ارواح کا پہن لیتے ہیں اور اُن میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں۔ پھر وہ روح کی حالت سے باہر آکر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں۔ اور ہمارے ظاہر بین علما اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقاید یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں انتہی۔

کلمات کا ارواح بن جانا نہ کہیں قرآن میں ہے نہ حدیث میں باوجود اس کے جب وہ لایدرک بھید قابل تصدیق ہے تو ارواح کا متعدد مقامات میں ہونا جو صراحتًا احادیث سے ثابت ہے لایدرک بھید قابل تصدیق کیوں نہ ہو اور جب کسی جسم کا متعدد مقامات میں آن واحد میں ہونا احادیث صحیحہ اور

اجماع اولیاء اللہ سے مستبعد نہ ہو تو ارواح مقدسہ کا متعدد مقامات میں پایا جانا کیوں مستبعد ہو۔ الحاصل بعض انبیا کی ارواح متعدد آسمانوں میں پایا جانا جو احادیث میں وارد ہے ایسی بات نہیں ہے کہ اُس کی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے بخاری شریف بے اعتبار کر دی جائے یا معراج ہی کا انکار کر دیا جائے اگر قصور فہم کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو قرآن شریف کا ایک معتدبہ حصہ نعوذ باللہ بیکار اور بے اعتبار ہوئے جاتا ہے۔ ایک تخت بلقیس ہی کا واقعہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر حیرت انگیز ہے ایک بڑا شاندار تخت شاہی صدہا کوس کے فاصلہ سے ایک لمحہ میں صحیح سالم سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ جانا کیا معمولی عقلوں میں آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ شہاب خفاجی رحمہ نے شرح شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ جس قدر مسافت مکہ معظمہ سے بیت المقدس کی ہے اس سے زیادہ مسافت کو اس تخت نے طرفۃ العین میں طے کیا۔ حق تعالٰے فرماتا ہے قال الذی عندہ علم الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ہٰذا من فضل ربی ترجمہ ایک شخص جس کو کتابی علم تھا بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ کے حضور میں لا حاضر کرتا ہوں انتہےٰ۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی مسلمان اس تخت کی غیر معمولی سرعت سیر میں کلام کر سکے۔ پھر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرعت سیر وغیرہ میں کلام کرنا کیسی بات ہے۔ ایماندار سے تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۶۹) میں لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

رفع جسمی کے بارے میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی انتہی۔ اس تقریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے دوسری یہ کہ عائشہ رض اس کے منکر تھیں۔ کتب رجال وغیرہ سے ثابت ہے کہ صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ لفظ تقریباً کے لحاظ سے اگر زیادتی حذف کی جائے تو بھی بقول مرزا صاحب ثابت ہے کہ لاکھ صحابہ معراج جسمانی کا اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس بات پر لاکھ صحابہ کا اعتقاد ہوا اسلام میں وہ کس قدر قابل وقعت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ فرقۂ ناجیہ وہی ہے کہ ان کا اعتقاد صحابہ کے اعتقاد کے موافق ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی متفق علیہ اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہے کما فی کنز العمال عن ابی داؤد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ حم وک جب عموماً جماعت سے مخالفت کرنے والے کا یہ حال ہو تو لاکھ صحابہ کی جماعت کے مخالف کرنے والے کا کیا حال ہوا اور آیۂ شریفہ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی الآیہ سے اس کی وعید ثابت ہے۔

اب رہا یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے منکر ہیں سو وہ بالکل غلط ہے

اس لئے کہ ابھی بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج بیت المقدس جاکر تشریف لائے اور وہ واقعہ بیان فرمایا تو بہت سے مسلمان مرتد ہوگئے اور کفار نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جاکر کہا۔ کیا اس کی بھی تصدیق کروگے اور انہوں نے تصدیق کی اسی روز سے آپ کا نام صدیق قرار پایا۔

ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اگر عائشہ رض کے نزدیک یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ضرور فرماتیں کہ اُن بے وقوفوں نے جو مرتد ہوگئے اتنا بھی نہ سمجھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے جو عادۃً ایسے خلاف عقل خواب ہر شخص کو ہوا کرتے ہیں اور ابوبکر رض کو کفار کا عار دلانا کس قدر بیہودگی اور حماقت تھی۔ پھر صرف خواب کی تصدیق پر لقب صدیق حق تعالےٰ کی طرف سے اُن کو ملنا کیسا بدنما تھا نعوذ باللہ من ذٰلک۔ عائشہ رض کا اس واقعہ کو بغیر تصریح خواب کے بیان کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ عالم بیداری میں تھا جس پر یہ آثار مرتب ہوئے

پھر جو اُن سے یہ روایت ہے واخرج ابن اسحٰق و ابن جریر عن عائشہ رض قالت ما فقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اللہ اسری بروحہ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ معراج حضرت کی روح کو ہوئی اور جسم مبارک میرے پاس سے غائب نہ ہوا۔ کیونکر صحیح ہوگی۔ اول تو یہ روایت صحاح میں نہیں پھر اُس میں یہ اختلاف ہے کہ بعض ما فقدت کہتے ہیں اور بعض ما فقد جیساکہ شہاب خفاجی رح نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

اور شفائے قاضی عیاض رح میں ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک

ثابت نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحق ہیں جن کو امام مالک رحمہ نے
ضعیف کہا ہے اور علامہ زرقانی رحمہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے۔ کہ
اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن دحیہ نے
تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنیکی
غرض سے بنا لیا ہے انتہی۔

قطع نظر اس کے ما فقدت کی روایت تو کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتی اس لئے
کہ اُس زمانہ میں عائشہ رضہ کا نکاح ہی ہوا نہ تھا پھر اُن کا یہ کہنا کہ حضرت میرے
پاس سے مفقود نہ ہوئے کیونکر صحیح ہو سکتا اور نہ وہ زمانہ اُن کے سن شعور کا
تھا اس لئے کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے مواہب اللدنیہ میں
لکھا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ڈیڑھ سال بعد ہوا
اور بعض پانچ سال کے بعد اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشتر کہتے ہیں
اگر اخیر کا قول بھی لیا جائے تو اُس وقت اُن کی عمر سات سال کی ہوگی کیونکہ
بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت اُن کی عمر آٹھ سال کی تھی اور
ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیق مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی۔ اور دوسرے
قول پر معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال ولادت ہے اس لئے
کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ
سال کے بعد ہوئی اور جب ہجرت کے وقت اُن کی عمر آٹھ سال کی تھی تو
پانچواں سال جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے اُن کی ولادت کا
زمانہ ثابت ہوگا۔ اور پہلے قول پر تو معراج اُن کی ولادت باسعادت سے

تخمیناً تین سال پیشتر ہوچکا تھا اور یہی قول درایۃً وروایۃً قابل وثوق معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں اور جمیع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمانۂ بعثت سے نماز کی فرض ہونے کا زمانہ بہت ہی قریب ہوگا اور اس قول کی پوری تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو درمنثور میں ہے واخرج الطبرانی عن عائشۃ رض قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اسری بی الی السماء ادخلت الجنۃ فوقعت علی شجرۃ من اشجار الجنۃ لم ار فی الجنۃ احسن منہا ولا ابیض ورقا ولا اطیب ثمرۃً فتناولت ثمرۃً من ثمرتہا فاکلتہا فصارت نطفۃ فی صلبی فلما ہبطت الی الارض واقعت خدیجۃ رض فحملت بفاطمۃ رضی اللہ عنہا فاذا انا اشتقت الی ریح الجنۃ شممت ریح فاطمۃ۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میں شب معراج آسمان پر گیا تو مجھے جنت میں لے گئے وہاں ایک جھاڑ دیکھا جس کے پتے نہایت سفید اور پھل نہایت پاکیزہ تھے اُس سے بہتر کوئی جھاڑ نظر نہ آیا میں اُس کا ایک پھل لیکر کھایا جس سے نطفہ میری پشت میں بنا جب میں زمین پر آیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصاجعت کا اتفاق ہوا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حمل قرار پایا اب جب کبھی مجھے جنت کی بوسونگھنے کا شوق ہوتا ہے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بوسونگ لیتا ہوں انتہی۔

دیکھئے معراج کا بعثت سے دو کر سال ہونا اس روایت سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مواہب اللدنیہ میں علامہ قسطلانی رح نے لکھا ہے کہ فاطمۃ الزہرا علیہا وعلی ابیہا الصلوۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے

وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال کی تھی چونکہ عرب کی عادت ہے کہ سال پر جو مہینے زیادہ ہوتے ہیں اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے جائز ہے کہ بعثت کے دوسرے سال کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی ہو اور معراج اُسی سال کے نصف اول میں ہوئی ہو جس سے مدت حمل دونوں کے مابین میں پوری ہو جاتی ہے۔ الحاصل اس روایت کے لحاظ سے تاریخ معراج کے تین قولوں میں یہی قول مناسب تر ثابت ہوتا ہے ورنہ دوسرے اقوال پر یہ روایت بے ضرورت خلاف واقع ٹھہرتی ہے۔ اب دیکھئے کہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی یہ حدیث روایتِ ما فقدت جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر صحیح ثابت کر رہی ہے اور لطف خاص یہ ہے کہ روایت تناول میوہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے اور نیز یہ بات اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے قائل تھیں اس لئے کہ عقلاً اور عادۃً محال ہے کہ کوئی چیز خواب میں کھائی جائے اور اُس سے نطفہ بنے۔ اگر کہا جائے کہ خدائے تعالےٰ کی قدرت میں وہ محال نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ اس حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضرت نے بیداری میں جنت کا پھل تناول فرمایا جو نطفہ بن گیا دوسرا خواب میں اُس کا تناول فرمانا مگر احتمال اول صرف احتمال ہی نہیں بلکہ الفاظ و عبارت اسی پر دال ہیں اور قرینہ بھی اُسی کا شاہد ہے اور دوسرا احتمال نہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے نہ کوئی اُس پر لفظی قرینہ ہے بلکہ صرف اس خیال سے پیدا کیا جاتا ہے کہ معراج جسمانی عادۃً جائز نہیں حالانکہ عقلاً اُس کا جواز اور قرآن و احادیث و اجماع صحابہ سے اُس کا وقوع

ثابت ہے اس صورت میں وہ معنی جو عبارت النص اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں چھوڑکر ایک ضعیف مردود احتمال پیدا کرنا کیونکر جائز ہوگا ۔ اب رہا یہ کہ قدرت الٰہی سے خواب میں کھایا ہوا پھل نطفہ بن جانا سو ہمیں بھی اس قدرت میں کلام نہیں مگر جیسی یہ قدرت ہے ویسا ہی بیداری میں جسمانی معراج کرانا بھی قدرت الٰہی میں داخل ہے پھر ایک قدرت کو ماننا اور دوسری کو نہ مان کر قرآن و احادیث و اجماع صحابہ وغیرہم کا انکار کرنا کس قسم کی بات ہے ۔ الحاصل عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت مرفوع سے بھی ما فقدت جسدہ والی حدیث موقوف غیر صحیح ثابت ہوتی ہے اب غور کیا جائے کہ جب عائشہ رض خود یہ حدیثیں روایت کر رہی ہیں کہ حضرت رات بھر میں بیت المقدس جاکر تشریف لائے جس کو سنکر بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور صدیقیت کا لقب اسی کی تصدیق سے ابوبکر رض کو ملا اور اپنی ولادت سے پیشتر جسمانی معراج ہوئی تو کیونکر خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے انہوں نے یہ بھی کہا ہوگا کہ شب معراج حضرت کا جسم مبارک اپنے پاس سے غائب نہ ہوا یا روحانی معراج تھی غرض ان متعدد قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب تصریح علامہ قسطلانی حدیث ما فقد جسمہ صلی اللہ علیہ وسلم موضوع ہے ۔

اصل منشا اس حدیث کے بنانے کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسروق رح نے عائشہ رض سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا انہوں نے کہا کہ تمہارے اس سوال سے میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اگر یہ بات کوئی تم سے کہے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار اس پر کسی نے خیال کیا ہوگا کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ رؤیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج ہوئی ہے اس قرینے سے اون کو یہ حدیث بنانے کا موقع ہاتھ آگیا جس سے اُن کا مقصود یہ تھا کہ احادیث میں تعارض پیدا کر دیں ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ رویت قلبی معراج جسمانی کے منافی نہیں جیسا کہ شفا میں قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ بعض اصحاب اشارات کا قول ہے کہ معراج تو جسمانی تھا مگر اس لحاظ سے کہ کہیں محسوسات اور عجائب کی طرف دل مائل نہ ہو حضرت نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسی حالت میں دیدار الٰہی ہوا۔

بحث معراج میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُس میں کئی امور مقصود بالذات تھے ایک اظہار معجزہ جس سے کفار کو الزام دینا مقصود تھا چنانچہ اُس کا ظہور یوں ہوا کہ سب جانتے تھے کہ حضرت بیت المقدس کبھی گئے نہ تھے مگر جو جو نشانیاں اُس کے وہ پوچھتے گئے حضرت نے پوری پوری بتلا دیں جس سے وہ قائل ہو گئے۔

دوسرا مسلمانوں کا امتحان کما قال تعالےٰ وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنۃ للناس چنانچہ اس واقعہ سے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

تیسرا قدرت کی نشانیاں دکھلانا جیسا کہ ارشاد ہے لنریہ من آیاتنا وقولہ تعالےٰ لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔

چوتھا قرب اور دنو بلاکیف سے ایک خاص غیر معمولی طور پر حضرت کو مشرف کرنا جیسا کہ ارشاد ہے ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ اس واقعہ میں معجزہ کی حیثیت صرف بیت المقدس تک جا کر آنے میں ختم ہو جاتی ہے کیونکہ آسمانوں کے وقائع بیان کرنے سے کفار پر کوئی الزام قائم نہیں ہوتا اسی وجہ سے جن احادیث میں ذکر ہے کہ کفار کے روبرو حضرت نے

اسریٰ کا حال بیان کیا اُن میں صرف بیت المقدس اور اُس کے رستہ ہی کے وقائع مذکور ہیں۔ اور قرآن شریف میں بھی صراحۃً اُسی کا ذکر ہے اگر کفار سے کہا جاتا کہ آسمانوں پر گئے اور انبیاء سے ملاقات کی اور جنت و دوزخ وغیرہ دیکھے تو کوئی حجت قائم نہ ہوتی جیسے بیت المقدس کے نشانیاں دیکھی ہوئی بیان کرنے میں حجت قائم ہو گئی اور اُن کو نادم ہونا پڑا۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر جانا گو اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے لیکن اُس میں تحدی اور کسی کو الزام دینا مقصود نہیں بلکہ وہ منجملہ اُن فضائل و خصوصیات کے ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے خاص کی تھیں درحقیقت وہ وہ ایک راز کی بات تھی جس کے سننے کے مستحق وہی ہوا خواہ تھے جو اپنے ولی نعمت کی ترقی مدارج اور فضائل سنکر خوش ہوا کرتے تھے پھر وہاں کی باتیں سب ایسی نہ تھیں کہ ہر شخص کی عقل ان کو قبول کر سکے اور حضرت ہر شخص کی طبیعت اور حالت سے خوب واقف اور حکیم تھے اس لئے بمقتضائے حکمت ہر ایک کو علیٰ قدر مراتب عقول ان اسرار پر مطلع فرمایا اسی وجہ سے رؤیت کے مسئلہ میں بہت اختلاف ہے بعضے رؤیت عینی کے قائل ہیں اور بہت سے رؤیت قلبی کے قاضی عیاض رحمہ نے شفا میں ترمذی سے نقل کیا ہے۔ روی عبد اللہ بن الحارث قال اجتمع عباس رض وکعب رض فقال ابن عباس اما نحن بنو ہاشم فنقول ان محمد ارای ربہ فکبر کعب حتی جاوبتہ الجبال وقال ان اللہ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد صلی اللہ علیہ وسلم وموسیٰ ورآہ محمد بقلبہ انتہیٰ۔

وقال ابن عباس فیما روی الحاکم والنسائی والطبرانی ان اللہ اختص موسیٰ بالکلام

وابراہیم بالخلۃ ومحمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالرؤیۃ وعن ابن عباس انہ راٰہ بعینہ ہذا کلہ

فی الشفاء وشرحہ للخفاجی رح ماحصل اس کا یہ ہے کہ ابن عباس رض فرماتے ہیں

کہ لوگ کچھ بھی کہیں ہم بنی ہاشم تو یہی کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ حضرت کی خصوصیت تھی جو کسی نبی کو حاصل

نہ ہوئی۔ اب دیکھئے بنی ہاشم خصوصاً ابن عباس رض کا یہ کہنا کہ حضرت نے اپنے

رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بظاہر لاتدرکہ الابصار کے معارض ہے پھر

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حضرت کی قرابت یا محبت کی وجہ سے اُس نص قطعی کے

مخالف یہ رائے قائم کئے ہونگے ہرگز نہیں۔ ان حضرات نے ضرور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سُنا ہوگا اگر یہ حسن ظن نہ کیا جائے تو بہت بڑا الزام

تفسیر بالرائے کا اُن کے ذمہ عائد ہوگا اور اس حسن ظن پر یہ قرینہ بھی ہے

کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا کہ علاوہ کامل الایمان

ہونے کے بمقتضائے قرابت اور فرط محبت خصوصیات وفضائل کامل

اپنے سُنکر سب سے زیادہ خوش ہونے والے یہی لوگ ہیں اس لئے

اُن کو اس قابل سمجھا کہ اس راز پر مطلع کئے جائیں۔ اور حق تعالیٰ نے

بھی اپنے کلام پاک میں بطور راز حضرت کی تصدیق فرمادی تاکہ اُن

راز دانوں کا ایمان اور مستحکم ہو جائے کما قال تعالیٰ والنجم اذا ہوی

ما ضل صاحبکم وما غویٰ وما ینطق عن الہویٰ ان ہو الا وحی یوحی علمہ شدید القویٰ

ذو مرۃ فاستوی وہو بالافق الاعلیٰ ثم دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ماکذب الفؤاد ما رایٰ افتمارونہ علیٰ مایریٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ
الاٰیہ ترجمہ قسم ہے تارے کی جب گرے بہکے نہیں تمہارے رفیق یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بے راہ نہیں چلے اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے یہ تو حکم ہے جو پہنچاتے ہیں سکھایا اُن کو سخت قوتوں والے زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا کنارہ بلند پر پھر نزدیک ہوا اور اُتر آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر پھر جو پیغام اپنے بندے کی طرف بھیجنا تھا بھیجا اُن کے دل نے اُس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا اب کیا تم جھگڑتے ہو اُس پیچ جو اُنہوں نے دیکھا ہے اُس کو ایک دوسرے بار انتہیٰ دیکھئے اس آیۂ شریفہ میں ضمائر وغیرہ کیسے پہلو دار ہیں جن سے موافق مخالف دونوں استدلال کر سکیں اسی وجہ سے دنا فتدلیٰ اور ولقد راٰہ کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ یہی تفسیر کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے قریب ہوئے اور اپنے رب کو دیکھا کما فی الدر المنثور للامام السیوطی رح

واخرج ابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ عن ابن عباس رض فی قولہ ثم دنا فتدلیٰ
قال ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنا فتدلیٰ الیٰ ربہ عزوجل اور نیز در منثور میں ہے
واخرج الترمذی وحسنہ الطبرانی وابن مردویہ والبیہقی فی الاسماء والصفات
عن ابن عباس رض فی قول اللہ ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ قال ابن عباس رض قال رایٰ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ربہ عزوجل غرض کہ اختلاف آثار و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے امور میں ہر ایک کے فہم اور حوصلہ کے مطابق
کلام کیا کرتے تھے چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے عن ابن عباس رض قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثنا معاشر الانبیاء نخاطب الناس علیٰ قدر عقولہم

ذکرہ الامام السخاوی رحمہ فی المقاصد الحسنہ مع نظائرہ۔

اس میں شک نہیں کہ تمام صحابہ کامل الایمان تھے مگر پھر بھی اُس کو ماننا پڑیگا کہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصیت تھی وہ عموماً دوسروں کو نہ تھی اسی طرح جو اہل بیت اور بنی ہاشم کو خصوصیت تھی بنی امیہ کو حاصل نہ تھی دیکھ لیجئے تقریباً تمام صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی بات پر رہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا جیسا کہ شفا میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے یہ بیان ہی نہیں کیا تھا ورنہ ممکن نہیں کہ حضرت سے سنکر بھی اُس کے خلاف اعتقاد رکھتے غرض وہ راز چندے بنی ہاشم میں رہا پھر اُنہوں نے بحسب صلاحیت اپنے ہمشربوں سے کہا یہانتک کہ شدہ شدہ خاص خاص مجلسوں میں اُس کا ذکر ہونے لگا پھر بمصداق نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا؛ وہ راز طشت از بام ہوگیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض علما نے تصریح کردی کہ وہی مذہب صحیح ہے چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے وفی کشف الاسرار قال بعضہم راٰہ بقلبہ دون عینہ وہذا خلاف السنۃ والمذہب الصحیح انہ علیہ السلام راٰے ربہ بعین راسہ انتہیٰ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کما فی الشفا للقاضی عیاض رحمہ وحکی النقاش عن احمد بن حنبل انہ قال اقول بحدیث ابن عباس رضہ بعینہ راٰئے ربہ راٰہ راٰہ حتی انقطع نفسہ یعنی نفس احمد یعنی امام احمدؒ راٰی ربہ کہکر لفظ راٰہ کو اتنی دیر تک مکرر کرتے رہے جب تک

سانس نے یاری دی۔ یہ بات وجدان سے دریافت کرنے کے قابل ہے کہ لفظ راٰہ کی تکرار کے وقت اس امام جلیل القدر پر کیسی حالت وجد طاری تھی کہ اس بیخودانہ غیر معمولی حرکت صادر ہونے پر مجبور تھے یا یہ بات تھی کہ کمال غضب سے دیر تک اس لفظ کو مکرر کیا تاکہ مخالفوں پر ہیبت طاری ہو اور کوئی دم نہ مار سکے اور اُن کے پہلے عکرمہ رضہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا چنانچہ ابن جریر رح نے تفسیر میں لکھا ہے اخبرنا عباد بن یعنی بن منصور قال سالت عکرمہ رم عن قولہ ماکذب الفواد ماراٰی قال اترید ان اقول لک قد راٰہ نعم قد راٰہ ثم قد راٰہ ثم قد راٰہ حتی انقطع النفس۔ اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رح نے لکھا ہے فقد کان (الحسن) علیہ الرحمہ یحلف باللہ تعالے لقد راٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ یعنی حسن بصری رح قسم کھا کر کہتے تھے کہ حضرت نے اپنے رب کو دیکھا عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب جو روایت کے باب میں بنی ہاشم کے خلاف ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کسی مصلحت سے نہ فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمایا ہو مگر اُنہوں نے عقول کی رعایت سے بیان نہ کیا ہو کیونکہ ایسے امور کے بیان کرنے میں احتیاط کرنے کا حکم ہے جیسا کہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رح نے لکھا ہے عن ابن عباس رم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتحدثوا امتی من احادیثی الا ماتحتملہ عقولہم فیکون فتنۃ علیہم فکان ابن عباس رم یخفی اشیاء من حدیثہ ولیفشیہا الی اہل العلم یعنی ابن عباس رہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری حدیثوں میں سے وہی حدیثیں میری امت سے بیان کرو جن کو اُن کی عقلیں تحمل کرسکیں اسی وجہ سے ابن عباس رم

بہت سی حدیثیں عام لوگوں سے چھپاتے اور اہل علم پر ظاہر کرتے تھے انتہیٰ۔
یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ کے اکثر اقوال تفاسیر میں باہم متعارض وارد ہیں
چنانچہ اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ رؤیت قلبی کی بھی روایت اُن سے وارد ہے جیسا کہ
درمنثور میں ہے واخرج مسلم واحمد عن ابن عباسؓ فی قولہ ماکذب الفؤاد مارأی
ولقد راٰہ نزلۃ اخری قال رای محمدؐ ربہ بقلبہ مرتین یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ رؤیت
قلبی اور رؤیت عینی ایک نہیں تو ایک قول ضرور واقع کے خلاف ہوگا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ رؤیت الٰہی کی حقیقت عقول سے خارج ہے اس لئے
ممکن نہیں کہ وہ رؤیت ایسی ہو جیسے ہم اجسام کو دیکھتے ہیں جائز ہے کہ وہاں
رؤیت عینی رؤیت قلبی کے مقارن ہو اور دونوں صادق آجائیں۔ چنانچہ تفسیر
روح البیان میں لکھا ہے قال علیہ السلام رایت ربی بعینی و بقلبی رواہ مسلم فی صحیحہ
اور اسی میں لکھا ہے۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید	خداوند جہاں را بے جہت دید
دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود	دلش در چشم و چشمش در دلش بود

اور یہ بھی لکھا ہے شیخ ابوالحسین نوری را قدس سرہ از معنی این آیہ یعنی افتمارونہ
علی مایری پرسیدند جواب داد جائیکہ جبرئیل نگنجید نوری کیست کہ ازاں سخن
تواند گفت۔

خیمہ بروں زد حدود جہات	پردۂ او شد تتق نور ذات
تیرگی ہستی ازو دور گشت	پردگی پردۂ آں نور گشت
کیست کزاں پردہ شود پردہ ساز	زمزمۂ گوید ازاں پردہ باز

الغرض اخفائے راز کے مقام میں رؤیت قلبی کہدیا تاکہ عقول متحمل ہوسکیں اور وہ بھی خلاف واقعہ نہیں رؤیت کی تقریر ایک مناسبت سے ضمناً لکھی گئی اصل کلام اس میں تھا کہ عائشہ رض معراج جسمانی کے منکر ہیں یا نہیں سو یہ ثابت ہوگیا کہ اُن کو اس کا اقرار ہے اور جو انکار اُن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بے اصل اور موضوع روایت ہے - پھر جو مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی - قابل تسلیم نہیں -

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۸) میں لکھتے ہیں کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا - میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف بزرگترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفی و اجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے انتہےٰ -

افسوس ہے مرزا صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی کچھ قدر نہ کی اور اپنے جیسا کثیف سمجھا حالانکہ وہ جسم لطیف درحقیقت نور محض تھا - چنانچہ شفا میں قاضی عیاض رہ نے کعب احبار اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیۂ شریفہ اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ میں نور ثانی سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور اسی میں لکھا ہے کہ حقتعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ حضرت کو نور اور سراج فرمایا ہے - چنانچہ ارشاد ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتاب وقولہ تعالیٰ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاہدا و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیرا -

اور اس کی تصدیق اس سے کھلے طور پر ہوتی ہے کہ حضرت دھوپ یا چاندنی میں نکلتے تو آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا جیسا کہ امام سیوطی رح نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر لہ ظل قال بعضھم ولیشھد لہ حدیث قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نوراً یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں نہیں پڑتا تھا اس لئے کہ آپ نور تھے اور یہ اثر اُس دعا کا بھی تھا جو حضرت کیا کرتے تھے واجعلنی نوراً ۔

مرزا صاحب مسئلہ معراج میں بو علی سینا کے مقلد ہیں کیونکہ دبستان مذاہب میں اُن کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث معراج میں جبرئیل کا جو ذکر ہے اُس سے قوت روح قدسی مراد ہے اور براق سے عقل ہے اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ میرے پیچھے ایک شخص چلا آرہا تھا اُس نے آواز دی کہ ٹھیرو اور جبرئیل نے کہا کہ اُس سے بات نہ کیجئے اور چلے چلئے اُس سے یہ اشارہ ہے کہ قوت وہم پیچھے آرہی تھی جب حضرت اعضا و جوارح کے مطالعہ سے فارغ ہوئے اور ہنوز حواس میں تامل نہ کیا تھا کہ قوت وہم نے آواز دی کہ آگے نہ بڑھئے اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت واہمہ متصرف ہے اور غالب ہے ہر وقت عقل کو ترقی سے روکتی رہتی ہے اور جو فرمایا کہ بیت المقدس پہنچے اور موذن نے اذان کہی اور میں آگے بڑھا دیکھا کہ جماعت انبیا اور اولیاء داہنے بائیں کھڑی ہے یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حیوانی اور طبعی قوتوں کے مطالعہ سے جب حضرت فارغ ہوئے تو دماغ کے

قریب پہنچے وہاں قوت ذاکرہ متوجہ اعلام ہوئی اور حضرت تفکر کی طرف بڑھے اور قوائے
دماغی مثلاً تمیز حفظ ذکر اور فکر وغیرہ داہنے بائیں موجود تھیں اسی طرح آسمانی معراج کا
حال بھی بیان کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ بیت المقدس گئے نہ آسمانوں پر جتنی
باتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہیں سب کو وہیں مکہ میں بیٹھے ہوئے نمٹا دیا مرزا صاحب
بھی یہی کہتے ہیں صرف فرق مراقبہ اور مکاشفہ کا ہے یعنی بوعلی سینا اُس کو
مراقبہ کہتے ہیں کہ قوائے جسمانی وغیرہ میں اُس وقت حضرت غور فرما رہے تھے
اور مرزا صاحب مکاشفہ کہتے ہیں کہ وہیں بیٹھے ہوئے بیت المقدس اور
آسمانوں کو کشف سے دیکھ رہے تھے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ ان
دونوں کو معراج کا انکار ہے مگر جس طرح بوعلی سینا نے تمام واقعات کو عقل کے
مطابق کر دیا مرزا صاحب نہ کر سکے بھلا کوئی پابند عقل اُس کو مان سکتا ہے کہ آنکھیں
جن پر مدار رؤیت ہے تو بند ہوں لاکھوں بلکہ کروڑوں کوس پر کی چیزیں ایسی
دکھائی دیں جیسے کوئی آنکھوں سے دیکھتا ہو بلکہ اُس سے بھی اصفیٰ اور اجلیٰ ہرگز
نہیں مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے
ایک حد تک درست ہے کیونکہ عام تجربہ ہے کہ جب آدمی آنکھیں بند کر لیتا ہے
تو اقسام کے خیالات آنے لگتے ہیں اور اپنے اختیار سے بھی ذہن سے کام
لیتا ہے مرزا صاحب کے خیالات چونکہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں عرش کو ایک بڑا
چمکتا ہوا تخت خیال کرتے ہونگے اور اُس پر رب العالمین بیٹھا ہوا اپنے روشن
چہرے سے پردہ اتار کر اپنے سے باتیں کرتا ہوا دیکھ لیتے ہونگے جیسا کہ ضرورۃ الامام
صفحہ (۱۳) میں خود تحریر فرماتے ہیں مگر اُس کو کشف سمجھنا غلطی ہے

اس قسم کے مشاہدات کو عقلا اختراعات ذہنیہ کہتے ہیں جن کو واقع سے کوئی
تعلق نہیں ہوتا۔ اگر مرزا صاحب دعوے کریں کہ یہ خیالات مطابق واقع کے
ہوتے ہیں تو جب تک دلائل عقلیہ سے اُسکو ثابت نہ کریں ایک خیالی بات سے
اُس کا درجہ بڑھ نہیں سکتا۔ اور اگر اہل کشف کے اقوال پیش کریں تو جس معرکہ میں
خدا ورسول کی بات کو وہ نہیں مانتے اہل کشف کا مجرد بیان کون مانے گا
اُن کی تصدیق کا درجہ تو خدا ورسول کی تصدیق کے بعد ہے اور اگر کوئی
ایسا ہی خوش اعتقاد شخص ہے کہ خلاف عقل بات بھی اہل کشف کی بلا دلیل
مان لیتا ہے تو خدا ورسول کی باتیں بلا دلیل مان لینا اس پر کیا دشوار ہے
اب دیکھئے کہ جس طرح جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا خلاف عقل ہے کشف سے
واقعی حالات معلوم کرنا بھی خلاف عقل ہے پھر جب اہل کشف کی بات پر اسقدر
وثوق ہے کہ اُن کے مجرد قول سے کشف مان لیا جاتا ہے تو خدا ورسول
کی بات پر مسلمان کو اُس سے زیادہ وثوق چاہیئے یا نہیں۔

مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا جو دعوی ہے اُس کا کوئی ثبوت
نہیں کیونکہ وہ ایک معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہوسکتی۔ البتہ آثار
سے کسی قدر اُس کا ثبوت ہوسکتا ہے مگر ہم جب یہاں آثار پر نظر ڈالتے ہیں
تو بجائے ثبوت کے اُس کا ابطال ہوا جاتا ہے اس لئے کہ مرزا صاحب
ہمیشہ پیشگوئیاں کیا کرتے ہیں اور ہمارے علم میں مرزا صاحب نجومی یا کاہن
یا رمال نہیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اُن پیشگوئیوں کا مدار اُن کے کشف پر ہے
(یعنی جو کچھ آیندہ ہونے والا ہے کشف کے ذریعہ سے پیش از پیش دیکھکر

یہ کہدیتے ہیں کہ ایسا ہوگا مثلاً فلاں شخص تین برس کی مدت میں مریگا) پیشگوئیونکا مدار کشف پر اس وجہ سے ہے کہ بغیر کشف کے رجماً بالغیب وہ حکم لگا دینا ترجیح بلا مرجح ہے ممکن ہے کہ وہ پچاس برس کے بعد مرے پھر خود مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا دعوےٰ بھی ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ ہر پیشین گوئی اُن کی صحیح نکلتی جس سے کشف کی صحت ثابت ہوتی مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اُس کے خلاف ثابت ہوا دیکھئے کہ مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے رسالہ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے جن پیشگوئیوں کو معیار اپنی صداقت اور مدار بطالت قرار دیا ہے وہ کُل جھوٹی ثابت ہویں۔ پھر جب مولوی صاحب اُن کا کذب ثابت کرنے کو قادیان گئے تو بجائے اس کے کہ مرزا صاحب خوش ہو کر اپنے کمالات ظاہر فرماتے اور اُن پیشگوئیوں کا وقوع ثابت کرتے اسلئے ناراض ہو گئے اور مناظرہ سے گریز کی۔ اُس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے وہ رسالہ لکھکر ان پیشگوئیوں کا عدم وقوع اور بطلان بدلائل ثابت کر دیا جس کا جواب نہ مرزا صاحب سے ہوا نہ اُن کے ہوا خواہوں سے چنانچہ اسی رسالہ کے عنوان پر یہ عبارت لکھدی کہ اس رسالہ میں مرزا صاحب قادیانی کے الہاموں پر مفصل بحث کر کے اُن کو محض غلط ثابت کیا ہے اُس کے جواب کے لئے طبع اول پر مرزا صاحب کو پانسو روپیہ انعام تھا طبع ثانی پر ہزار کیا گیا اب طبع ثالث پر پورا مبلغ دو ہزار کیا جاتا ہے اگر وہ ایک سال تک جواب دیں تو انعام مذکور اُن کے پیش کش کیا جائیگا انتہےٰ۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُن الہامات اور پیشگوئیوں کے

اثبات میں مرزا صاحب ہی کا نفع تھا پھر اُس پر جب انعام بھی ملتا تھا تو چاہیے تھا کہ سب کام چھوڑ کے اُس رسالہ کے جواب میں مصروف ہو جاتے اور وہ رسالہ بھی کتنا پورے سات جزو کا بھی نہیں پھر جواب میں نہ کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے نہ اجتہاد کی حاجت ہر پیشین گوئی سے متعلق جواب میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ اُس کا وقوع اس طرح ہوا اور اُس کے فلاں فلاں گواہ موجود ہیں جس کے لئے ایک دو ورق سے زیادہ درکار نہیں مگر جواب تو جب لکھا جائے کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع بھی ہوا ہو وہاں تو سرے سے وجود ہی ندارد اور جو تقریروں میں ملمع سازیاں کی گئی تھیں اُن کی قلعی مولوی صاحب نے کھول دی اب اُن پیشین گوئیوں کا اثبات حیز امکان سے کسی قدر خارج دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کے یعنی معراج جیسے کشفوں میں خود صاحب تجربہ ہیں غلط محض ہے۔

یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ الحکم مطبوعہ ۱۱ر صفر ۱۳۲۲ھ نمبر (۱۳) میں مرزا صاحب کی تقریر درج ہے کہ جیسا کہ بُت پوجنا شرک ہے ویسے ہی جھوٹ بولنا بھی شرک ہے بت پوجنے والا اس خیال سے بُت پوجتا ہے کہ یہ میری مرادیں بر لاتا ہے ایسا ہی جھوٹ بولنے والا بھی اسی خیال سے جھوٹ بولتا ہے کہ جھوٹ سے میرا کام نکلتا ہے۔ مقدمہ جیت لیتا ہوں بیوپار ہوتا ہے اور آفات وبلا سے بچ جاتا ہوں ان دونوں باتوں میں کچھ فرق ہے انتہیٰ۔

جب مرزا صاحب جھوٹ کو شرک سمجھتے ہیں تو وہ اُس کے مرتکب کیونکر ہوئے ہونگے اس کا جواب حقیقۃً نہایت دشوار ہے مگر عقلا خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب جو اپنے کشف کی خبر دیتے ہیں سو وہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کی تعلّیوں کی اُن کی عادت ہے چنانچہ رسالۂ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل مرزا صاحب سے اُن کے اقوال نقل کئے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں رسول ہوں میرا منکر کافر اور مردود ہے میرے معجزات اور نشانیاں انبیا کے معجزات سے بڑھکر ہیں میرے پیشگوئیاں نبیوں کی پیشگوئیوں سے زیادہ ہیں میرے معجزات اور نشانات کے انکار سے سب نبیوں کے معجزات سے انکار کرنا پڑیگا۔ میرے منکروں اور متردودوں کے پیچھے نماز درست نہیں بلکہ اُن پر سلام نہ کرنا چاہیئے۔ اور لکھتے ہیں کہ خدا بے پردہ ہوکر اُن سے ٹھٹھے کیا کرتا ہے وغیرہ ذلک جب مرزا صاحب کی جبلت میں تعلّیاں داخل ہیں جن کا وجود ممکن نہیں تو اُن کا یہ قول کہ معراج کے جیسے کشفوں میں مولف صاحب تجربہ ہے کون اعتبار کرے۔ البتہ اہل کشف کی تحقیق قابل تسلیم ہے جن کے کشف کو اہل کشف اور صلحا اور اولیاء اللہ نے تسلیم کر لیا ہے۔ دیکھئے شیخ محی الدین عربی رح فتوحات مکیہ کے تین سو چودھویں باب میں ۳۱۴ لکھتے ہیں وقد اعطتہ المعرفۃ انہ لا یصح الانس الا بالمناسب ولا مناسبۃ بین اللہ وعبدہ واذا اضیف المؤانسۃ فانما ذلک الی وجہ خاص یرجع الی الکون فاعطتہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذا المعرفۃ الوحشۃ لانفرادہ وہذا مما یدل ان الاسرا کان بجسمہ صلی اللہ علیہ وسلم لان الارواح لا تتصف بالوحشۃ والاستیحاش فلما علم اللہ ذلک منہ وکیف لا یعلمہ وہو الذی خلقہ فی نفسہ وطلب علیہ السلام الدنو منہ بقوۃ المقام الذی ہو فیہ فنودی بصوت یشبہ صوت ابی بکر رض تانیسا لدیہ

اذکان انیسہ فی المعہود فحن لذلک وانس بہ فلہذا المعراج خطاب خاص یعطیہ خاصیتہ ہذا

المعراج لایکون الا للرسل فلو عرج علیہ الولی لاعطاہ ہذا المعراج بخاصیتہ ماعندہ وخاصیتہ

ماتنحصر بہ الرسالۃ فکان الولی اذا عرج بہ فیہ یکون رسولا وقد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان باب الرسالۃ والنبوۃ قد اغلق فتبین ان ہذا المعراج لاسبیل للولی الیہ البتۃ انتہی۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج آسمانوں پر وحشت ہوئی اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی گئی جس سے حضرت کی وحشت جاتی رہی اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسم کے ساتھ تھی کیونکہ ارواح وحشت کے ساتھ متصف نہیں ہوتیں۔ پھر اس جسمانی معراج کا خاصہ یہ ہے کہ اُس میں ایک خاص قسم کا خطاب ہوا کرتا ہے جو رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کسی ولی کو بھی اس قسم کی معراج ہو تو اُس خاصہ کی وجہ سے لازم آئیگا کہ وہ ولی بھی رسول ہو جائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ رسالت اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی معراج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تھی کسی ولی کو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت کی معراج جسمانی تھی اور وہ حضرت کا خاصہ تھا کہ کسی ولی کو وہ نصیب نہیں ہو سکتا اور جو کوئی نبوت ورسالت کا دعوے کرے وہ جھوٹا ہے مسئلۂ معراج میں مرزا صاحب کی کارسازیاں آپ نے دیکھ لیں۔ اب مسئلۂ قیامت کو دیکھئے کہ کیسی کیسی کارستانیاں کر رہے ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۵۰) میں تحریر فرماتے ہیں قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا اُن کو بہشت سے نہیں نکالتا

کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے باہر کوئی لکڑی وغیرہ کا تخت بچھایا جائیگا

اور خدا اُسے تعالےٰ اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طے کر کے اُس کے حضور
میں حاضر ہونا ہوگا تا یہ اعتراض لازم آئے کہ اگر بہشتی بہشت میں داخل شدہ تجویز
کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑیگا اور اُس لق و دق
جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑیگا ایسا خیال تو سراسر
جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ عدالت
کے دن پر ہم ایمان لاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور
پر اُس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ اور رسول
نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ خدائے تعالےٰ کے
تقدس اور تنزہ میں کوئی فرق نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اُس دن بھی بہشتی بہشت میں ہونگے
اور دوزخی دوزخ میں لیکن رحم الٰہی کی تجلی راست بازوں اور ایمان داروں پر
ایک جدید طور سے لذات کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور
جسمانی طور پر ان کو دکھا کر اُس نئے طور پر کے دارالسلام میں اُن کو داخل کر دیگی۔

حاصل اسکا یہ ہوا کہ نہ نفخ صور ہوگا نہ مُردے زندہ ہونگے نہ حساب و کتاب ہے
نہ صحائف اعمال کی جانچ نہ پل صراط کا معرکہ درپیش ہے نہ کسی قسم کی پریشانی اُس روز
ہوگی نہ کسی کی شفاعت کی ضرورت ہے اور ہزارہا آیات و احادیث و آثار میں
جن چیزوں کا ذکر بڑے اہتمام سے خدا و رسول نے کیا ہے سب نعوذ باللہ بے اصل ہے
خالص ایمان اسے کہتے ہیں کہ فقط ایمان ہی ایمان ہے جو اُس آمیزش
و اختلاط سے بھی منزہ ہے جو مومن بہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے
ہوا کرتا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ فرما دیتے کہ ایسی باتیں ہماری سمجھ میں

نہیں آتیں اس وجہ سے ہم اُن پر ایمان نہ لائینگے تو مسلمانوں کو بے فکری ہو جاتی اور سمجھ جاتے کہ فی الحقیقت قیامت کا مسئلہ ایسا ہی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ سے باہر ہے۔ نزول قرآن کے وقت جب عقلاً اُسکو تسلیم نہ کر سکے تو تیرا سو برس کے بعد مرزا صاحب کا تسلیم نہ کرنا چنداں بعید نہیں مگر افسوس ہے کہ انھوں نے ایمان کا جھگڑا لگا رکھا۔ مرزا صاحب تخت رب العالمین پر ایمان تو لاتے ہیں مگر لکڑی وغیرہ کے تخت پر نہیں لاتے کیونکہ جب جنت کے باہر لق ودق جنگل میں وہ تخت آئیگا تو لکڑی وغیرہ کا ہو جائیگا جو اس قابل نہیں کہ اُس پر ایمان لایا جائے۔ البتہ جب وہ جنت میں بچھیگا تو ایمان لانے کے قابل ہو گا اس لئے کہ نہ وہ لکڑی کا ہو گا نہ کسی چیز کا۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ وہ تخت کیسا ہو گا کہ تخت تو ہو گا مگر کسی چیز کا نہ ہو گا۔ پھر اگر ایسا تخت ہو سکتا ہے تو جنت کے باہر آنے سے اُس کو کون چیز مانع ہے بہر حال مرزا صاحب کو اگر قرآن پر ایمان لانا منظور ہوتا تو جس قسم کا تخت جنت میں تجویز کر رہے ہیں جنت کے باہر بھی تجویز کر سکتے مگر اُن کو قیامت کا انکار ہی منظور ہے اس لئے اُس کی یہ تمہید کی کہ جب تخت رب العالمین آ ہی نہیں سکتا تو قیامت کے دوسرے واقعات جو اُس روز حق تعالیٰ کے روبرو ہونگے کہاں اس وجہ سے جتنے آیات واحادیث قیامت کے باب میں وارد ہیں نعوذ باللہ سب خلاف واقع ہیں۔ یہاں مرزا صاحب کی اس تقریر کو بھی یاد کر لیجئے کہ قرآن کا ایک نقطہ کم نہیں ہو سکتا۔

اب ہم محشر کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں تاکہ اہل ایمان کو اُس کا تذکرہ ہو جائے اور معلوم ہو کہ حشر کا مسئلہ ہمارے دین میں کس قدر مہتم بالشان ہے۔ امام سیوطی رح

درمنثور میں لکھتے ہیں اخرج احمد والترمذی وابن منذر والحاکم وصححہ وابن مردویہ

عن ابن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سرہ ان ینظر الی یوم القیٰمۃ کانہ

رای عین فلیقرأ اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت یعنی فرمایا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کوئی چاہے کہ قیامت کا حال برای العین مشاہدہ کرلے

تو سورۂ اذا الشمس کورت اور اذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت کو پڑھے۔

ان سوروں میں مجملاً قیامت کا بیان ہے کہ اُس روز آسمان پھٹ جائینگے آفتاب

اور تمام تارے تیرہ وتار ہوکر گر جائینگے سمندر خشک ہو جائینگے دوزخ خوب سلگائی

جائیگی مُردے زندہ ہونگے نامۂ اعمال ہر ایک کے اُڑ اُڑ کر اُس کے ہاتھ میں

آجائینگے۔ چونکہ حشر زمین پر ہوگا اس لئے اُس کی درستی اور صفائی کا یہ اہتمام

اُس روز ہوگا کہ جتنے سمندر اور دریائیں ہیں سب خشک کرکے اور پہاڑوں اور

جھاڑوں کو نکال دیکر زمین کی وسعت بڑھادی جائے گی اور ایسی مسطح بنادی جائیگی

کہ کہیں نشیب وفراز باقی نہ رہے اور چونکہ تمام فرشتے بھی زمین پر اُتر آئینگے

اس لئے وہ اور بھی کشادہ کی جائیگی جس میں تمام خلائق کی گنجائش ہو ان تمام

امور کا ذکر بالتفصیل قرآن شریف میں موجود ہے چند آیات یہاں لکھی جاتی ہیں۔

حق تعالےٰ فرماتا ہے ویسألونک عن الجبال فقل ینسفہا ربی نسفا فیذرہا قاعا صفصفا

لاتریٰ فیہا عوجا ولا امتا یومئذ یتبعون الداعی لا عوج لہ وخشعت الاصوات للرحمٰن

فلاتسمع الا ہمسا ترجمہ پوچھتے ہیں تم سے پہاڑوں کا حال سو کہو اُن سے بکھیر دیگا

اُن کو میرا رب اُڑا کر پھر کر دیگا زمین کو پٹپڑا میدان نہ دیکھوگے اُس میں موڑ نہ ٹیلا

اُس دن پیچھے دوڑینگے پکارنے والے کے ٹیڑی نہیں جس کی بات

اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے۔ مگر کسی آواز اس آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ پہاڑ زمین سے نکال دئے جائینگے اور زمین مسطح بنا دی جائے گی۔

اور ارشاد ہے قولہ تعالےٰ ویوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ وحشرنا ہم فلم نغادر منہم احداً وعرضوا علی ربک صفا لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعداً۔ ترجمہ اور جس دن ہم چلاوینگے پہاڑ اور تم دیکھوگے زمین کھل گئی اور جمع کرینگے ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں اُن میں سے ایک کو اور سامنے لائے جائینگے تمہارے رب کے قطار کرکے آپہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلے بار بلکہ تم کہا کرتے تھے کہ نہ ٹھیرلینگے ہم تمہارا کوئی وعدہ انتہٰی۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ اُس مسطح اور ہموار زمین پر سب لوگ اکھٹے کئے جائینگے اور وہ حق تعالےٰ کے روبرو حاضر ہونگے اور منکرین حشر کو زجر و توبیخ ہوگی

وقولہ تعالےٰ واذا البحار سجرت بخاری شریف میں ہے قال الحسن سجرت ذہب ماؤہا فلا یبقیٰ قطرۃ یعنی اُس روز سمندر ایسے سوکھ جائینگے کہ اُن میں ایک قطرہ باقی نرہیگا

امام سیوطی رحہ نے بدور سافرہ فی احوال الآخرہ میں لکھا ہے عن ابن عباس رض فی قولہ تعالےٰ یوم تبدل الارض غیر الارض الآیہ قال یزاد فیہا وینقص منہا ویذہب آکامہا وجبالہا واودیتہا وشجرہا ومافیہا وتمد مد الادیم الحدیث یعنی حق تعالےٰ جو فرماتا ہے یوم تبدل الارض اُس کی تفسیر میں ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ زمین میں کمی وزیادتی ہوجائیگی ٹیلے پہاڑ وادیاں جھاڑ اور جو کچھ اُس میں ہے یہ سب چیزیں نکال دی جائینگی تاکہ ایک سطح ہوجائے پھر کھینچ کر مثل ادیم کے کشادہ کیجائیگی چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے واذا الارض مُدّت۔ الحاصل زمین جب مسطح اور ایسی

وسیع کردی جائیگی کہ تمام جن وانس و ملائکہ وغیرہم کی اُس میں گنجائش ہو اُس وقت تمام مُردوں کو حکم ہو گا کہ سب زندہ ہو کر میدان حشر میں آکھڑے ہوں کما قال تعالی ثم نفخ فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون یعنی دوسرے بار صور پھونکا جائیگا جس سے سب مُردے فوراً کھڑے ہو جاوینگے اور دیکھنے لگینگے وقال تعالی یقولون ائنا لمردودون فی الحافرۃ ء اذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذاً کرۃ خاسرۃ فانما ہی زجرۃ واحدۃ فاذا ہم بالساہرۃ ترجمہ کہتے ہیں کفار کیا ہم آوینگے اُلٹے پاؤں یعنی زمین پر جب ہو چکیں بوسیدہ ہڈیاں یہ تو پھر آنا ٹوٹا ہے۔ پھر وہ تو ایک جھڑکی ہے جس سے یکایک میدان میں آجائینگے انتہی

حاصل یہ کہ کفار قیامت کی نسبت بہت باتیں بناتے اور استبعاد ظاہر کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا اور وہ کیونکر ہو گا ارشاد ہوا یہ وہ کچھ نہیں ایک جھڑکی کے ساتھ سب زمین پر آرہینگے۔ امام سیوطی رح نے بالساہرہ کی تفسیر میں لکھا ہے عن الضحاک کانوا فی بطن الارض ثم صاروا علی ظہرہا یعنی سب مُردے زمین کے اندر سے نکل کر اوپر آجائینگے دیکھ لیجئے ان آیات سے مُردوں کا قبروں سے نکلنا اور حق تعالے کے روبرو حاضر ہونا کس قدر ظاہر و واضح ہے۔

مرزا صاحب جو ازالۃ الاوہام میں بار بار لکھتے ہیں کہ یحمل النصوص علی الظواہر سو ان نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے سے کون چیز مانع ہے۔ اگر فرمادیں کہ عقل مانع ہے تو کفار بھی یہی کہکر کھلے طور پر ایمان لانے سے منکر ہو گئے تھے۔ پھر ایمان کے دعوے کی کیا ضرورت یہ تو منافقوں کی عادت تھی کہ دل میں تو ایمان نہیں مگر کہتے ضرور تھے کہ ہم مومن ہیں۔ اور جب عقل کو اس قدر غلبہ دیا جاتا ہے کہ خدا کا کلام بھی اُس کے مقابلہ میں ہیچ ہے تو براہین احمدیہ میں کیوں فرمایا تھا کہ عقل مغیبات کے دریافت کا آلہ نہیں بن سکتی

اور عقل خدا کی حکمتوں کا پیمانہ نہیں بن سکتی۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ اس وقت صرف مسلمانوں کو دھوکا دینا منظور تھا۔ یہ تو زمین کا حال تھا اب آسمانوں کا حال سنئے کہ اُس روز کیا ہوگا حق تعالےٰ فرماتا ہے اذالسماء انفطرت۔ اذالسماء انشقت واذالسماء کشطت یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب یعنی آسمان چر جائینگے پھٹ جائینگے ان کا پوست کھینچا جائیگا لپیٹ دئے جائینگے جیسے طومار میں کاغذ لپیٹا جاتا ہے اور تاروں کی نسبت ارشاد ہے اذالشمس کورت واذالنجوم انکدرت واذالکواکب انتثرت یعنی آفتاب اور تارے تیرہ و تار ہو کر جھڑ جائینگے اس سے ظاہر ہے کہ آسمانی نظم ونسق درہم وبرہم ہوکر وہ کارخانہ ہی سطے کر دیا جائیگا اور کل ساکنین فلک کا مجمع زمین پر ہو جائیگا کما قال تعالیٰ کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا وجئی یومئذ بجہنم یومئذ یتذکر الانسان وانی لہ الذکری یقول یالیتنی قدمت لحیاتی فیومئذ لا یعذب عذابہ احد ولا یوثق وثاقہ احد یاایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ترجمہ جب پست کرے زمین کو کوٹ کوٹ اور آوے تمہارا رب اور فرشتے آویں قطار قطار اور لائی جائے اُس دن دوزخ یاد کریگا اُس روز انسان اور کہاں ہے اُس دن سوچنا کہیگا کاش میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں اور عذاب نہ کرے اُس عذاب کے مانند کوئی اور باندھ نہ رکھے اسکا سا باندھنا کوئی کہا جائیگا مسلمانوں کی روح کو اے نفس مطمئنہ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اُس سے راضی اور وہ تجھسے راضی داخل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں انتہی۔

حاصل یہ کہ تمام آسمانوں کے فرشتے زمین پر اتر آئینگے اور ہر ہر آسمان کے فرشتے

ایک ایک جدا صف باندھکر کھڑے ہو جائینگے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے
اُس وقت مسلمانوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو گا۔ آیۂ موصوفہ وجاء ربک
سے اگرچہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ کا عرش زمین کی جانب نزول
فرمائیگا مگر چونکہ ہمارے اذہان اس قسم کے الفاظ سے اسی معنی کی طرف منتقل ہوتے
ہیں جو ہماری بول چال میں جسمانیات سے متعلق ہیں اور حقیقت مجئی جو لائق شان
کبریائی ہے سمجھ میں نہیں آسکتی اس لئے اس مقام میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ
حق تعالےٰ اُس روز خاص طور پر کسی قسم کی تجلی فرمادیگا اور ارشاد ہے ویحمل عرش ربک
فوقہم یومئذ ثمانیۃ یعنی تمہارے رب کے عرش کو اُس روز آٹھ فرشتے اُٹھا دینگے
امام سیوطی رحہ نے درمنثور میں لکھا ہے عن ابن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یحملہ الیوم اربعۃ ویوم القیٰمۃ ثمانیۃ یعنی آج عرش کو چار فرشتے اُٹھائے ہوئے ہیں
اور قیامت کے روز آٹھ فرشتے اٹھائینگے۔ اور اس وجہ سے کہ آفتاب چاند اور تارے
ٹوٹ پھوٹ جائینگے زمین پر سوائے خدائے تعالےٰ کے نور کے کوئی نور نہ ہو گا
کما قال تعالےٰ واشرقت الارض بنور ربہا یعنی روشن ہو جائیگی زمین اپنے رب کے
نور سے اور ظاہری قربت کی یہ حالت ہو گی کہ ہر شخص کو دولت ہمکلامی نصیب ہو گی چنانچہ
بخاری شریف میں ہے عن عدی ابن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما منکم من
احد الا سیکلمہ اللہ یوم القیٰمۃ لیس بینہ وبینہ ترجمان الحدیث یعنی تم میں سے ہر شخص کے ساتھ
حق تعالیٰ ایسے طور پر کلام کریگا کہ کوئی ترجمان درمیان میں نہ ہو گا۔ علامۂ زمخشری نے
کشاف میں لکھا ہے کہ محشر کا روز جو پچاس ہزار سال کا ہو گا اُس میں پچاس مواطن
ومقامات ہونگے ایک ایک مقام میں ہزار ہزار سال لوگ ٹھیرے رہینگے

ہر مقام کے حالات و لوازم جداگانہ ہیں جو آیات و احادیث سے ثابت ہیں اگر وہ تمام ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک بڑی کتاب ہو جائے چنانچہ امام سیوطی نے بدور السافرہ فی احوال الآخرہ میں یہی کام کیا ہے اور اس باب میں اور بھی کتابیں موجود ہیں طالبین حق کو ضرور ہے کہ اُن کتابوں کو جو چھپ گئی ہیں دیکھکر اپنے اسلامی عقاید کو مستحکم کرلیں کیونکہ علما نے اپنی عمر عزیز کا ایک بیش بہا حصہ صرف کرکے مختلف مقامات سے آیات و حدیث کو جمع کرنے کی محنت اور تحقیق کی مشقت جو گوارا کی ہے اُس سے صرف ہماری خیر خواہی مقصود تھی اگر ہم اپنا تھوڑا سا وقت وہ بھی اپنے ہی نفع کے لئے صرف کرکے اُس کو دیکھیں بھی نہیں تو کمال درجہ کی بے قدری ہے غرض آیات و احادیث تو اس باب میں بہت ہیں مگر تھوڑے سے یہاں بقدر ضرورت لکھی جاتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم یقوم الناس لرب العالمین قال یوم احدہم فی رشحہ الی انصاف اذنیہ یعنی لوگ جو خدائے تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہونگے اُن میں بعضوں کا یہ حال ہوگا کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہونگے اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یعرق الناس یوم القیٰمۃ حتے یذہب عرقہم الی الارض سبعین ذراعاً و یلجمہم حتے یبلغ آذانہم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کا پسینہ قیامت کے روز اس قدر ہوگا کہ ستر ہاتھ زمین کے اندر اتر جائیگا اور پسینہ کی وجہ اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جس کو امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے عن ابی امامۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تدنو الشمس یوم القیٰمۃ علی قدر میل ویزداد فی حرہا کذا وکذا یغلی منہ الہوام کما تغلی القدور علی الاثا فی یعرقون منہا علی قدر خطایاہم ومنہم من یبلغ الی کعبیہ ومنہم من یبلغ الی ساقیہ ومنہم من یبلغ الی وسطہ ومنہم من یلجمہ العرق یعنی قیامت کے روز آفتاب زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آجائیگا اور اُس کی گرمی اس قدر بڑھ جائیگی کہ حشرات الارض ایسے جوش کھائینگے جیسے دیگ چولھے پر جوش کھاتی ہے لوگوں پر اس کا اثر بقدر گناہ ہوگا بعضوں کو پسینہ ٹخنہ تک پہنچیگا اور بعضوں کو کمر اور بعضوں کو منہ تک پہنچیگا۔ جن کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں اس قسم کی باتوں پر وہ ایمان نہیں لاسکتے اور وجہ اُس کی سوائے شقاوت کے اور کوئی نہیں ورنہ یہ امر مشاہد ہے کہ سخت دھوپ میں گرم مزاج لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں اور جن کی طبیعت پر برودت غالب ہوتی ہے وہ اس سے انتفاع اور لذت اُٹھاتے ہیں اگرچہ ظاہری اسباب اس کے حرارت و برودت مزاج ہیں مگر آخری مدار اُن کا تخلیق خالق ہی پر ہوگا پھر اگر خالق اس روز بحسب اعمال پسینہ کی تخلیق مختلف طور پر کرے تو عقل کو اُس میں کیا کلام ہے اُس روز کی حالت کو حق تعالیٰ چند مختصر مگر نہایت پر اثر الفاظ میں بیان فرماتا ہے

یوم یفر المرأ من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منہم یومئذ شان یغنیہ ترجمہ جس دن بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ سے اور اپنی زوجہ سے اور اپنے بیٹوں سے ہر شخص کو اُس روز ایک فکر لگا ہے جو اُس کو بس ہے ہر صاحبِ عقل سلیم اور تخیل صحیح غور کرسکتا ہے کہ اُس روز کیسی حالت ہوگی جس کے یہ آثار رہینگے۔ بخاری مسلم ترمذی وغیرہ میں یہ روایت ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید الناس یوم القیٰمۃ وہل تدرون مم ذلک

یجمع اللہ الاولین والآخرین فی صعید واحد یسمعہم الداعی وینفذہم البصر وتدنو الشمس منہم فیبلغ الناس من الغم والکرب مالا یطیقون ولا یحتملون فیقول بعض الناس لبعض الاترون ما قد بلغکم الا تنظرون من یشفع لکم الی ربکم فیقول بعض الناس لبعض ائتوا آدم فیاتون آدم فیقولون یا آدم انت ابونا انت ابو البشر خلقک اللہ بیدہ ونفخ فیک من روحہ وامر الملئکۃ فسجدوا لک اشفع لنا الی ربک الاتری ما نحن فیہ الاتری الی ما قد بلغنا فیقول لہم آدم ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ وانہ نہانی عن الشجرۃ فعصیتہ نفسی نفسی نفسی اذہبوا الی غیری اذہبوا الی نوح فیاتون نوحاً فیقولون یا نوح انت اول الرسل الی اہل الارض وسماک اللہ عبداً شکوراً اشفع لنا الی ربک الاتری ما نحن فیہ الاتری الی ما قد بلغنا فیقول لہم نوح ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ وانہ قد کانت لی دعوۃ دعوت بہا علی قومی نفسی نفسی نفسی اذہبوا الی غیری اذہبوا الی ابراہیم فیاتون ابراہیم فیقولون یا ابراہیم انت نبی اللہ وخلیل اللہ من اہل الارض اشفع لنا الی ربک الاتری ما نحن فیہ الاتری ما قد بلغنا فیقول لہم ابراہیم ان ربی تعالیٰ قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ وانی قد کنت کذبت ثلث کذبات نفسی نفسی نفسی اذہبوا الی غیری اذہبوا الی موسیٰ فیاتون موسیٰ فیقولون یا موسیٰ انت رسول اللہ فضلک اللہ برسالاتہ وبتکلیمہ علی الناس اشفع لنا الی ربک الاتری الی ما نحن فیہ الاتری الی ما قد بلغنا فیقول لہم موسیٰ ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ وانی قد قتلت نفسا لم اؤمر بقتلہا نفسی نفسی نفسی اذہبوا الی غیری اذہبوا الی عیسیٰ فیاتون عیسیٰ فیقولون یا عیسیٰ انت رسول اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم وروح منہ وکلمت الناس فی المہد اشفع لنا الی

ربک الا تری ما نحن فیہ الا تری ما قد بلغنا فیقول لہم عیسیٰ علیہ السلام ان ربی قد غضب الیوم
غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذہبوا الی غیری
اذہبوا الی محمد فیاتون محمدا فیقولون یا محمد انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء وغفر اللہ لک
ما تقدم من ذنبک وما تاخر اشفع لنا الی ربک الا تری الی ما قد بلغنا
فانطلق فاتی تحت العرش فاقع ساجدا لربی ثم یفتح اللہ علیّ ویلہمنی من محامدہ وحسن الثناء
علیہ شیئا لم یفتح لاحد قبلی ثم یقال یا محمد ارفع راسک سل تعطہ واشفع تشفع فارفع
راسی فاقول یارب امتی امتی فیقال یا محمد ادخل الجنۃ من امتک من لا حساب
علیہ من الباب الایمن من ابواب الجنۃ وہم شرکاء الناس فیما سوی ذلک من الابواب
والذی نفسی بیدہ ان ما بین المصراعین من مصاریع الجنۃ کما بین مکۃ وہجر او کما بین مکۃ
وبصریٰ کذا فی کنز العمال یعنی بخاری مسلم وغیرہ میں روایت ہے ابی ہریرہ رضہ سے
کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے روز میں تمام آدمیوں کا سردار
ہونگا جانتے ہو اُس کی کیا وجہ ہے۔ خدائے تعالےٰ تمام اولین وآخرین کو ایک
ایسی زمین میں جمع کریگا کہ پکارنے والے کی آواز سب سن لینگے اور دیکھنے والا
سب کو دیکھ لے اور آفتاب نہایت نزدیک آجائیگا جس سے لوگوں کو اس قدر
غم اور سختی ہوگی کہ برداشت کی طاقت نہ رہے گی اُس وقت لوگ آپس میں ایک
دوسرے سے کہینگے کیا دیکھتے نہیں کیسی حالت گذر رہی ہے کسی ایسے شخص کی
تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ خدائے تعالےٰ سے ہماری شفاعت کرے اور اس
بلا سے ہمیں نجات دے آخر یہ رائے قرار پائیگی کہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں چنانچہ
ان کے پاس جاکر کہینگے حضرت آپ ہمارے اور تمام بشر کے باپ ہو حق تعالیٰ نے

آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم کیا کہ آپ کو سجدہ کریں۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس حالت میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ آدم علیہ السلام کہینگے کہ آج خدائے تعالےٰ ایسا غضبناک ہے کہ ایسا نہ کبھی پیشتر ہوا تھا نہ آئندہ کبھی ہوگا مجھکو اُس جھاڑ کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا مگر مجھ سے نافرمانی ہوگئی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم لوگ اور کسی کے پاس جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس جائینگے اور کہینگے کہ آپ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے تھے آپکا نام اللہ تعالےٰ نے عبد شکور رکھا اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں نوح علیہ السلام کہینگے کہ خدائتعالیٰ آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا نہ کبھی ہوگا میرے لئے ایک دعا مقرر تھی جو رد نہ ہو سو وہ دعا میں نے اپنی قوم کے ہلاک کیلئے کی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہونگے اور عرض کرینگے کہ حضرت آپ نبی اللہ اور خلیل اللہ ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسی حالت میں مبتلا ہیں وہ بھی فرمائینگے کہ جیسے آج حق تعالےٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا میں نے تین جھوٹ کہے تھے اس لئے مجھے آج اپنے ہی نفس کی فکر ہے کسی اور کے پاس جاؤ اگر موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاکر کہینگے اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپکو اپنی رسالتوں اور کلام سے سب پر بزرگی دی کیا ہماری حالت آپ نہیں دیکھتے

رحم کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی فرمائیں گے کہ خدائے تعالےٰ ایسا جیسے آج غضبناک ہے نہ کبھی ہوا نہ ہوگا میں نے ایک شخص کو بغیر حکم کے مار ڈالا تھا مجھے آج اپنے ہی نفس کی پڑی ہے تم اور کہیں جاؤ اگر عیسےٰ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے وہ سب عیسیٰؑ کے پاس جاکر کہینگے حضرت آپ اللہ کے رسول اور اُس کے کلمہ ہو جو مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح اللہ ہو گہوارہ میں آپنے لوگوں سے باتیں کی تھیں ہماری حالت پر رحم کرکے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی یہی کہینگے جیسے آج حق تعالےٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا تھا نہ ہوگا آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ تو اچھا ہے وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونگے اور عرض کرینگے کہ حضرت آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیا ہیں اور خدا تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ آپکے سب معاف کردئے دیکھئے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں ہماری شفاعت اپنے رب سے کیجئے اس وقت میں عرش کے نیچے جاکر سجدہ میں گر پڑونگا اور محامد و ثنائے الٰہی کے وہ الہامی مضامین میرے دل پر منکشف ہونگے جو کسی پر کبھی ہوئے نہ تھے حکم ہوگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سر اُٹھاؤ جو تم چاہوگے وہ دیا جائیگا اور شفاعت کروگے تو قبول کی جائیگی اُس وقت میں سر اُٹھاؤنگا اور عرض کرونگا اے رب امتی امتی یعنی میری امت کو نجات دے ارشاد ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے اُن لوگوں کو جن پر حساب وکتاب نہیں ہے جنت کی سیدھی جانب کے دروازے سے جنت میں داخل کردو اور اُس کے سوا دوسرے دروازوں سے بھی وہ جاسکتے ہیں۔ قسم ہے خدائے تعالیٰ کی جنت کے دروازوں کی مسافت ایک پٹ

سے دوسے کریپٹ تک اتنی ہے جتنی مکہ سے ہجر کی یا مکہ سے بصریٰ کی انتہٰی۔

یہ **حدیث** بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہے جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں اس سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز تمام انبیائے اولوالعزم اپنی اپنی لغزشیں یاد کر کے خائف و ترساں رہینگے۔ اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے اُن کو اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے بے فکر کر دیا اور اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ میں ہیں۔ کیا فی الواقع ایسا الہام کر کے خدائے تعالے نے اُن کو تمام انبیا سے افضل بنا دیا ہو گا میری دانست میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہو گا کہ وہ تمام انبیا سے افضل اور بارگاہ کبریائی میں سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایسے الہاموں میں اکثر شیطان دھوکا دیدیا کرتا ہے اور آدمی کو اپنی فضیلت کی خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا اور سمجھ جاتا ہے کہ سچ مچ خدا ہی کی طرف سے وہ الہام ہے۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی زاہد پر شیطان نے وحی کی (بمصداق یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غروراً) کہ میں جبرئیل ہوں اور آپ کے لئے براق لے آیا ہوں چلئے آج آپ کی معراج ہے مگر آنکھوں کو پہلے پٹی باندھ لیجئے چنانچہ اُنہوں نے اس خوشی میں کہ آج اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رتبہ ہوتے ہیں آنکھوں کو پٹی باندھ خدا کا شکر کرتے ہوئے براق پر سوار ہوئے جو دراصل گدھا تھا شیطان نے رسوائی کی غرض سے تمام شہر میں اُن کی تشہیر کر کے کسی ویرانہ میں لیجا کر چھوڑ دیا۔ الغرض شیطان آدمی کا سخت دشمن ہے اقسام کی تدبیریں کر کے رسوا بلکہ خسر الدنیا والآخرہ بنا دیتا ہے۔

یہ **بحث** عارضی تھی اصل کلام روز قیامت کے احوال میں تھا بخاری شریف میں ہے عن

ابن عباسؓ قال خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انکم محشورون الی اللہ عزوجل

عراۃ غرلاً کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین ثم اول من یکسیٰ یوم القیٰمۃ

ابراہیم انہ یجاء برجال من امتی فیؤخذ بہم ذات الشمال فاقول اصحابی فیقال لاتدری ما

احدثوا بعدک بخاری صفحہ (۹۶۳) یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کا حشر اللہ تعالےٰ کے روبرو ایسے طور پر ہوگا کہ سب برہنہ اور بے ختنہ ہونگے جیساکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کما بدأنا اول خلق الآیہ یعنی جیسے اول خلقت میں ہمنے اُن کو پیدا کیا تھا اسی طرح اُن کو دوبارا پیدا کرینگے یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں۔ پھر قیامت کے روز پہلے ابراہیم علیہ السلام لباس پہنائے جائینگے میری امت سے چند شخصوں کو بائیں طرف یعنی دوزخ کی جانب لیجائینگے میں کہونگا کہ یہ تو میرے اصحاب یعنی امتی ہیں ۔ کہا جائیگا کہ آپ کو معلوم نہیں انھوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی نئی باتیں نکالی تھیں انتہیٰ

اور بخاری شریف میں ہے عن انسؓ ان رجلا قال یا نبی اللہ یحشر الکافر علی وجہہ یوم القیٰمۃ

قال الیس الذی امشاہ علی الرجلین فی الدنیا قادراً علیٰ ان یمشیہ علیٰ وجہہ یوم القیٰمۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کیا کافر حشر کے دن منہ کے بل چلیگا فرمایا جس نے دنیا میں اُس کو پاؤں پر چلایا تھا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت میں اُس کو منہ پر چلائے انتہیٰ۔ ان احادیث اور آیۂ موصوفہ سے ظاہر ہے کہ قیامت میں پورا جسمانی کارخانہ قائم ہوجائیگا کیونکہ قبروں سے بے ختنہ اور برہنہ اُٹھنا اور منہ کے بل چلنا اور پسینہ جاری ہونا وغیرہ امور اُس پر دلیل قطعی ہیں اب اگر مرزا صاحب کو خدا و رسول کی بات ماننے میں یہودیت کا خوف ہے تو وہ یہودیت سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ کل کفار کا یہی طریقہ رہا کہ خدا و رسول کی بات پر کوئی نہ کوئی الزام قائم کردیا کرتے تھے

اس کے بعد اعمال نامے ہر طرف سے اڑیں گے اور ہر ایک کے ہاتھ میں آجاوینگے
چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے واذا الصحف نشرت و قولہ تعالےٰ یومئذٍ تعرضون
لاتخفی منکم خافیہ فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فیقول ھاؤم اقرؤا کتابیہ انی ظننت انی
ملٰقٍ حسابیہ فھو فی عیشۃٍ راضیۃ فی جنۃ عالیۃ قطوفہا دانیہ کلوا واشربوا ھنیئاً
بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ واما من اوتی کتابہ بشمالہ فیقول یالیتنی لم اوت کتابیہ
ولم ادر ماحسابیہ ٭ یالیتہا کانت القاضیۃ ٭ مااغنی عنی مالیہ ہلک عنی سلطانیہ ٭
خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعہا سبعون ذراعا فاسلکوہ -
ترجمہ اُس دن سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا چھپنے والا سو جس کو ملا نامۂ اعمال
سیدھے ہاتھ میں کہیگا لیجیو پڑھو میرا نامہ مجھے اعتقاد تھا کہ مجھکو ملتا ہے میرا حساب
سو وہ پسندیدہ عیش میں رہے گا جنت میں جس کے میوے جھک رہے ہیں
کھاؤ خوشگوار جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں اور جسکو ملا نامۂ اعمال بائیں
ہاتھ میں کہیگا کاشکے مجھکو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھکو خبر نہ ہوتی کہ کیا حساب ہے میرا
اے کاش موت ہی میرا کام آخر کر دیتی کچھ کام نہ آیا مجھکو میرا مال زائل ہو گئی
مجھسے حکومت کہا جائیگا کہ اُس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اسکو
بٹھاؤ پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ ستر گز ہے اُس کو جکڑ دو انتہے -
اور حدیث میں ہے جسکو احمد عبد بن حمید اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم
اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یعرض الناس ثلٰث عرضات فاما عرضتان فجدال و معاذیر و اما الثالثۃ فعند
ذلک تطائر الصحف فی الایدی فاخذ بیمینہ واخذ بشمالہ کذا فی الدر المنثور للامام السیوطیؒ

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال تین بار پیش کیے جائینگے دو بار تو جھگڑے اور عذر خواہیاں رہینگی تیسرے بار اعمال نامے اُڑ اُڑ کر ہاتوں میں آ جائینگے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں انتہی۔

اور اعمال کے تلنے کا بھی ایک بڑا معرکہ ہے حق تعالےٰ فرماتا ہے والوزن یومئذ الحق وقولہ تعالےٰ فمن ثقلت موازینہ فاولئک ہم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسہم فی جہنم خالدون ترجمہ جن کے بھاری ہوئیں تولیں وہی رستگار ہونگے اور جن کی ہلکی ہوئیں تولیں وہی ہیں جو ہار بیٹھے ہیں جان دوزخ میں رہینگے اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس شیئًا وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفیٰ بنا حاسبین ترجمہ اور رکھینگے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی ایک شخص پر ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے وہ بھی ہم لے آئینگے اور ہم بس ہیں حساب کرنے والے انتہی

اور حق تعالےٰ فرماتا ہے حتیٰ اذا ما جاؤہا شہد علیہم سمعہم وابصارہم وجلودہم بما کانوا یعملون وقولہ تعالےٰ الیوم نختم علیٰ افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون یعنی اُن کے منہ پر اُس روز مہر کردی جائیگی اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے گواہی طلب کیجائیگی اور ہر عضو جو کچھ دنیا میں کام کیا تھا پورا پورا کہدیگا اور ارشاد ہے وان منکم الا واردہا کان علیٰ ربک حتمًا مقضیًا ترجمہ اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچیگا دوزخ پر ہو چکا تمہارے رب پر ضرور مقرر انتہےٰ۔

اور امام سیوطی رح نے در منثور میں نقل کی ہے عن ابن مسعود رض فی قولہ وان منکم الا واردہا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد الناس کلہم النار ثم یصدرون عنہا

باعمالہم فاوّلہم کلمح البرق ثم کالریح کحضر الفرس ثم کالراکب فی رحلہ ثم کشد الرجل ثم کمشیہ
یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کل آدمی دوزخ پر آئینگے اور بقدر اعمال
اُس پر سے گذرینگے بعض برق کی طرح بعض ہوا کی بعض گھوڑے کے دوڑ کی
اور بعض اونٹ کے اور بعض آدمی کے دوڑنے اور چلنے کی طرح انتہی۔

اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ یوم القیٰمۃ یا آدم یقول لبیک ربنا وسعدیک فینادی
بصوت ان اللہ یامرک ان تخرج من ذریتک بعثا الی النار قال یارب وما
بعث النار قال من کل الف اراہ قال تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین صفحہ (۶۹۳)
یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالےٰ قیامت کے روز فرمادیگا یا
آدم وہ جواب میں عرض کرینگے لبیک ربنا وسعدیک پھر ندا ہوگی بلند آواز سے
کہ اللہ تعالےٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کرو عرض کرینگے
کس قدر ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار انتہٰی۔

پھر وہ مصیبت کا روز معمولی بھی نہ ہوگا کہ چار پہر کسی طرح گذر جائیں بلکہ ابتدائے تخلیق
سے قیامت تک جتنی عمر اس عالم دنیوی کی ہے وہ ایک روز درازی میں گویا
اُس تمام کے برابر اور ہم پہلو ہوگا چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ پچاس
ہزار برس کا دن ہوگا کما قال تعالےٰ سال سائل بعذاب واقع للکافرین لیس لہ
دافع من اللہ ذی المعارج تعرج الملٰئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین
الف سنۃ فاصبر صبراً جمیلاً۔ ترجمہ درخواست کرتا ہے ایک درخواست کرنے والا اس
عذاب کی جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے اللہ کی طرف سے جو

مرتبوں والا ہے۔ چڑھینگے اُس کی طرف فرشتے اور روح اُس دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے سو صبر کرو اچھا صبر انتہیٰ۔

یعنی سب جتنے فرشتے دنیا میں مختلف کاموں پر مامور ہیں اس روز تمام آسمانوں پر چڑھ جائینگے غرض کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہونا اور اس میں اقسام کے مصائب کا پیش آنا قرآن شریف کی بیسوں آیات اور صدہا احادیث سے ثابت ہے جس کو ذرا بھی ایمان ہو اس میں ہرگز شک نہیں کرسکتا اُس پر بھی جن لوگوں کو شک ہو حق تعالےٰ اُن کو عقلی طریقہ سے سمجھاتا ہے کما قال تعالیٰ یاایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام مانشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً وتری الارض ہامدۃً فاذا انزلنا علیہا الماء اہتزت وربت وانبتت من کل زوج بہیج ذلک بان اللہ ہو الحق وانہ یحیی الموتیٰ وانہ علیٰ کل شئی قدیر وان الساعۃ آتیۃ لاریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولاہدیً ولاکتاب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ لہ فی الدنیا خزی ونذیقہ یوم القیٰمۃ عذاب الحریق ترجمہ اے لوگو اگر تم کو شک ہے جی اُٹھنے میں تو (دیکھو) کہ ہمنے تمکو بنایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر مضغہ گوشت سے صورت بنی ہوئی اور نہ بنی ہوئی یہ اس واسطے کہ تم کو ظاہر طور پر معلوم کرادیں۔ اور ٹھیرا رکھتے ہیں ہم رحم میں جو کچھ چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک پہنچو اپنی جوانی کے زور کو۔ اور بعضے

تم میں سے مرجاتے ہیں اور بعضے پھیرے جاتے ہیں ارذل عمر تک تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگیں۔ اور تم دیکھتے ہو زمین خشک پھر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اُگائیں ہر قسم کی رونق کی چیزیں یہ اس واسطے کہ اللہ ہی ہے حق اور وہ جلاتا ہے مردے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ اُٹھائیگا قبروں میں پڑے ہوؤں کو۔ اور بعض لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کے بات میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے اپنی گردن موڑکر کہ گمراہ کریں اللہ کی راہ سے ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور چکھادینگے ہم ان کو قیامت کے دن جلن کی عذاب انتہٰی۔

اس آیہ شریفہ میں حق تعالیٰ اُن لوگوں کو جو قیامت کے قائل نہیں کئی مثالوں سے سمجھاتا ہے کہ تم اپنی ہی پیدائش کو دیکھ لو کہ کس قدر عقل کے خلاف ہے مٹی سے نباتات اور اُن سے نطفہ اور اُس سے علقہ اور اُس سے مضغہ اور اُس سے آدمی بنتا ہے پھر تم پر کیسے کیسے انقلابات آتے ہیں کبھی لڑکے کبھی جوان کبھی بعد کمال عقل کے بے وقوف محض۔ اور زمین ہی کو دیکھ لو کہ خشک ہونے کے بعد ہمارے حکم سے کیسی لہلہانے لگتی ہے اس سے سمجھ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ جو ہمیشہ اس عالم میں انقلابات پیدا کیا کرتا ہے اُس انقلاب اخروی پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں قائم کردے۔ اس پر بھی جو نہ مانے وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب

من البعث سو مرزا صاحب کا شبہ اُس میں داخل ہے یا نہیں۔ اُنہوں نے تحریر سابق میں اپنا اعتقاد بیان کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک حالت مستمرہ رہیگی اور کوئی زندہ ہو کر زمین پر نہ آئیگا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جن شبہات کے رفع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اُن میں مرزا صاحب کا شبہ اور اعتقاد بھی داخل ہے۔ اب مرزا صاحب کو خدا کا شکریہ بجالانا چاہیئے کہ کس طرح سنا لیں ہے دے کر حق تعالے نے موت کے بعد زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا۔ اگر یہودیت کا خیال مانع ہے تو اُس کی طرف کچھ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اسلئے کہ شیطان ایسے ہی قیاس کر کے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے رکا تھا۔ خدائے تعالے کے ارشاد کے بعد مسلمانوں کو چون وچرا کی کوئی ضرورت نہیں اب اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا ان کو بہشت سے نہیں نکالتا معاد جسمانی کا انکار ہے یا نہیں اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے مخالف ہے یا نہیں اور اُس مخالفت آدمی کا ایمان باقی رہ سکتا ہے یا نہیں۔ خدائے تعالے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو صاف فرما رہے ہیں کہ حشر زمین پر ہوگا اور اس تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ اُس دن زمین جھاڑ پہاڑ وغیرہ سے خالی کر دی جائیگی اور دریائیں خشک ہو جائینگے وغیرہ وغیرہ۔

مگر مرزا صاحب ایک نہیں مانتے۔ قرآن و حدیث سے مردوں کا قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف جانا ثابت ہے قولہ تعالیٰ و نفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الیٰ ربھم ینسلون یعنی صور پھونکے جانے کے ساتھ ہی سب آدمی قبروں سے نکلکر

اپنے رب کی طرف دوڑینگے" اور نیز میدان حشر میں کھڑے ہونا اور پسینہ کی وہ حالت اور اُن کا ختنہ نہ کئے ہوئے ایسی حالت پر ہونا جیسے دنیا میں پیدا ہوئے تھے ثابت ہے جو صاف طور سے معاد جسمانی پر گواہی دے رہا ہے مگر مرزا صاحب اُس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اور معرکہ حساب و میزان و پل صراط اور انبیائے اولوالعزم کی پریشانی اور بکرات و مرات نفسی نفسی کہنا دلیل بیّن ہے اس پر کہ اُس وقت کوئی جنت میں نہ ہوگا مگر مرزا صاحب اُس کو رد کرکے کہتے ہیں کہ بہشت سے کوئی نہ نکلیگا۔ دیکھ لیجئے ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے کہتے ہیں کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور اُس سے ایک نقطہ کم نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ایک نقطہ تو کم نہیں کیا مگر جزو کے جزو نکالدئے۔ اب یہاں ایک اور مشکل درپیش ہے کہ مرزا صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ و رسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے طور پر کہ خدائے تعالٰی کے تقدس اور تنزہ میں کوئی منافی نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لوگ جنت میں بھی ہونگے اور زمین محشر پر بھی۔ محشر کے مصائب اور آفات تو ابھی معلوم ہوئے اب جنت کے بھی تھوڑے احوال سن لیجئے حق تعالٰی فرماتا ہے جنات تجری من تحتها الانهار و قوله تعالٰی فيها انهار من ماء غير آسن و انهار من لبن لم يتغير طعمه و انهار من خمر لذة للشاربين و انهار من عسل مصفى و قوله تعالٰی لكم فيها فاكهة كثيرة منها تاكلون و قوله تعالٰی و فيها ما تشتهيه الانفس و تلذ الاعين و قوله تعالٰی لهم فيها ازواج مطهرة و قوله تعالٰی و عندهم قاصرات الطرف و قوله تعالٰی و حور عين كامثال اللؤلؤ المكنون و قوله تعالٰی يحلون فيها من اساور

من ذہب ویلبسون ثیابا خضرا من سندس واستبرق متکئین علی الارائک وقولہ تعالیٰ

یطاف علیہم بصحاف من ذہب واکواب وقولہ تعالے وکاسا دہاقا وقولہ تعالیٰ

لایرون فیہا شمسا ولازمہریرا وقولہ تعالے فیہا سرر مرفوعۃ واکواب موضوعۃ

ونمارق مصفوفۃ وزرابی مبثوثۃ اس کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کی حالت یہ ہے کہ اُن کے مکانوں کے نیچے پانی اور دودھ اور شراب مصفیٰ شہد کی نہریں بہتی ہونگی۔ مکانات نہایت پر تکلف جن میں بہت ہی پاکیزہ فرش بچھے ہوئے اور مسندیں لگی ہوئیں اور ایک طرف اونچے اونچے تخت سجے ہوئے اور بی بیاں نہایت پاکیزہ اور شرمگیں اور حوریں نہایت حسین فاخرہ لباس اور اقسام کے زیوروں سے آراستہ نزدیک بیٹھی ہوئیں اور خود بھی مشکلل زیور اور عمدہ عمدہ لباس پہنے ہوئے اور میوہ جات اور طرح طرح کی نعمتیں جن کا شمار نہیں غلمان وخدام مشقابوں پر مشقابیں لئے چلے آرہے ہیں اور جھلکتے پیالوں کا باہم دور پھر جس چیز کی خواہش ہو فوراً موجود اوران کے سوا وہ نعمتیں جو نہ کسی کانوں نے سنے نہ آنکھوں نے دیکھیں ہروقت مہیا پھر نہ اُس میں آفتاب کی گرمی نہ زمہریر کی سردی نہ کسی امر کی فکر نہ اُس سے نکلنے کا اندیشہ نہ موت کا کھٹکا وغیرہ امور۔ جن کو تمام اہل اسلام جانتے ہیں۔ اب دیکھئے مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز بہشت سے کوئی نہ نکلیگا اور قیامت کے کل مصائب پر بھی ایمان ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اُس روز مصائب قیامت میں بھی سب جنتی مبتلا رہینگے اور عیش وعشرت میں بھی سرگرم اور مشغول رہینگے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی مگر ابن حزم جسنے

ملل ونحل میں لکھا ہے کہ انجیل متی کے چودھویں باب میں مذکور ہے کہ مسیح نے کہا
کہ یحییٰ نہ کھانا کھاتے ہیں نہ پانی پیتے ہیں اور میں کھانا بھی کھاتا ہوں اور پانی بھی
پیتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ یحییٰ علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں نصاریٰ
اس کا جواب دیتے ہیں کہ مسیح کا ناسوت کھاتا پیتا تھا اور لاہوت نہ کھاتا تھا
نہ پیتا تھا انتہیٰ ملخصاً

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ مسئلہ وہیں سے نکالا ہوگا
کیونکہ مرزا صاحب کو یہود و نصاریٰ کے عقائد میں ممارست کی وجہ سے یدطولیٰ
ہے اس بنا پر قائل ہوگئے کہ اہل محشر کا لاہوت جنت میں اور ناسوت مصائب
میں رہیگا مگر ہمارے دین میں اس کی نظیر نہیں ملتی اس وجہ سے اہل اسلام اس
قسم کے لاہوت و ناسوت کے قائل نہیں ہوسکتے۔ مرزا صاحب ہم پر یہود کے
ہم خیال ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور خود نصاریٰ کے ساتھ ہیں اور فرماتے
ہیں کہ اگر بہشتی بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں
بہشت سے نکلنا پڑیگا اور اُس لق و دق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا
گیا ہے حاضر ہونا پڑیگا ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے
نکلا ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان لاتے ہیں اور تخت
رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے انتہیٰ۔

خود ہی غور فرمائیں کہ یہ تو ہمنے نہیں کہا کہ لق و دق جنگل میں تخت رب العالمین
بچھیگا جس کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے البتہ ہم اس آیہ شریفہ پر ایمان ضرور رکھتے
ہیں ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیہ اور اس قسم کے جتنے امور ہمارے خدا و رسول

سے نے فرما دیئے ہیں گو یہود کے بھی وہ اعتقاد ہوں اُن سب کو ہم مانتے ہیں
کیونکہ ہمارا قرآن تورات و انجیل کا مصدق ہے جیساکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولما
جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم الایہ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہود کے بعض اقوال کی تصدیق بھی کی ہے چنانچہ اس حدیث شریف سے
ظاہر ہے جو بخاری شریف صفحہ (۱۱۰۷) میں ہے عن عبد اللہ قال جاء حبر من الاحبار
الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا محمد انا نجد ان اللہ یجعل السموات علی اصبع والارضین
علی اصبع والشجر علی اصبع والماء علی اصبع والثری علی اصبع وسائر الخلائق
علی اصبع فیقول انا الملک فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ
تصدیقاً لقول الحبر ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض
جمیعاً قبضتہ یوم القیٰمہ یعنی ایک عالم یہود کا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر
عرض کیا کہ ہماری کتاب میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام آسمانوں کو ایک اصبع پر
اور زمینوں وغیرہ کو ایک ایک اصبع پر رکھکر فرمائیگا کہ میں ہی بادشاہ ہوں یہ سنکر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے جس سے تصدیق اس عالم کی ہوتی تھی پھر
حضرت نے یہ آیت پڑھی وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ
یوم القیٰمہ ۔

الحاصل ہمارے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی جن
جن باتوں کی تصدیق کی ہے اُن کی تصدیق کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں
البتہ اس قسم کے ناسوت ولاہوت کا اعتقاد قابل عار ہے ۔

مرزا صاحب یہ جو فرماتے ہیں کہ ہم تخت رب العالمین کا خاکہ جسمانی طور پر

نہیں کھینچتے اس کا مطلب یہاں معلوم نہیں ہوتا کہ عرش الٰہی کے جسمانی نہونے سے معاد جسمانی کیونکر باطل کیا جاتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حشر جسمانی ہو تو تنزیہ الٰہی میں فرق پڑجائیگا تو اس اعتبار سے اس عالم جسمانی میں بھی تنزیہ باقی نہ رہنا چاہیئے اس لئے کہ آخر اب بھی استوا علی العرش ثابت ہے جیسے قیامت میں ہوگا چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے الرحمن علی العرش استویٰ اب استویٰ کے معنی جو کچھ ہوں جیسے اس عالم میں ہے ویسا ہی اُس عالم میں بھی ہوگا پھر جب اُس عالم میں زمین پر حشر جسمانی ہونے سے تنزیہ میں فرق آتا ہے تو اس عالم میں بھی عالم جسمانی زمین پر ہونے سے فرق آنا چاہیئے اور جب اس عالم میں تنزیہ میں فرق نہیں آتا تو وہاں معاد جسمانی سے فرق آنیکی کیا وجہ۔ مرزا صاحب تنزیہ کو پیش کرکے حشر و نشر کا جو انکار کرتے ہیں کس قدر بدنما اور خلاف تدین ہے اب تک تو آیات قرآنیہ کو بیان کرکے اُن میں اُلٹ پلٹ ہی کیا کرتے تھے اس مسئلہ میں جو دیکھا کہ اگر احادیث کی تکذیب بھی کردیں تو آیات قرآنیہ اتنی ہیں کہ اُن سے سربر ہونا مشکل ہے اس لئے یہاں وہ طریقہ بھی چھوڑ دیا اور خودمختاری سے ایک نیا عقیدہ گھڑ دیا جس کا کوئی اسلامی فرقہ قائل نہیں گویا وہ کل آیات نعوذ باللہ منسوخ کردی گئیں۔ تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ کوئی بھی کلام الٰہی کو منسوخ کرنے کا مجاز نہیں جب تک خود خدائے تعالےٰ کسی آیت کو منسوخ نہ کرے پھر مرزا صاحب اس کے کیونکر مجاز ہوسکتے ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ روزافزوں ترقی میں نبوت مستقلہ کی بھی ترقی کا دعوےٰ ہوگیا ہے۔ اگر متبعین کو مرزا صاحب کی تقریر سے

معاد جسمانی کا انکار ہی تو ظاہر ہے کہ اُنکے نزدیک وہ نبی مستقل بلکہ نبی سے بھی ایک درجہ بڑھکر ہیں اور اُن کی کتاب ازالۃ الاوہام ناسخ قرآن شریف قرار پا چکی ہے نعوذ باللہ من ذالک خدا کرے کہ ایسا نہ ہو ورنہ یہ حضرات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے کلمہ گو اور پورے قرآن کے معتقد رہیں۔

مشرکین و فلاسفہ جو قیامت کا انکار کرتے تھے بڑی وجہ اُس کی یہ مشاہدہ تھا کہ جب کوئی چیز فنا ہو جاتی ہے تو پھر وجود میں نہیں آتی اسی وجہ سے وہ کہتے تھے من یعید نا یعنی ہمیں دوبارہ کون پیدا کریگا اور فلاسفہ نے قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اعادۂ معدوم محال ہے حق تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے کما خلقناکم اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین یعنی جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے ویسا ہی دوبارہ بھی پیدا کرینگے کیونکہ اعادہ بہ نسبت ابتدائے تخلیق کے بہت آسان ہے اور ارشاد ہے کما قال من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ وہو بکل خلق علیم یعنی وہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا تم کہو کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی اُن کو زندہ کریگا ہر چیز کو پیدا کرنے کا حال وہ خوب جانتا ہے الحاصل جب آدمی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو تو اُس کو قیامت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔

قیامت کے باب میں کم فہم اور جاہلوں کو یہ شبہات ہوتے ہیں کہ آیات و احادیث میں جو قیامت کے احوال مذکور ہیں باہم متعارض ہیں مثلاً کسی آیت میں یہ ہے کہ سب فرشتے اُس روز آسمانوں پر چلے جائینگے اور کسی میں یہ ہے کہ سب زمین پر اتر آئیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب بے نور ہو کر گر جائینگے

اور کسی میں یہ ہے کہ زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آفتاب آجائیگا اور کسی میں یہ ہے
کہ دوزخ میں دونوں ڈالے جائینگے جیسا کہ حق تعالٰے فرماتا ہے انکم وما تعبدون
من دون اللہ حصب جہنم غرض کہ آیات و احادیث کو دیکھنے سے اس قسم کے
بہت شبہات پیدا ہوتے ہیں سو اُن کو یوں دفع کرنا چاہیے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار
برس کا ہوگا جس میں مختلف اوقات میں مختلف کام ہونگے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں
کہ ایک ہی صدی میں کیسے کیسے انقلابات پیدا ہو جاتے ہیں آدمی جب اپنے
بزرگوں سے زبانی اُن کے اوائل حالات سنتا ہے اور اپنے زمانے کے حالات
کو دیکھتا ہے تو ایک انقلاب عظیم پاتا ہے جس سے متحیر ہو جاتا ہے جب ایک
صدی میں یہ کیفیت ہو تو قیامت کے پچاس ہزار برس میں کس قدر انقلابات
ہونا چاہیے اسی وجہ سے ایک وقت وہ ہوگا کہ تمام فرشتے زمین کے آسمانوں پر
چلے جائینگے اُس کے بعد جب آسمانوں کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائیگا اور زمین پر
شان و شوکت کے اظہار کی ضرورت ہو گی تو تمام فرشتوں کے صفوف زمین پر
آراستہ کیے جاینگے اور آفتاب کا نور زائل کر کے صرف اُس کی گرمی کسی خاص
مصلحت کے لحاظ سے باقی رکھی جائیگی پھر کسی وقت دوزخ میں بھی ڈالدیا جائیگا
ابن عباس رضی اللہ عنہما کے روبرو بھی چند شبہات اس قسم کے پیش کئے گئے تھے
اُن کا جواب جو اُنہوں نے دیا ہے اُس سے ہمارے اس قول کی تصدیق
ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے عن سعید رضی اللہ عنہ قال رجل لابن عباس
انی اجد فی القرآن اشیاء تختلف علی قال فلا انساب بینہم یومئذٍ
ولا یتساءلون۔ واقبل بعضہم علی بعض یتساءلون۔ ولا یکتمون اللہ حدیثا ربنا ما کنا

مشرکین فقد کتموا فی ہذہ الایۃ۔ وقال والسماء بناہا الی قولہ دحاہا فذکر خلق السماء قبل خلق الارض

ثم قال انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الی طائعین فذکر فی ہذہ خلق الارض

قبل السماء وقال وکان اللہ غفوراً رحیما عزیزاً حکیما سمیعاً بصیراً فکانہ کان ثم مضی۔

فقال فلا انساب بینہم فی النفخۃ الاولی ثم ینفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن

فی الارض الا من شاء اللہ فلا انساب عند ذالک ولا یتسائلون ثم فی النفخۃ الآخرۃ

اقبل بعضہم علی بعض یتسائلون واما قولہ ماکنا مشرکین ولا یکتمون اللہ فان اللہ

یغفر لاہل الاخلاص ذنوبہم وقال المشرکون تعالوا نقول لم نکن مشرکین فختم علی

افواہہم فتنطق ایدیہم فعند ذالک عرف ان اللہ لا یکتم حدیثا وعندہ یود الذین کفروا

الایۃ وخلق الارض فی یومین ثم خلق السماء ثم استوی الی السماء فسوٰہن فی یومین

آخرین ثم دحا الارض ودحیہا ان اخرج منہا الماء والمرعی وخلق الجبال والاکام

وما بینہما فی یومین آخرین فذالک قولہ دحاہا وقولہ خلق الارض فی یومین فجعلت الارض

وما فیہا من شیء فی اربعۃ ایام وخلقت السماء فی یومین۔ وکان اللہ غفوراً رحیما سمی

نفسہ ذالک وذالک قولہ ای لم یزل کذالک فان اللہ لم یرد شیئاً الا اصاب بالذی

اراد فلا یختلف علیک القرآن فان کلا من عند اللہ یعنی ایک شخص نے ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن شریف میں مجھے کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے حقتعالےٰ

فرماتا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں میں نہ نسبی تعلق ہوگا نہ ایک دوسرے

کو پوچھیگا۔ پھر دوسری آیت میں ہے کہ ایک دوسرے کے پاس جائینگے اور

پوچھینگے۔ اور ایک آیت میں یہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائینگے۔ اور

دوسری آیت میں ہے مشرک کہینگے کہ یا اللہ ہم مشرک نہ تھے۔ اس سے

چھپانا ثابت ہے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوی اور دوسری آیت میں ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور کان اللہ غفوراً رحیما وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور و رحیم گزشتہ زمانہ میں تھا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نفخۂ اولی کے وقت کوئی کسی کو نہ پوچھیگا پھر نفخۂ آخری کے بعد ایک دوسرے کو پوچھنے لگینگے۔ اور جب خدائے تعالے اہل اخلاص کے گناہ معاف فرمادیگا تو مشرکین آپس میں کہینگے کہ آؤ ہم بھی کہیں کہ ہم مشرک نہ تھے اُس وقت اُن کے مونہوں پر مہر کر دی جائیگی اور ہاتھ اُن کے سب واقعات کہہ سنائینگے کہ ہم نے یہ یہ کام کیا تھا اُس وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ خدائے تعالے سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا اُس وقت کفار آرزو کرینگے کہ کاش ہم بھی ایمان لائے ہوتے۔ اور حق تعالیٰ نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا پھر دو دن میں آسمان بنائے اُس کے بعد دو دن میں زمین سے پانی نکالا اور چراگاہ اور پہاڑ اور ٹیلے وغیرہ بنائے اس حساب سے زمین اور اس کے متعلقات چار دن میں آسمانوں سے پہلے اور بعد بنائے گئے اور آسمان دو دن میں۔ اور کان اللہ غفوراً رحیما وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے نے زمانۂ گذشتہ میں یہ نام اپنے رکھے اور اُس کے بعد ہمیشہ ان صفات کے ساتھ متصف رہے جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور مغفرت وغیرہ کرتا ہے یہ بیان کر کے ابن عباس رضہ نے فرمایا کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ قرآن میں اختلاف ہے سارا قرآن اللہ تعالے کے پاس سے اترا ہے ممکن نہیں کہ اُس میں اختلاف ہوا تھا۔

الحاصل جس طریقہ کی تعلیم ترجمان القرآن ابن عباس رضہ نے کی اُس سے ظاہر ہے کہ

ظاہری طور پر تعارض اگر معلوم ہو تو ایسے طور پر اٹھایا جائے کہ کسی آیت کی تکذیب ہو اور ہر آیت کے معنی پورے طور پر باقی رہیں نہ یہ کہ کسی غرض سے تعارض پیدا کر کے کلام الٰہی کو بدنام کریں پھر اُس کو اُٹھانے کے واسطے ایسی بے ٹھکانا تاویلیں کریں جن سے خواہ مخواہ دوسری آیتوں کی تکذیب ہو جائے۔ امام سیوطی رحنے درمنثور میں لکھا ہے واخرج نصر المقدسی فی الحجۃ عن ابن عمر رض قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن وراء الحجرۃ قوم یتجادلون فی القرآن فخرج محمرۃ وجنتاہ کانما تقطران دما فقال یا قوم لا تجادلوا بالقرآن فانما ضل من کان قبلکم بجدالہم ان القرآن لم ینزل لیکذب بعضہ بعضا ولکن نزل لیصدق بعضہ بعضا فما کان من محکمہ فاعملوا وما کان من متشابہہ فامنوا بہ یعنی ابن عمر رض کہتے ہیں کہ ایکبار آنحضرت صلی اللہ وسلم کے پیچھے چند لوگ قرآن کی آیات میں جھگڑ رہے تھے کہ حضرت برآمد ہوئے غصہ سے چہرہ مبارک اس قدر سرخ تھا کہ گویا خون ٹپکنے کو ہے اور فرمایا کہ تمہارے پیشتر کی اقوام اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ کتاب الٰہی میں جھگڑنے لگے قرآن اس واسطے نہیں نازل ہوا کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی تکذیب ہو بلکہ اس واسطے نازل ہوا کہ ایک آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے سو جو محکم ہے اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہے اُس کا صرف یقین کر لو۔

مرزا صاحب یقین کو نزدیک نہیں آنے دیتے بلکہ جن آیتوں کا یقین تھا اُن میں نئے نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرور ہے کہ ہمیشہ ان شبہات سے پناہ مانگتے رہیں حق تعالےٰ نے ایسے ہی مواقع کے لئے مسلمانوں کو پہلے ہی تعلیم کر دی چنانچہ ارشاد ہے الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس

اللّٰھم انا نعوذبک من ہذا الوساوس والشبہات اور بخاری شریف صفحہ ۶۵۲

میں ہے باب منہ آیات محکمات وقال مجاہد الحلال والحرام واخر متشابہات یصدق

بعضہ بعضا کقولہ تعالے ومایضل بہ الا الفاسقین وکقولہ جل ذکرہ ویجعل الرجس علی الذین

لایعقلون وکقولہ والذین اہتدوا زادہم ہدی یعنی آیات محکمات سے مراد حلال و

حرام ہے واخر متشابہات یعنی دوسری آیتیں متشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کی تصدیق

کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوائے حلال وحرام کے کل آیات متشابہ ہیں

جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور امام سیوطی رحمہ نے درمنثور میں ابن عباسؓ

کا قول بروایت صحیح نقل کیا ہے قال ابن عباس رض وان اللّٰہ لم ینزل شیئا الا قد

اصاب بہ الذی اراد ولکن اکثر الناس لایعلمون یعنی حق تعالے نے جو کچھ

قرآن میں نازل کیا ہے اس کی مراد نہایت صحیح اور واقعی ہے لیکن بہت لوگ

نہیں جانتے غرضکہ آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آیات کلام اللّٰہ ایک دوسرے

کی تصدیق کرتی ہیں اور اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے اور تعارض ظاہرا

معلوم ہو تو وہ اپنے فہم کا قصور ہے کلام الٰہی اس سے بری ہے مگر مرزا صاحب

کو عیسویت کے دہن میں کچھ نہیں سوجتا اور خواہ مخواہ آیات میں تعارض پیدا

کرکے معاد جسمانی کی آیتوں پر جن سے قرآن بھرا ہوا ہے حملہ کررہے ہیں

اور صاف طور سے اس کا انکار ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ مسیح کا زمین پر اترنا

ہر طرح سے باطل کردیں مگر ظاہرا چند آیتیں پیش کرتے ہیں کہ وہ متعارض ہیں

چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۳۴۹) میں لکھتے ہیں مسیح ابن مریم جس کی روح

اٹھائی گئی بر طبق آیات کریمہ یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک فادخلی

فی عبادی وادخلی جنتی۔ جنتی بہشت میں داخل ہو چکے پھر کیونکر اس غمکدہ میں آجائیں
اور جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے پھر وہ اُس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا
جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لایمسہم فیہا نصب وما ہم منہا بمخرجین۔ واما الذین
سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیہا مادامت السموات والارض الا ماشاء اللہ عطاء غیر مجذوذ
ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں بھی بہشتیوں کے ہمیشہ بہشت میں
رہنے کا جا بجا ذکر ہے اور سارا قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ
فرماتا ہے ولہم فیہا ازواج مطہرۃ وہم فیہا خالدون۔ اولئک اصحاب الجنۃ ہم فیہا
خالدون وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مومن کو فوت ہونے کے بعد
بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہو رہا ہے قیل
ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین۔ اور دوسری
آیت یہ ہے فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اور تیسری آیت یہ ہے
ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یرزقون فرحین بما اتٰہم اللہ
من فضلہ۔ اور احادیث میں تو اس قدر اس کا بیان ہے کہ جس کا باستیفا ذکر کرنا
موجب تطویل ہوگا بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا چشم دید ماجرا بیان
فرماتے ہیں کہ مجھے دوزخ دکھلایا گیا تو میں نے اُس میں اکثر عورتیں دیکھیں اور
بہشت دکھلایا گیا تو اکثر اُن میں فقرا تھے۔ انتہیٰ۔

مطلب اس کا یہ ہوا کہ ان تین آیتوں سے ثابت ہے کہ مرتے ہی آدمی
جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ جو جنت
میں داخل ہو جاتا ہے پھر اُس سے نہیں نکلتا۔ جس سے ثابت ہوا

کہ قیامت زمین پر نہ ہوگی اور جتنی آیتیں معاد جسمانی زمین پر ہونے کی ہیں جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور صدہا حدیثیں جن سے ہزارہا کتابیں بھری ہیں کوئی اعتبار اور اعتقاد کے قابل نہیں۔

اب ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ صدہا آیتوں کے مقابل دو تین آیتیں مخالف معلوم ہوں تو وہ مخالفت قصور فہم کی وجہ سے سمجھی جائے گی یا واقعی جس سے اُن تمام آیات کثیرہ کی تکذیب کی ضرورت ہو کیا مرزا صاحب کا صدہا آیتوں پر اس غرض سے حملہ کرنا کہ بے کھٹکا عیسٰے موعود خود بن جائیں عقلا کو یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ صرف دنیاوی غرض سے وہ قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے کسی دعوے میں ہرگز صادق نہیں ہو سکتے اور نہ کسی دینی خدمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اب اُن تین آیتوں کے استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے یا ایتہا النفس المطمئنۃ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ارواح مرتے ہی بلا توقف بہشت میں داخل ہو جاتی ہیں۔

مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا نہ اُس میں موت کا ذکر ہے نہ مرتے ہی جنت میں داخل ہونے کی تصریح بلکہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا جو سیاق آیت سے خود ظاہر ہے کیونکہ پوری آیت شریفہ یہ ہے فیومئذ لا یعذب عذابہ احد ولا یوثق وثاقہ احد یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اوپر سے قیامت کا ذکر چلا آ رہا ہے کما قال تعالٰے اذا دکت الارض دکا دکا الایۃ اس سے ظاہر ہے کہ فیومئذ سے مراد قیامت ہی ہے اور اسی روز ارواح کو یہ خطاب ادخلی فی جنتی ہوگا۔

چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح تفسیر عزیزیہ میں لکھتے ہیں و دراں روز پر
ہول یعنی روز قیامت کہ اول وہلہ ہر ہمہ را از نیکاں و بداں اضطراب و فزع
لاحق گردد مطیعان و نیکان را تسلی بخشند و ندا در رسد کہ یاایتہا النفس المطمئنۃ اور
امام سیوطی رح در منثور میں لکھتے ہیں عن ابن عباس رض فی قولہ ارجعی الی ربک
قال ترد الارواح یوم القیٰمۃ فی الاجساد یعنی ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ ارواح
کو جو ارجعی الی ربک کا خطاب ہوگا وہ قیامت کے روز ہوگا کہ اپنے اجساد میں
داخل ہو کر محشر میں حاضر ہو جائیں۔
اور اسی میں یہ روایت بھی ہے عن سعید بن جبیر رح ثم لیطیر الارواح فیوم ان تدخل
الاجساد فہو قولہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ یعنی سعید بن جریر رح بھی یہی مطلب
اس آیہ شریفہ کا کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اجساد میں ارواح کو داخل
ہونے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ اڑ اڑ کر اجساد میں داخل ہو جائینگے۔ اور یہ روایت
بھی اس میں ہے وعن ابی صالح رح فی قولہ ارجعی الی ربک قال ہذا عند الموت
رجوعہا الی ربہا خروجہا من الدنیا فاذا کان یوم القیٰمۃ قیل لہا ادخلی فی عبادی
وادخلی جنتی یعنی ابی صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ارجعی الی ربک کا خطاب
روح کو موت کے وقت ہوتا ہے اس کا دنیا سے نکلنا رب کی طرف رجوع ہونا ہے
اور جب قیامت کا روز ہوگا تو ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کہا جائیگا اور اسی
در منثور میں ہے عن زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ یاایتہا النفس المطمئنۃ الآیۃ
قال بشرت بالجنۃ عند الموت وعند البعث ویوم الجمع یعنی زید ابن اسلم رح
یاایتہا النفس المطمئنۃ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خوشخبری روح کو موت کے

وقت اور قیامت کے روز دی جائے گی کہ جب دخول جنت کا وقت آجائیگا اسوقت داخل ہوجائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے واما الذین سعدوا ففی الجنۃ یعنی جتنے سعید لوگ ہیں جنت میں ہیں اس سے یہ مقصود نہیں۔ کہ ہر سعید اذلی نزول آیت کے وقت جنت میں چلاگیا تھا۔ جس سے حقیقی طور پر ظرفیت صادق آئے بلکہ وہ سعدا کو بشارت ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے کا وقت آجائیگا اُس وقت داخل ہوجائینگے۔ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضؓ کی قرارت ادخلی فی جسد عبدی ہے یعنی قیامت کے روز نفس مطئنہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندہ کے جسد میں داخل ہوجا۔ اور امام سیوطی رحؒ نے در منثور میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فادخلی فی عبدی پڑھتے تھے جس کا مطلب وہی ہے کہ جسد میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن شریف کی پوری آیت جو ابھی لکھی گئی اُس کے سیاق سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ادخلی جنتی کا خطاب ہوگا مگر مرزا صاحب پوری آیت نہیں پڑھتے اور صرف ادخلی جنتی سے استدلال کرتے ہیں اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص نے دعوے کیا کہ نماز کے پاس جانے کا حکم نہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کردی کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے یاایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ کسی نے کہا وانتم سکارےٰ بھی تو اسی کے ساتھ مذکور ہے جس سے مطلب ظاہر ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو اُس نے جواب دیا کہ یوں تو سارا قرآن پڑا ہوا ہے مگر آخر لاتقربوا الصلوٰۃ بھی تو کلام الٰہی ہے۔ اہل ایمان غور کریں کیا اس قسم کا استدلال کرنے والا مسلمان سمجھا جائیگا یا یہ سمجھا جائے گا کہ

قرآن پر اس کو ایمان ہی نہیں کیونکہ صراحۃً جو قید مذکور ہے اُس کو اپنی بات بنانے کیلئے اُس نے حذف کر دیا۔

اب مرزا صاحب کو بھی دیکھ لیجئے کہ یہی کام کر رہے ہیں یا نہیں حق تعالٰے پوری آیت میں قیامت کا ذکر فرماتا ہے اور مرزا صاحب اپنی بات بنانے کے لئے اُس کو حذف کر کے ایک حصہ سے استدلال کرتے ہیں اور موت کے ساتھ اس کو خاص کرتے ہیں اب کیونکر کہا جائے کہ مرزا صاحب کو قرآن پر ایمان ہے۔

رسالہ الحق الصریح میں مرزا صاحب کی تحریر جو درج ہے اُس سے ظاہر ہے کہ وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ میں ایک قرأت شاذہ قبل موتہم بھی ہے جو اُن کے مفید مدعا ہے اُس قرأت شاذہ پر استدلال کر کے صفحہ (۸۹) میں لکھتے ہیں کہ فرض کرو کہ وہ قرأت بقول مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے بلکہ وہ احتمال صحت رکھتی ہے انتہٰے۔

مقصود کہ قرأت شاذہ بلکہ حدیث ضعیف بھی اعتماد کے قابل ہے۔ اس بنا پر ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ دو قرأتیں ایسے جلیل القدر صحابیوں کی ایک تو ابن عباسؓ جو ترجمان القرآن ہیں اور دوسرے ابن مسعودرضؓ جن کی فضیلت صحابہ کے نزدیک مسلم ہے۔ گواہ عادل اسبات پر ہیں کہ ادخلی جنتی کا حکم قیامت کے روز ارواح کو اس واسطے ہوگا کہ وہ اپنے اپنے اجساد میں داخل ہو جائیں موت کے وقت اس حکم سے کوئی تعلق نہیں۔ اور قرأت متواترہ کی تفسیر جو ابن عباس رضؓ وغیرہ نے کی ہے وہ بھی اسی کے مطابق ہے

اور سیاق آیت سے بھی ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ارواح کو یہ حکم ہوگا۔ اور جتنی آیتیں معاد جسمانی کے باب میں وارد ہیں سب کا مفاد یہ ہے کہ حشر زمین پر ہوگا اور کل اولین و آخرین انبیا وغیرہم کا میدان حشر میں موجود رہنا مصرح ہے کما قال تعالےٰ ان الاولین و الآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم وقولہ تعالےٰ و یوم نبعث من کل امۃ شہیداً ثم جئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ جن سے ظاہر ہے کہ اُس روز کوئی بہشت میں نہ رہے گا اتنے دلائل کے بعد یہ کہنا کہ بہشتیوں کے بہشت سے نکلنے پر کوئی حدیث نہیں مرزا صاحب ہی کا کام ہے اگر مرزا صاحب کو اتنے دلائل ملتے تو معلوم نہیں کہ کیا حشر برپا کرتے۔ حق تعالےٰ صاف فرماتا ہے یخرجون من الاجداث کانہم جراد منتشر یعنی سب مُردے قبروں سے ایسے نکلینگے جیسے ٹڈے ہیں پراگندہ اور قیامت کے روز کا نام بھی حق تعالےٰ یوم الخروج رکھا ہے کما قال تعالےٰ یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذلک یوم الخروج انا نحن نحیی ونمیت اور معاد جسمانی پر صدہا حدیثیں موجود ہیں جن کا تھوڑا سا حال اوپر معلوم ہوا باوجود اس کے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ایک حدیث بھی نہیں اور اس پر مرزا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جھوٹ شرک کے برابر ہے اس سے عقلا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قول انکا دھوکا دینے کی غرض سے ہے یا نہیں۔

ازالۃ الاوہام صفحۂ (۵۲۷) میں عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا

وہ یقین نور علیٰ نور ہے جس سے انحراف ایک قسم کی بے ایمانی ہے انتہیٰ۔
یہ بات تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہو جائے گی کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں ہمارے مفید ہیں یا مرزا صاحب کے مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ معاد جسمانی کے باب میں مرزا صاحب صدہا آیات و احادیث سے جو عمداً انحراف کر رہے ہیں انہیں کے اقرار کے مطابق وہ بے ایمانی کر رہے ہیں یا نہیں در اصل وہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ اگر جنتی سے جب مرتے ہی جنت میں داخل ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عدم خروج کے دلائل بہت ہیں مگر یاد رہے کہ جب تک وہ قطعی طور پر یہ ثابت نہ کریں کہ مرتے ہی آدمی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جب تک اُن تمام نصوص قطعیہ کا جواب نہ دیں جن سے معاد جسمانی اور حشر کا زمین پر ہونا ثابت ہے عدم خروج کی آیتیں اُن کو مفید نہیں ہو سکتیں۔ اصل مغالطہ کا منشا یہ ہے کہ مرنے کے بعد بعضے روحانی طور پر جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اسی کو اُنہوں نے دخول حقیقی قرار دیا ہے جس کے بعد خروج ممکن نہیں حالانکہ وہ دخول حشر اجساد و احیائے عظام کے بعد ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دخول روحانی وہ مانع خروج نہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا روحانی طور پر جنت کی سیر کی ہے جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ اگر مرزا صاحب یہ فرق کر دیتے کہ شہدا وغیرہم کے ارواح جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر قیامت کے روز وہ اجساد میں داخل اور نئے سرے سے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔ اس کے بعد جب داخل جنت ہونگے تو پھر کبھی نہ نکلیں گے

تو کوئی جھگڑا ابھی نہ تھا تمام آیات واحادیث حشر جسمانی کے مسلم رہتے اور پورے قرآن پر ایمان بھی ہو جاتا مگر عیسےٰ علیہ السلام کے زمین پر آنے کے خوف سے انہوں نے اُس کو گوارا نکیا اور اسکی کچھ پروا نکی کہ صدہا آیات واحادیث کا انکار لازم آجاتا ہے اور استدلال میں بھی چال نکالی کہ ایک احتمالی پہلو جو نصوص قطعیہ کے مخالف ہے پیش کرکے نہایت وصٹائی سے کہدیا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر نہیں نکلتا۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۳۰) میں لکھتے ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارفت صرف بذریعۂ الہامات ومکاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہوسکتی صرف کوے کی طرح یا بھیڑی کے مانند ایک نجاست کو ہم حلوا سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ یاد ہونگے انتہےٰ۔

اب اہل انصاف خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جس فراست سے قرآن کی صدہا آیتوں اور حدیثوں کا ابطال ہو اُس کا نام ایمانی فراست ہوگا یا بحسب اقرار مرزا صاحب بے ایمانی اور داؤ پیچ کا بھی حال معلوم ہو گیا کہ ایک آیت کا احتمالی پہلو پیش کرکے صدہا نصوص قطعیہ کو رد کر دیا اور پھر فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان تو لاتے ہیں لیکن۔ اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ ورسول نے فرمایا ہے

وہ سب کچھ ہوگا لیکن سبحان اللہ کیا ایمان و یقین ہے یہ ایمان کا طریقہ تو مرزا صاحب
نے ایسا نکالا کہ آدمی تمام دنیا کے مذاہب و ادیان کی تصدیق کرسکتا ہے مثلاً
نصاریٰ سے کہدے کہ ہم تثلیث کو مانتے تو ہیں لیکن ۔ اور اس لیکن کے تحت
میں منافیات تثلیث کو داخل کردے ۔ جتنے مشرکین تھے خدائے تعالیٰ کی
خالقیت والوہیت کو یقینی طور پر مانتے تھے کما قال تعالیٰ ولئن سالتہم من
خلق السموات والارض لیقولن اللہ مگر اس کے ساتھ مانعبدہم الا لیقربونا الی اللہ
زلفیٰ کا (لیکن) لگا رہتا تھا ۔ اور منافق تو اس لیکن کو ظاہر بھی نہیں کرتے تھے صرف
اُس کی کیفیت اُن کے دل میں رہتی تھی باوجود اس کے اُن کا آمنا کہنا بیکار کر دیا گیا
اور آخر ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کے مستحق ٹھیرے اب اس لیکن
کے مطلب پر بھی غور کر لیجئے جب یہ تصریح مرزا صاحب نے کر دی کہ بہشتی مرتے ہی
بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اُس سے نہیں نکلتے اس کے بعد اگر پوچھا جائے
کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ سب روحیں اجساد میں داخل ہو کر قیامت کے روز قبروں سے
زمین پر نکلیں گے تو یہی جواب ہوگا کہ اس پر ایمان تو ہے لیکن بہشت سے نہیں نکلینگے
اور اگر کہا جائے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اولین و آخرین اُس روز سب زمین پر
ہونگے تو یہی جواب ہوگا کہ اُس کا یقین تو ہے لیکن بہشت سے کوئی نہ نکلیگا
اور اگر کہا جائے کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ حشر میں ہر شخص پریشان
رہیگا اور انبیا تک نفسی نفسی کہیں گے تو جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح ہے لیکن جنت
کے عیش و عشرت سے کوئی نکالا نہیں جائیگا ۔ غرض کہ جتنی آیات و احادیث
اس باب میں وارد ہیں سب کی فوراً تصدیق کی جائے گی مگر لفظ لیکن اسکے ساتھ

لگا رہے گا۔ اسیکے مناسب یہ حکایت ہے کسی مولوی صاحب نے ایک صاحب سے پوچھا جن کو سیادت کا دعوے تھا کہ آپ کون سے سید ہیں حسنی یا حسینی انھوں نے کہا میں سید ابراہیمی ہوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فرزند ابراہیم علیہ وعلی ابیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ہوں۔ مولوی صاحب نے احادیث اور انساب اور تواریخ کی کتابیں پیش کیں کہ حضرت ابراہیم کا انتقال حالت طفولیت میں ہوگیا ہے سید صاحب نے یہ سُنکر فرمایا وہ سب صحیح ہے لیکن بندہ تو سید ابراہیمی ہے۔ اب ہر شخص غور کرسکتا ہے کہ باوجود اس لاکن کے یہ کہنا کہ خدا و رسول نے قیامت کے باب میں جو کچھ فرمایا وہ سب کچھ ہوگا اور اُس پر ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ کیا دھوکہ کی ٹٹی نہیں ہے اس سے بڑھکر اور کیا داؤ پیچ ہوسکتے ہیں۔ جن کو تھوڑی سی بھی فراست ہو اسکو بخوبی معلوم کرسکتے ہیں۔

اِن مقامات میں جو جو آیات واحادیث وارد ہیں مرزا صاحب کو ایک قدم بڑھنے نہیں دیتیں اور یہہ وہی نقشہ ہے جو انہوں نے ازالتہ الاوہام صفحہ (۴۶۴) میں عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کے باب میں کھینچا ہے کہ ہمارے مخالفین قرآن کریم کے سامنے جاتے ہین تو قرآن کریم کہتا ہے چل دور ہو میرے خزانہ حکمت میں تیرے خیال کے لئے کوئی مؤید بات نہیں پھر وہاں سے محروم ہوکر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو حدیثیں کہتی ہیں کہ اسے سرکش قوم پاک جائی نظر سے ہمیں دیکھ اور مؤمن ببعض اور کافر ببعض نہو تا تجھے معلوم ہو کہ ہیں قرآن کے مخالف نہیں اسنتہے۔

اس کا تصفیہ تو اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالےٰ ہوجائیگا کہ عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں آیات واحادیث اُن کو رد کرتے ہیں یا اُن کے مخالفین کو مگر یہاں تو ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب قرآن کی جس آیت کے سامنے جاتے ہیں وہ صاف کہتی ہے کہ چل دور ہو تیرے خیالی اور اختراعی باتوں سے میں بری اور بیزار ہوں پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو ان کا تو ایک لشکر کثیر شمشیر بکف ہے کہ جتنی باتیں تیری معارض قرآن ہیں سب واجب القتل ہیں مگر مرزا صاحب عیسویت پر عاشق دل دادہ ہیں وہ کب کسیکی مانتے ہیں اُن کا عشق اس سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا قیامت کے روز بھی زمین پر اترنا ناگوار ہے اگر نصوص قطعیہ کے مطابق زمین پر حشر ہو اور عیسےٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود ہوں تو یہ تو نہ ہو گا کہ قتل دجال وغیرہ کی ضرورت ہو گی جس سے مزاحمت کا اندیشہ ہو۔ پھر جب مرزا صاحب کا اُس میں کوئی ذاتی ضرر متصور نہیں تو ناحق آیات واحادیث کثیرہ سے مخالفت پیدا کرنیکی کیا ضرورت تھی اگرچہ اُنہوں نے یہ سوچا ہے کہ بطور ترقی یہ کہا جائے گا کہ عیسےٰ علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت کے روز بھی زمین پر نہیں اتر سکتے مگر یہ بات ضرورت سے زیادہ ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کے لحاظ سے اتنی آیات واحادیث سے مخالفت کی جائے۔ دراصل یہ بھی اُسی عشق کا ایک شعبہ ہے اور اس قسم کی صدہا باتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ بمصداق حدیث شریف حبک للشی یعمی ویصم عیسویت کے شوق میں ان کو نہ قرآن کریم کی مخالفت کی پروا ہے نہ حدیث شریف کی جب ان کو

اس درجہ کا عشق ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو امور ان کے مقصود کے مزاحم اور مانع ہوں تو ان کو کس نظر سے دیکھتے ہونگے۔ عشاق تو ناصح خیر خواہ کو بھی دشمن سمجھتے ہیں چہ جائیکہ موانع اور وہ امور جو مقصود کی طرف جانے سے روک دیں اُن کا بس چلیں تو روکنے والوں کو بلا تامل قتل ہی کر ڈالیں۔ جیسا محمد ابن تومرث نے کیا تھا جس کا حال اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کی اس عاشقانہ رفتار میں جگہہ جگہہ آیات و احادیث جو مزاحمت کر رہی ہیں کس قدر اُن کے دل آزار اور ناگوار خاطر ہونگی جبھی تو وہ بے باکانہ حملے پر حملے کئے جاتے ہیں نہ کسی آیت کو وہ چھوڑتے ہیں نہ حدیث کو۔ انا ولا غیری کی نشا میں سرشار ہیں اور ہر معرکہ میں زبان آوری کے جوہر دکھاتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے مقصود کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ اس وقت مرزا صاحب کا کوئی دشمن سوا آیات و احادیث کے نظر نہیں آتا جو دائیں بائیں طرف سے اُن پر حملہ آور ہو اگر اہل اسلام مخالفت کر رہے ہیں تو وہ و کالتہً ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے مسیح بن جانے سے نہ اُن کے کسی منصب پر اثر پڑتا ہے نہ کوئی نقصان ہے۔

اس مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے جو خواب دیکھا تھا کہ ایک لمبی تلوار جس کی نوک آسمان تک پہنچی ہے اُن کے ہاتھ میں ہے اور داہنے بائیں چلا رہے ہیں اور ہزارہا دشمن اُس سے مارے جا رہے ہیں۔ اُس کی تعبیر یہی ہے کہ ہزارہا آیات و احادیث کا خون کرینگے جس کا وقوع ہو گیا۔ اور غزنوی صاحب نے جو حسن ظن سے تعبیر دی تھی اُسکو مشاہدہ غلط ثابت کر رہا ہے

اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خواب کی تعبیر میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۱۱) میں لکھتے ہیں جو وحی یا کشف خواب کے ذریعہ سے کسی نبی کو ہووے اُس کی تعبیر میں غلطی بھی ہوسکتی ہے انتہیٰ۔

جب بقول مرزا صاحب ایسے قابل وثوق خواب میں غلطی ہو جو نبی نے دیکھا ہو اور بذریعۂ وحی ہو تو دوسرے خواب اوروں کے اور اُن کی تعبیر کس حساب وشمار میں۔ یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ جو تعبیر ہم نے بیان کی ہے اُس پر ایک بہت بڑا قرینہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تلوار کی نوک آسمان تک پہنچی ہے۔ جس سے اشارہ ہے کہ آسمانی کتاب اور آسمانی نبوت کے مکاشفات اور اخبار پر اسی تلوار سے حملہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ جب اُس رؤیا کی تعبیر حسب مشاہدہ اور قرینہ قویہ یہ ثابت ہوئی تو مرزا صاحب کا یہ قول جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۷۶) میں لکھا ہے کہ حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اُس وقت دنیا میں آئیگا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اُٹھ جائیگا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے لوکان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا انتہیٰ۔

یعنی اس وقت علم قرآن کو خود نے ثریا سے لایا ہے رؤیائے مذکورہ کے خلاف ہے اس لئے کہ تلوار کی نوک آسمان اور ثریا تک پہنچنے کا مطلب تو یہی ہے کہ اگر قرآن ثریا پر بھی جائے تو اُس تلوار سے اُس کا کام وہیں تمام کردیا جائے۔ کیونکہ تلوار کی نوک سے تلوار ہی کا کام لیا جاتا ہے۔

جب الہامات وغیرہ سے ظاہر ہوگیا کہ قرآن وحدیث کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں اور یہ اصول قرار دیا ہے کہ تفسیر وحدیث وآثار صحابہ وغیرہ کوئی قابل اعتبار نہیں اور اس پر قرآن کے معارف دانی کا دعوے ہے تو جو معارف مرزا صاحب ایجاد کرتے ہیں وہ ضرور ایسے ہونگے کہ نہ کسی مسلمان نے اُن کو سُنا ہوگا نہ اُن کے آباواجداد نے سوا ایسے معارف سُننے والے بھی ایسے ہی ہونا چاہئیے کہ جن کو دین بطور وراثت باپ دادا سے پہنچا نہ ہو کیونکہ جہاں دین نیا ہو تو دیندار بھی نئے ہی ہونگے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے معارف بیان کرنے والوں کی نسبت صاف فرمادیا ہے کہ اُن کو جھوٹے اور دجال سمجھو چنانچہ امام سیوطی رحمہ در منثور میں لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ وغیرہ نے روایت کی ہے

عن ابی ہریرۃ رضہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاہم لایفتنونکم

یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں بہت سے دجال جھوٹے ہونگے جو مسلمانوں کے روبرو ایسی نئی نئی باتیں پیش کرینگے کہ نہ اُنہوں نے سنیں نہ اُن کے باپ دادا نے ایسے لوگوں سے بچتے رہو کہیں وہ فتنہ میں نہ ڈال دیں انتہے۔

مرزا صاحب کی کارروائیاں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہر دو پیش نظر ہیں اہل ایمان تھوڑی توجہ کریں تو قیاس سے صحیح نتیجہ نکال لے سکتے ہیں کہ وہ کیسے شخص ہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کو مرزا صاحب کے معاملہ میں کوئی شک کا موقع اور عذر باقی ہے۔ اب حدیث کو دیکھئے کہ امام سیوطی رحمہ

سے اُس کو روایت کی ہے جن کی جلالت شان یہ ہے کہ مرزا صاحب خود
ازالۃ الاوہام کے صفحہ (۱۵۱) میں لکھتے ہیں کہ امام شعرانی صاحب نے ان لوگوں کے
نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی رہ بھی ہیں اور
فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی رہ کا دستخطی اُن کے صحبتی
شیخ عبد القادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام خط تھا جس نے اُن سے
بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اُس کے
جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تصحیح احادیث
کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت
تک پچھتر دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا
کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب سے اس حضوری سے رک جاؤنگا
تو قلعہ میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا" چونکہ مرزا صاحب نے بلاجرح
واعتراض بطیب خاطر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اس لئے ہم حتی الوسع
امام سیوطی رہ کی کتابوں سے احادیث نقل کیا کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کو
اُن کے مان لینے میں تامل نہ ہو۔ اور جس کتاب سے حدیث مذکورہ بالا کو امام سیوطی رح
نے نقل کیا ہے وہ امام احمد رح کی مسند ہے جن کی شاگردی پر اکابر
محدثین کو ناز ہے اور خود مرزا صاحب ضرورۃ الامام صفحہ (۲) میں حدیث
من مات بغیر امام مات میتۃ جاہلیۃ کو انہیں کی اسی مسند سے نقل کر کے
لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کے طالب بنانے
کے لئے کافی ہو سکتی ہے کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامعہ شقاوت ہے

جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں سو بموجب اس نبوی وصیت کے ضروری

ہوا کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے انتہیٰ۔

اس کے بعد اپنے امام الوقت ہونے کی تقریر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جو اپنے امام

نہ مانے وہ اُس شقاوت میں گرفتار ہوگا جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں

نہ فسق نہ کفر یعنی فاسق و کافر ہوگا۔ اب دیکھئے کہ مسند موصوف کو بقول مرزا صاحب

کس درجہ قوت ہے کہ اُس کی حدیث پر عمل نہ کرنے والا فاسق بلکہ کافر

ہو جاتا ہے پھر اسی کتاب کی وہ حدیث واجب العمل کیوں نہ ہو جس سے

نئی غیر معروف باتیں بنانے والے دجال و کذاب ثابت ہوتے ہیں۔

من مات بغیر امام کی حدیث میں چونکہ مرزا صاحب کا نام نہیں ہے اس لئے

اُس سے خاص مرزا صاحب کا امام زماں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے

جو شخص ایسی نئی باتیں بیان کرے جو مسلمانوں نے اور اُن کے آبا و اجداد نے

نہیں سنی اُسکو دجال و کذاب و فتنہ پرداز سمجھنا بحسب اقرار مرزا صاحب صراحۃً اس

حدیث سے لازم اور واجب ہے خدا کرے مرزا صاحب ایسی نئی باتیں بنانا

چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے معتمد علیہ بن جائیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف تو صراحۃً بآواز بلند کہہ رہی ہے

کہ نئی باتیں بنانے والا دجال و کذاب ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سے

مستفاد ہے کہ نصوص کیسے ہی صراحت سے وارد ہوں مگر مرزا صاحب کے قول کے

مقابلے میں وہ سب ترک کر دی جائیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۰۹)

میں فرماتے ہیں۔ صرف الہام کے ذریعہ ایک مسلمان اسکے معنی آپ سمجھ

کھولتا ہے کہ ابن مریم سے اس جگہہ درحقیقت ابن مریم مراد نہیں ہے تب بھی
بمقابل اُس کے آپ لوگوں کو یہ دعوے نہیں پہنچتا کہ ابن مریم سے مراد درحقیقت
ابن مریم ہی ہے کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں اور حقیقت سے
پھیرنے کے لئے الہام الٰہی قرینۂ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے
مامور ہیں انتہٰی۔

دیکھ لیجئے ابتدائے اسلام سے آج تک کسی نے کہا نہ سنا کہ عیسٰی علیہ السلام مرکر زمین میں دفن ہوگئے اور اُن کا ہم نام یا مثیل پیدا ہوکر پادریوں کا جواب دیگا اور پادری لوگ ہی دجال ہیں۔ اسی طرح قیامت کا جنت میں ہونا وغیرہ امور جو مرزا صاحب سنا رہے ہیں ایسے ہیں کہ کسی مسلمان نے نہیں سُنے اور آیات واحادیث میں کھلے الفاظوں میں موجود ہے کہ قیامت زمین پر ہو گی اور عیسٰی ابن مریم علیہ السلام قبل قیامت زمین پر آئیں گے ایسے موقع میں۔ مرزا صاحب پر حسن ظن کیا جائے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ جو شخص نئی باتیں بنائے وہ دجال وکذاب سمجھا جائے۔ ہمارے کہنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے معتقد علیہ کی بات کو خود مان لے گا وما علینا الا البلاغ۔

اگر مرزا صاحب کے مخترعات پر حسن ظن ضرور ہے تو ابو منصور کے کشف مذکورکے
الہامات کیوں قابل حسن ظن نہوں آخر اُس کا بھی دعوے الہام ہی سے تھا کہ
حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر الخ کے معنی یہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے
معلوم ہوتے ہیں بلکہ وہ بزرگوں کے نام تھے جن کی حرمت وتعظیم کی ضرورت تھی

اس وجہ سے مردار اور خون اور گوشت خنزیر وغیرہ کی حرمت ثابت نہیں علی ہذا القیاس جتنے مدعیانِ الہام گذرے ہیں سب کا یہی دعوے تھا کہ ہمارے الہام حجت ہیں اور اسی قسم کی دلائل انہوں نے بھی قائم کئے ہونگے کہ کلام خدا ورسول کو پھیرنے کے لئے الہام آلہی قرینۂ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں۔ انہی وجوہات سے ہزاروں اُن کے بھی پیرو ہوگئے تھے مگر درحقیقت وہ جھوٹے تھے جن کے کذاب و دجال ہونے کے قائل غالباً مرزا صاحب بھی ہونگے۔ اب ان صدہا تجربوں کے بعد بھی اگر مرزا صاحب کے الہاموں پر حسن ظن کیا جائے تو یہ مقولہ صادق آجائیگا من جرب المجرب حلت به الندامة مگر یہ ندامت قیامت کے روز خدا اور رسول کے روبرو کچھ مفید نہ ہوگی۔

غرض کہ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں چلا جاتا ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کی تھی ادخلی جنتی سو اُس کا حال معلوم ہوگیا کہ اس آیت کو اُس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ سیاق آیت سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز یہ ارشاد ہوگا جس پر دوسرے آیات بھی ناطق ہیں اور اگر موت کے وقت کہا بھی جاتا ہو تو بطور بشارت ہے کہ وقت پر داخل ہوجائے۔

اور اس آیۂ شریفہ سے یہی استدلال کرتے ہیں قولہ تعالےٰ قیل ادخل الجنۃ قال یلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین یہ ایک شخصی واقعہ ہے جس کو حق تعالےٰ نے وجاء رجل من اقصی المدینۃ یسعٰی الیٰ قولہ تعالےٰ قیل ادخل الجنۃ میں ذکر فرمایا ہے ماحصل اس کا یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام نے

اہل انطاکیہ کی طرف اپنے حواریوں سے تین شخصوں کو بھیجا تھا کہ ان کو توحید کی دعوت کریں انھوں نے ان سب کو مار ڈالا اسی اثنا میں ایک بزرگ جن کا نام حبیب تھا وہ بھی آئے اور اُس قوم کو نصیحت کر کے اپنا ایمان ظاہر کیا انہوں نے ان کو بھی شہید کر ڈالا حق تعالے اُس بزرگ کا حال بیان فرماتا ہے۔

قیل ادخل الجنۃ قال یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین یعنی اُس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو اُس نے کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت دی۔ اس واقعہ پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں کہ مرتے ہی جنتی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اُس میں صرف اسی قدر ہے کہ اُس شخص سے کہا گیا تھا کہ جنت میں داخل ہو جا یہ تو نہیں کہا گیا ابھی داخل ہو جا اگر فی الحقیقت اُن کے داخل ہو جانے کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا تو ادخلناہ فی الجنۃ ارشاد ہوتا یعنی ہم نے اُس کو جنت میں داخل کر دیا کیونکہ یہاں اس بزرگ کی جان بازی کے معاوضہ میں اپنے کمال فضل کا حال بیان کرنا مقصود ہے فن بلاغت میں بلاغت کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو کما قال فی التلخیص البلاغۃ فی الکلام مطابقتہ لمقتضی الحال مع فصاحتہٖ اب دیکھئے کہ اگر وہ بزرگ داخل جنت ہو گئے ہوتے تو مقتضائے حال لفظ ادخلناہ تھا نہ قیل ادخل الجنۃ اور جب قیل ادخل ارشاد ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف بشارت مقصود تھی ورنہ کلام مطابق مقتضائے حال نہ ہوگا حالانکہ کلام آلہی میں یہ بات محال ہے۔ اگر کہا جائے کہ حق تعالے کا فرمانا بھی دخول جنت کے لئے کافی ہے

تو ہم کہیں گے کہ لفظ قیل ادخل سے دو احتمال پیدا ہوتے ہیں ایک فوراً داخل ہوجانا دوسرا وقت معین پر یعنی قیامت کے روز داخل ہونے کی بشارت اس صورت میں وہ احتمال لینا جو مخالف قرآن ہے ہرگز جائز نہیں پھر ایسا احتمال پہلو اختیار کرنیکی ضرورت ہی کیا تھی صاف ارشاد ہو جاتا کہ ہم نے اُس کو جنت میں داخل کردیا جس سے کوئی احتمال ہی باقی نہ رہتا اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ دخول روحانی تھا جو عارضی طور پر ہوا کرتا ہے۔ غرض کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ مرتے ہی ہر شخص جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے نہیں نکلتا۔

اور یہ آیۂ شریفہ بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربہم یعنی شہیدوں کو مُردے مت سمجھو وہ اللہ کے پاس زندہ ہیں۔

اس میں تو جنت کا نام بھی نہیں رہا اللہ کے پاس زندہ رہنا سو اُس میں جنت کی کیا خصوصیت دیکھ لیجئے فرشتے زندہ ہیں اور جنت میں نہیں ہیں اور اگر کہا جائے کہ فرشتے آسمانوں میں ہیں اور جنتیں بھی وہیں ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ کل آسمانی فرشتے جنت میں ہیں تو پھر یہ کہنا کہ جنت میں داخل شدہ خارج نہیں ہوسکتا صحیح نہیں اس لئے کہ فرشتے زمین پر برابر اترتے رہتے ہیں جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے تنزل الملئکۃ والروح اس صورت میں ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اُن فرشتوں کے ساتھ اتر آئیں۔ غرض کہ زندگی کے واسطے جنت کی ضرورت نہیں اگر قبر ہی میں خاص طور پر زندہ رہیں تو احیاء ہُوئے

عند ربہم جب بھی صادق آئیگا اور قرب کے لئے نہ آسمانوں کی ضرورت ہے
نہ جنت کی حق تعالے فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید وقولہ تعالی
فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم حینئذٍ تنظرون ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لاتبصرون
یعنی جب روح حلق کو پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے رہتے ہو اور ہم تم سے زیادہ تر
نزدیک اُس کے رہتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عند کا
مضمون ہر وقت صادق ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ شہداکو خاص طور پر تقرب ہے مگر اس سے ثابت یہ نہیں ہوسکتا
کہ ہمیشہ کے لئے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کا
داخل ہونا بعد حشر کے ہو گا جیسا کہ حق تعالے فرماتا ہے وسیق الذین اتقوا
ربہم الی الجنۃ زمراحتے اذا جاؤ ہا وفتحت ابوابہا وقال لہم خزنتہا سلام علیکم طبتم
فادخلوہا خالدین ترجمہ جو لوگ متقی ہیں ان کی گروہ گروہ جنت کی طرف جائینگے۔
جب وہ لوگ وہاں پہنچینگے اور دروازے کھولے جائینگے تو دربان کہینگے سلام ہے
تم پر خوش رہو اور داخل ہوا ور ہمیشہ اسی میں رہو۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت
میں تو قیامت کا ذکر نہیں ہے تو ہم کہینگے کہ اُس میں موت کا بھی ذکر نہیں ہے
ظاہر آیت سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ متقی لوگ جنت میں داخل ہونگے
مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی ہے کہ قیامت کے روز وہ داخل جنت
ہونگے۔ چنانچہ امام سیوطی رہ نے در منثور میں لکھا ہے۔ اخرج النسائی والحاکم
وابن حبان عن ابی ہریرۃ وابی سعید رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
ما من عبد یصلی الصلوات الخمس ویصوم رمضان ویخرج الزکوۃ ویجتنب الکبائر السبع

الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یوم القیامۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزہ رکھے اور زکواۃ دے اور ساتوں گناہ کبیرہ سے بچے تو قیامت کے روز اُس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائینگے انتہیٰ۔

اب غور کیا جائے کہ اگر وہ لوگ جنت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو قرآن وحدیث کے مطابق پھر دوبارہ اُن کو اُس روز داخل جنت ہونا پڑیگا اور وہ کس قدر خلاف عقل ہے کیونکہ عقلا جانتے ہیں کہ تحصیل حاصل محال ہے۔

الحاصل آیۂ شریفہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ شہدا قیامت سے پہلے جنت میں داخل ہوجاتے ہیں البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہدا کی ارواح جنت میں داخل ہوجاتی ہیں۔

چونکہ مرزا صاحب کی عادت ہے کہ جو احادیث اُن کے مقصود کے مضر ہوتی ہیں اُن کو نظرانداز کیا کرتے ہیں چنانچہ حشر اجساد کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کو نظرانداز کر دیا اور ایک کا بھی جواب نہ دیا اسی طرح ہم کو بھی اس مقام میں احادیث سے تعرض کرنیکی ضرورت نہ تھی مگر اپنے ہم مشربوں کے خیال سے اُن احادیث کا بھی مطلب بیان کر دیتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دخول جنت روحانی طور پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے منجملہ اُن کے ایک یہ ہے جو بخاری ومسلم اور مسند امام احمد رح میں ہے عن انس رض وجابر رض قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخلت الجنۃ فاذا انا بالقصر من ذھب فقلت لمن ھذا القصر قالوا الشاب من قریش فظننت انی انا ھو قلت ومن ھو قالوا عمر ابن الخطاب رض فلولا علمت من غیرتک لدخلتہ حم ق ات کذا فی کنز العمال یعنی فرمایا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ میں جنت میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک محل سونے کا بنا ہوا ہے میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے لوگوں نے کہا ایک جوان قریشی کا ہے میں نے خیال کیا کہ شاید وہ میرا ہوگا مگر پھر پوچھا کہ وہ کون شخص ہے کہا عمر ابن الخطابؓ اگر تمہاری غیرت کا خیال نہ ہوتا تو میں اُس محل میں چلا جاتا انتہےٰ۔

اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو بخاری میں مذکور ہے عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا اسیر فی الجنۃ اذا انا بنہر حافتاہ قباب الدر المجوف قلت ماھذا یا جبرئیل قال ہذا الکوثر الذی اعطاک ربک فاذا طینہ مسک اذفر رواہ البخاری۔ کذا فی المشکوٰۃ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار میں جنت میں سیر کر رہا تھا ایک نہر پر جا نکلا جس کے کنارے مجوف موتی کے قبے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے کہا یہ وہی کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو دیا ہے دیکھا تو اُسکا کیچڑ مشک اذفر ہے انتہےٰ۔

اگرچہ ان حدیثوں میں خواب کی تصریح نہیں ممکن ہے کہ شب معراج حالت بیداری میں تشریف لے گئے ہوں مگر علی سبیل التنزل دخول روحانی میں تو کلام ہی نہیں جب سے یہ ثابت ہے کہ دخول روحانی مانع خروج نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح شہدا بھی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جس کو امام سیوطی رحمہ نے درمنثور میں مسند امام احمد ابن حنبل اور ابوداؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے اخرج احمد وابوداؤد والحاکم وغیرہم عن ابن عباس رضہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اصیب اخوانکم باحد جعل اللہ ارواحہم فی اجواف طیر خضر ترد انہار الجنۃ وتاکل ثمارہا وتاوی الی قنادیل من ذہب معلقۃ فی

ظلّ العرش الحدیث یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی جب احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالےٰ ان کی روحوں کو سبز سبز پرندوں میں کیا وہ جنت کے نہروں پر جاتے ہیں اور میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قنادیل میں رہتے ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں انتہیٰ۔

شہدا کا روحانی اور عارضی طور پر جنت میں جانا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ انکی روحیں پرندوں میں رکھی گئیں اور مقام اُن کا قنادیل قرار دیا گیا نہ حور و غلمان سے اُن کو تعلق ہے نہ تخت و تاج سے کام نہ لباس و زیور سے آرائش نہ اُن کے لئے فرش و فروش حالانکہ یہ امور جنتیوں کے لئے لازم ہیں جس کا حال ابھی معلوم ہوا صرف پرندوں کی طرح کھا پی لیتے ہیں اور خاص قسم کا تقرب بھی حاصل ہے مگر وہ خصوصیات جو وقت پر ہونے والی ہیں کہاں جس دخول کے بعد ہمیشہ رہنا ہوگا وہ دخول جسمانی ہے جس کی نسبت اس آیۂ شریفہ میں اشارہ ہے کما خلقناکم اول خلق نعیدہ یعنی جس طرح ہم نے پہلے تمہیں پیدا کئے اسی خلق پر دوبارہ پیدا کرینگے اور ظاہر ہے کہ دخول روحانی میں یہ بات نہیں ہے اور بخاری شریف صفحہ (۶۹۳) میں یہ روایت ہے عن ابن عباس رض قال خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انکم محشورون الی اللہ عزّ و جل عراۃ غرلا کما بدأنا اول خلق نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین یعنی خطبہ میں فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگوں کا حشر خدائے عزّ و جل کی طرف ہوگا برہنہ اور بے ختنہ یعنی ابتدائے پیدائش کے مطابق چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح پھر اعادہ کرینگے یعنی پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کرینگے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے جسکو ہم پورا کرنے والے ہیں انتہیٰ۔

اسی اعادہ کے بعد فادخلوہا خالدین کہا جائیگا جس کا حال ابھی معلوم ہوا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہدا جب ہمیشہ رہنے کے واسطے جنت میں دوبارہ داخل ہونگے تو پرندوں کی شکل پر نہ رہینگے بلکہ بمصداق ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم شکل انسانی میں ہونگے جو احسن صور ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہر دخول جسمانی بھی مانع خروج نہیں چنانچہ معراج شریف کا واقعہ اسلامی دنیا میں مثل آفتاب روشن اور اعلان کر رہا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ جنتوں میں تشریف لے گئے تھے اور واپس تشریف لانے کو کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اگر کوئی منصف مزاج دیدۂ عقل کو سرمۂ بصیرت بخش شریعت غرا سے منور کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ یہ دونوں گھر یعنی دار الدنیا اور دار الجنان ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں جس کو جب تک جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے ایک گھر سے دوسرے گھر میں لے جائے مختار ہے اور عادت اللہ بھی جاری ہو چکی ہے کہ بجب ضرورت مُردے زندہ ہو چکے ہیں جس پر کئی آیات بینات متفق اللفظ والمعنی گواہی دے رہے ہیں جس کا حال انشاء اللہ تعالےٰ معلوم ہوگا اور یہ بھی ثابت ہے کہ شہدا کی ارواح اس عالم میں آیا کرتی ہیں چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا کما ذکر السیوطی رح فی کنز العمال عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفت جعفرا فی رفقۃ من الملٰئکۃ یبشرون اہل بیتہ بالمطر (عد) وعن البراء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان اللہ قد جعل لجعفر جناحین مضرجین بالدم یطیر بہما مع الملئکۃ (نقط فی الافراد ک)
اس کے بعد یہ بات ہر صاحب فہم کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر بقول مرزا صاحب عیسےٰ علیہ السلام کی وفات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لی جائے تو بحسب وعدۂ خدا و رسول اُن کا زندہ ہو کر اپنی خدمت بجا لانے کے واسطے چند روز کے لئے آجانا کونسی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنی عیسویت کے خیال کو علحدہ رکھکر خدائے تعالےٰ کی قدرت اور ایفائے عہد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر صادق ہونے پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ عیسےٰ علیہ السلام کا زمین پر آنا کسی حالت میں مستبعد اور خلاف عقل نہیں۔

غرض کہ یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی کہ دخول جنت دو قسم پر ہے ایک روحانی اور قبل حشر اجساد دوسرا جسمانی اور بعد حشر پہلا مانع خروج نہیں مگر مرزا صاحب نے اس کے خلاف میں دو کے اقسام کا اختراع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

جنت اور دوزخ تین درجوں پر منقسم ہے پہلا درجہ قبر کا دوسرا درجہ حشر اجساد کے
بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور
بوجہ تعلق جسد کامل قویٰ میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ

یوم الحساب کے بعد ہے انتہے۔

اس تقریر میں مرزا صاحب حشر اجساد کا نام جو لے رہے ہیں اُس میں بڑی دور اندیشی سے کام لیا جارہا ہے۔ کیونکہ اگر اُس کا نام بھی نہ لیں تو لوگ بالکل کافر بنا دینگے مگر اس زمانہ میں ایسی احتیاط کی ضرورت نہیں ایسے بزرگوار لوگ جو کچھ فرما دیتے ہیں وہ بات چل ہی جاتی ہے اور کسی قسم کے شبہ تک

نوبت ہی نہیں آتی آخر اس حدیث شریف کا صادق ہونا بھی ضرور ہے عن انس رض

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویظہر الجہل (حم ق ت ہ) یعنی بخاری مسلم اور مسند امام احمد رح اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ علم اُٹھ جائیگا اور جہل ظاہر ہوگا انتہےٰ ۔

اگرچہ علم کے اُٹھ جانے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مگر مشاہدہ جو ہو رہا ہے اُسکے لحاظ سے یہہ معنی بھی صادق آتے ہیں کہ جب قرآن کے اصلی معنی لوگون کے خیال سے جاتے رہیں تو جو حقیقی اور واقعی علم ہے وہ بے شک اٹھ جائیگا مثلاً قیامت کا علم وہی ہے جو آیات احادیث سے ثابت ہے کہ مردے زندہ ہو کر قبرون سے زمین پر آجائینگے پھر جب یہ علم جاتا رہے اور اُسکی جگہہ یہ ذہن نشین ہو کہ مُردے اندر ہی اندر سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جائینگے جیساکہ مرزا صاحب فرماتے ہیں تو علم کے اُٹھنے میں اور جہل مرکب کے ظاہر ہونے میں کیا شک ہے ۔ ہر چند یہ پر آشوب و فتن زمانہ ایسا ہی ہے مگر ایمان والوں کو بفضلہ تعالےٰ کچھ خطر نہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکرہوا الفتنۃ فی آخر الزمان فہا تبیر المنافقین رواہ ابونعیم کذا فی کنز العمال یعنی آخر زمانہ والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ کسی فتنہ کو مکروہ نہ سمجھو وہ صرف منافقونکو تباہ کریگا انتہےٰ ۔

یعنی جہل مرکب کے گڑھوں میں گر کے تباہ اور ہلاک ہونگے غرض کہ ہم لوگونکو

چاہیے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر طور پر فرما دیا ہے اُسی پر مضبوط ایمان رکھیں اور جان سے زیادہ تر عزیز سمجھیں پھر کسی فتنہ گر کے فتنہ سے کچھ خوف نہیں۔

مرزا صاحب کا مذہب ابھی معلوم ہوا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر تخت رب العالمین بھی اتر آئے تو وہ حصار جنت سے حساب وکتاب کے واسطے باہر نہ نکلیگا اس صورت میں جو تحریر فرماتے ہیں کہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمٰے میں داخل ہونے کے پہلے تعلق اجساد کا متوسط درجہ قرار دیا گیا ہے تو یہ ترقی معکوس سمجھ میں نہیں آتی البتہ پہلا درجہ جو قبر کو قرار دیا ہے اُس کو مجازاً جنت تسلیم کرسکتے ہیں کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے النار یعرضون علیہا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب یعنی دکھاتے ہیں ان کو صبح وشام دوزخ کی آگ اور قیامت کے روز کہا جائیگا کہ فرعون کے لوگوں کو داخل کرو سخت عذاب میں اور بخاری شریف میں ہے عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات احدکم فانہ لیعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی فان کان من اہل الجنۃ فمن اہل الجنۃ وان کان من اہل النار فمن اہل النار۔ یعنی جب کوئی مرجاتا ہے تو خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی اس کا مقام صبح وشام اُسکو دکھایا جاتا ہے۔ یہ آیت وحدیث اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ ہر شخص اپنی ہی قبر میں رہتا ہے اور وہیں اپنا مقام دیکھا کیا کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قبر جنت کا کوئی درجہ نہیں بلکہ اُس سے خارج ہے ہاں اگر اس لحاظ سے کہ جنت وہاں سے نظر آتی ہے اُسکو جنت کہیں تو مجازاً

ممکن ہے مگر پچاس ہزار برس کا قیامت کا دن جس میں انبیا بھی نفسی نفسی پکارینگے اسکو جنت کا ایک درجہ وہ بھی متوسط قرار دینا سخت حیرت انگیز ہے نہ قرآن اُس کی تصدیق کرتا ہے نہ حدیث بلکہ دونوں اعلان کے ساتھ اسکی تکذیب کر رہے ہیں جیساکہ ابھی معلوم ہوا۔ اس آیۂ شریفہ سے وہ تقریر اور بھی مستند ہو گئی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دخول جنت و دوزخ قیامت پر منحصر ہے اور مرزا صاحب کی اُس تقریر کی بھی حقیقت کھل گئی جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۶۰) میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنیٰ حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سوراخ بہشت کی طرف اُس کے لئے نکالی جاتی ہے پھر لوگوں کی دعاؤں وغیرہ سے وہ سوراخ بڑھکر ایک وسیع دروازہ ہو جاتا ہے جس سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریباً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اُس میں پورے طور پر داخل ہو جائینگے اور یوم الحساب اُن کو بہشت سے خارج نہ کریگا انتہےٰ ملخصاً۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ روح ایسی لطیف چیز ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی وہ نکل جاتی ہے چنانچہ رحم کا منہ باوجودیکہ نہایت سختی سے بند ہو جاتا ہے جس کی تصریح طب جدیدہ میں کی گئی ہے مگر روح اُس سے بھی نکل کر جنین میں داخل ہو ہی جاتی ہے۔ پھر اُس سوراخ سے نکل جانا جو قبر سے بہشت کی طرف اسی کے واسطے نکالا جاتا ہے کیا مشکل اُس کے نکلنے کے لئے نہ بڑے دروازے کی ضرورت ہے نہ اس قدر مہلت درکار ہے کہ سوم دہم چہلم سہ ماہی برسی وغیرہ میں جو دعائیں اور کار خیر ہوتے ہیں بتدریج اُس سوراخ کو بڑا بڑا کر وسیع کردیں جس سے وہ نکلکر جنت میں داخل ہو سکے کیونکہ بقول مرزا صاحب روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے

چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۶۴) میں فرماتے ہیں ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے اسکی روح خدائے تعالےٰ کے طرف اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یاایتہا النفس المطمئنۃ الایہ بظاہر مرزا صاحب کے ان دونوں کلاموں میں تعارض سا معلوم ہوتا ہے کہ روح مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کی (دعا) وغیرہ سے سوراخ کشادہ ہونے کے بعد ایماندار جنت میں چلا جاتا ہے مگر اس کے جواب کی طرف انہوں نے اشارہ کردیا کہ روح تو مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے جنت میں داخل ہونا جوا حیائے جسم پر موقوف ہے جیسا کہ قولہ تعالےٰ قال من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرۃ سے ثابت ہے سو اسکے لئے مہلت درکار ہے جس میں دروازہ اتنا وسیع ہو کہ لاش اس سے نکل جائے چنانچہ مرتے ہی داخل ہونے کے باب میں تصریح کرتے ہیں کہ روح داخل ہوتی ہے اور مہلت اور وسعت باب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شخص ایماندار داخل ہوتا ہے اس تقریر سے تعارض تو دفع ہو گیا لیکن اس پر ایک نیا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص جنت میں داخل ہونے کو جاتا ہے اور جنت آسمان پر ہے جیسے مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۶۴) میں تحریر فرماتے ہیں کہ عیسےٰ علیہ السلام فوت ہونے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور ہر مومن کی بھی اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے انتہےٰ۔

اور نیز جنتوں کا آسمان پر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو ضرور تھا کہ مردے آسمانوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیتے کیونکہ یہ دخول اس وجہ سے جسمانی ہے کہ روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس دخول کے لئے دعاؤں وغیرہ کا

وغیرہ کا انتظار رہتا ہے جس سے سوراخ اس قابل ہو کہ لاش اُس سے نکل جائے اس صورت میں ضرور تھا کہ مردے قبروں سے نکلتے ہوئے نظر آتے شاید اس کا یہ جواب دیا جائیگا کہ وہ اس طرف سے نہیں جاتے بلکہ زمین کے اندر ہی اندر سوراخ کر کے دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں تو اُس کے ماننے میں بھی تامل ہے کیونکہ ایسا سوراخ جس سے مردہ جا سکے کسی قبر میں دیکھا نہیں گیا اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مردہ نکلتے ہی وہ سرنگ پاٹ دی جاتی ہو لیکن اس کے ماننے کے بعد بھی ایک اور دشواری درپیش ہے کہ جغرافیہ سے ثابت ہے کہ اگر ہندوستان کی زمین میں سوراخ آرپار کر دیا جائے تو وہ امریکہ کے کسی حصہ میں نکلیگا پھر اگر ہندوستان کے مُردے اس سوراخ کی راہ سے اُس طرف زمین پر نکل کر آسمان کی طرف جائیں تو امریکہ والوں کی شکایت گورنمنٹ میں ضرور پیش ہوتی کہ ہندوستان کے صدہا بلکہ ہزارہا مُردے ہر روز چلے آتے ہیں کوئی کفن پہنا ہوا ہے کوئی برہنہ ہیبت ناک کسی کے گھر میں نکلتے ہیں کسی کی زراعت وغیرہ میں غرض علاوہ خوف و دہشت کے مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ ابتک کوئی اس قسم کی شکایت کسی اخبار میں دیکھی نہیں گئی یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے مرزا صاحب ہی کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے ازالۃ الاوہام صفحہ (۴۷۳) میں لکھا ہے کہ (عیسےٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں مر گئے) اور رسالۃ الہدیٰ میں لکھتے ہیں کہ (اُن کی قبر کشمیر میں ہے) اور اُسکو اپنے کشف اور گواہوں سے ثابت کیا ہے اگر سوراخ کی راہ سے مردے دوسری طرف سے نہ نکلتے تو عیسیٰ علیہ السلام گلیل میں بیت المقدس کے پاس مر کر کشمیر میں کیوں آتے اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں بلکہ کل ادیان سماویہ میں قیامت کا

مسئلہ کیسا مہتم بالشان ہے جس میں صدہا آیات واحادیث وارد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جس طرح توحید ورسالت پر ایمان ضروری ہے قیامت کے وقوع پر بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کو ابتدا سے آج تک اُس میں خلاف نہیں مگر مرزا صاحب نے صرف اتنی بات بتلانے کے لئے کہ (عیسے علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت میں بھی زمین پر نہیں آسکتے) ایسے مشہور ومعروف اور ضروری مسئلہ کا انکار ہی کردیا پھر جن مسائل میں چند آیات واحادیث وارد ہوں اُن کے اصل معنی سے انکار کردینا کونسی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب کو ذرا بھی خوف خدا اور قیامت کے دن کا خیال ہوتا تو قرآن وحدیث کے معنی اپنے دل سے تراش کر لکھنے پر اُن کے ہاتھ یاری نہ دیتے کیونکہ حقتعالیٰ فرماتا ہے فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیہم ثم یقولون ہذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً فویل لہم مما کتبت ایدیہم وویل لہم مما یکسبون ۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جو بات ہذا من عند اللہ کہنے میں ہے وہی بات کسی آیت کا مضمون خلاف مقصود الٰہی بیان کرنے میں ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے احل اللہ لکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر سو جس طرح یہ شخص ملحد اور بے دین سمجھا جائیگا اسی طرح وہ شخص بھی سمجھا جائیگا جو آیۂ شریفہ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر سے مراد یہ بیان کرے کہ میتۃ اور دم اور لحم خنزیر عرب میں معزز لوگ تھے اُس میں تعظیم وحرمت کرنیکا اس میں حکم ہے مردار وغیرہ کی حرمت سے اسکو کوئی تعلق نہیں مرزا صاحب کی غرض جس آیت سے متعلق ہوتی ہے اُس کے معنی میں اس قسم کی تحریف کرنے سے ذرا بھی خوف نہیں کرتے مثلاً قولہ تعالےٰ احیی الموتیٰ باذن اللہ کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ مسمریزم کی وجہ سے قریب الموت شخص کو حرکت ہو جاتی تھی

اور عزیر علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے فاماتہ اللہ مائۃ عام مرزا صاحب اُس کا مطلب بتاتے ہیں کہ سو برس تک خدائے تعالیٰ نے اُن کو سلا دیا تھا۔ اسیطرح بیسوں آیات واحادیث کے معنی انہوں نے بدل ڈالے۔ اسی پر قیاس کیا جائے کہ جب ایک ضعیف اور موہوم غرض کے مقابلہ میں انہوں نے قیامت کا انکار کر دیا تو جس سے بہت بڑی بڑی غرضیں اُن کی متعلق ہونگی اُس کا کیا حال ہوگا۔ اسی وجہ سے احیائے اموات کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں ان کی تحریف معنی میں بہت زور لگایا کیونکہ عیسےٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال لگا ہوا ہے کہ ممکن ہے کہ خدا تعالےٰ اُن کو زندہ کر کے زمین پر بھیجے اسی وجہ سے ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۶۵) میں لکھتے ہیں

اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑیگا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا کیونکہ قرآن اور حدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اور قرآن کریم انہم لا یرجعون کہکر ہمیشہ کیلئے ان کو رخصت کرتا ہے۔

مرزا صاحب کے مبالغہ کی بھی کوئی حد ہے بھلا قرآن وحدیث نے کب گواہی دی تھی کہ مرا ہوا آدمی دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اُن کو ضرور تھا کہ کوئی اتفاقی گواہی پیش کر دیتے۔ باوجودیکہ اُن کی عادت ہے کہ ادنیٰ احتمال کا موقع بھی ملتا ہے تو سیاق وسباق کو حذف کر کے کوئی آیت یا حدیث استدلال میں پیش کر دیا کرتے ہیں جیسے فادخلی جنتی وغیرہ میں معلوم ہوا مگر اس دعوے پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اس ظاہر ہے کہ کوئی احتمالی دلیل بھی اُن کو نہیں ملی اب سوائے اس کے کہ جرأت سے

کام لیں کوئی تدبیر نہ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ جرأت سے بھی بہت کام چل جاتے ہیں جیسے پیش گوئیوں میں کہدیتے ہیں کہ اگر فلاں کام نہ ہو تو میرا منہ کالا کیا جائے گلے میں رسّا ڈالا جائے وغیرہ وغیرہ حالانکہ نہ وہ کام ہوتا ہے نہ منہ کالا ہوتا ہے کوئی پہلو نکال کر عمر بھر بحث کرتے رہتے ہیں جیسے کہ اتھم کے رجوع الی الحق وغیرہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اسی طرح یہاں بھی جرأت سے کام لیکر کہدیا کہ قرآن و حدیث بالاتفاق شاہد ہیں کہ مرا ہوا دنیا میں ہرگز آ نہیں سکتا۔ حالانکہ قرآن شریف کے متعدد مقاموں میں یحیی الموتی واحیاہم وغیرہ الفاظ صراحۃً مذکور ہیں جن کا حال انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب خود خدائے تعالیٰ احیائے اموات کا ذکر قرآن میں فرمادے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کہے کہ وہ ہو نہیں سکتا تو مسلمان اس کی تکذیب کریگا یا نعوذ باللہ قرآن شریف پر کسی قسم کا الزام لگائیگا؟ رہا یہ کہ مرزا صاحب اس باب میں تاویلات سے کام لیتے ہیں کہ احیا سے مراد مثلاً مسمریزمی حرکت ہے اور موت سے مراد نیند ہے جیسا کہ عزیر علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ فاماتہ اللہ مائۃ عام سے مراد نوم اور غشی ہے سو یہ بات دوسری ہے کہ قرآن کو ماننا منظور نہیں اور جو فرماتے ہیں کہ قرآن کریم انہم لایرجعون کہکران کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہا ہے سو مرزا صاحب نے اس استدلال میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو یا ایہا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس آیہ شریفہ سے انہوں نے وہ حصہ حذف کر دیا جو ان کو مضر تھا پوری آیت یہ ہے فمن یعمل من الصالحات وہو مومن فلا کفران لسعیہ وانا لہ کاتبون وحرام علی قریۃ اہلکنٰہا انہم لایرجعون۔ یعنی جو شخص نیک کام کرے اور ایمان بھی رکھتا ہو تو اس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں

اور ہم اس کے نیک اعمال سب لکھتے جاتے ہیں اور جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا تو ممکن نہیں کہ وہ لوگ قیامت کو ہماری حضوری میں لوٹ کر نہ آئیں۔ " اس آیت کے کئی معنی ہیں اگر پہلی آیت سے اس کا ربط ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ اعمال صالحہ ہم کسی کے ضائع نہ کرینگے اُن کے اعمال ہم لکھ رکھتے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہمارے پاس ان کا آنا ضرور ہے اُس روز اُن کو اُن اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور اگر پہلی آیت سے ربط نہ ہو تو یہ معنی ہونگے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتی ممکن نہیں کہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع نہ کریں۔ مطلب یہ کہ اُن کی ہلاکی رستگاری کا باعث نہیں ہمارے پاس وہ ضرور آئینگے اور اُن پر حرام ہے کہ نہ آئیں پھر اُس روز اُن کے اعمال کی سزا دی جائے گی اب دیکھئے کہ مطلب تو یہ تھا کہ خدا کی طرف اُن کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کرسکتے۔ اگر لایرجعون سے مراد دنیا کی طرف رجوع نکرنا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی طرف اُن کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے یعنی ضرور رجوع کرینگے اس سے تو مرزا صاحب کا مقصود ہی فوت ہوگیا اور بجائے نہ آنے کے آنا ضروری ٹھیرا اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ لایرجعون سے مراد ان کا دنیا میں نہ آنا ہے تو اُس سے بھی کوئی ہرج نہیں اس لئے کہ یہ کس نے کہا کہ فوت شدہ دنیا میں آیا کرتے ہیں اُن میں یہ طاقت کہاں کہ پھر لوٹ کر آجائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا جس کو چاہے دوبارہ دنیا میں وہ ضرور آئیگا کیونکہ خدائے تعالٰے کے ارادہ کے خلاف کوئی چیز ظہور میں نہیں آسکتی۔ مرزا صاحب اس کے قائل نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالے کی قدرت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کرسکتا اُس کے نزدیک قیامت میں زندہ کرنا

اور قیامت کے پیشتر کسی کو زندہ کرنا ایک ساں ہے اور جب حق تعالےٰ نے متعدد مقام میں قرآن شریف میں خبر دی ہے کہ ہم نے بہتوں کو اس عالم میں زندہ کیا جس کا حال انشاء اللہ تعالےٰ معلوم ہوگا تو ہم اُس کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے مگر مرزا صاحب داؤ پیچ کر کے اُس کا انکار کرتے ہیں اور احیائے موتےٰ کو محال سمجھتے ہیں جس سے اُن پر یہ بات صادق آتی ہے جو ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں ہم کوّے کی طرح یا بھینڈی کے مانند ایک نجاست کو حلوا سمجھتے رہینگے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ یاد ہونگے!!

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا کا انتظام چونکہ ایک نسق پر رکھا گیا ہے جو ہمیشہ جاری ہے اس لئے ایک بڑا فرقہ دہریہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ عالم کا کام بطور خود جاری ہے اس کے لئے خالق کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے وقالوا ما ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یہلکنا الا الدہر یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہم کو ایک وقت خاص تک زندہ رکھکر مار دیتا ہے حقتعالےٰ نے اُن کے خیالات فاسدہ کو دفع کرنے کے لئے انبیا کو بھیجا چنانچہ جب اُنھوں نے معجزے اور خوارق عادات دیکھے اور بچشم خود دیکھ لیا کہ عادت مستمرہ کے خلاف بھی ایسے کام حکمی طور پر ہوتے ہیں جن کو عقل محال سمجھتی ہے تو اُن کو یقین ہو گیا کہ کوئی زبردست قدرت والا بھی ہے کہ ایسے مستحکم عادتی کارخانہ کو درہم وبرہم کر کے محال کو واقع کر دکھاتا ہے اس بنا پر بحسب توفیق وہ خالق عالم کے قائل ہوگئے اور نبوت کی بھی تصدیق کی

اور جن کی طبیعتوں پر تعصب غالب تھا وہ اس دولت سے محروم رہے۔ الحاصل حق تعالیٰ نے عادت مستمرہ کے خلاف بھی کام کئے جس سے اُس کی قدرت اور خالقیت پورے طور پر ذہن نشین ہو گئی اگر خدائے تعالیٰ عادت مستمرہ کے خلاف کوئی کام کر کے نہ دکھاتا تو دہریہ کو قائل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ افلاک کی حرکات سے طبائع میں امتزاجات پیدا ہوتے ہیں جن کے خاص خاص طور پر واقع ہونے سے حیات اور موت کا وقوع ہوتا ہے اس پر خالق کے فعل کی کوئی ضرورت نہیں اگر احیائے اموات کے جیسے خوارق عادات کا وقوع نہ ہوتا تو صرف باتوں سے وہ خالق کو ماننا اور اپنے آپ کو اُس کی بندگی اور عبودیت میں دیکر عمر بھر کی آزادیوں سے دست بردار ہو جانا کبھی گوارا نہ کرتے اُن کے بعد جو اُن کے خلف اور قدم بقدم اُن کے پیرو تھے اس قسم کی جتنی باتیں قرآن میں ہیں سب کی تصدیق انہوں نے کی اور جن کی طبیعتوں میں انحراف آگیا وہ اُس کے ماننے میں حیلے کرنے لگے چنانچہ مرزا صاحب اس موقع میں یہ تعارض کا حیلہ پیش کرتے ہیں کہ اگر مردوں کا زندہ ہونا مان لیا جائے تو انہم لا یرجعون کے مخالف ہو گا۔ ادنے تأمل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جہاں لا یرجعون ارشاد ہے اُس سے آدمی کی بے بسی ثابت کرنا منظور ہے کہ جب ہم اُس کو مار ڈالتے ہیں تو اُس میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی زائل شدہ حیات کو پھر حاصل کر سکے بلکہ ہمارے قبضۂ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتا اور جہاں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے مردوں کو زندہ کیا اُس سے بھی کامل درجہ کی قدرت ہی کا اظہار مقصود ہے کہ جو تمہاری عقلوں میں محال دکھائی دیتا ہے اُس کو ہم نے واقع کر دکھایا۔ اب دیکھئے کہ دونوں آیتوں کے مضمون میں کس قدر توافق ہے حاصل مطلب اُن کا یہی ہوا کہ ہم ہر طرح

قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہو سکتا ہے نہ مردہ زندہ کو جب ہم مردہ کر دیتے ہیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب مردہ کو زندہ کرتے ہیں تو وہ انکار اور سرتابی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب جو تعارض پیدا کر رہے ہیں اگر اسی کا نام تعارض ہو تو اس قسم کا تعارض بہت سی آیتوں میں پیدا ہو جائیگا مثلاً حق تعالےٰ فرماتا ہے ان الذین کفروا سواء علیہم انذرتہم ام لم تنذرہم فہم لایؤمنون جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار ایمان نہ لائینگے حالانکہ ہزارہا کفار اس آیت کے نزول کے بعد ایمان لائے اور لاتے جاتے ہیں دیکھئے انہم لایرجعون میں جو بات ہے وہی انہم لایؤمنون میں بھی ہے اگر انہم لایرجعون سے رجوع اموات غیر ممکن ثابت ہوتا ہے تو انہم لایؤمنون سے بھی کفار کا ایمان لانا غیر ممکن ہو جائیگا مگر جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ بمصداق یہدی من یشاء الی صراط مستقیم کے حق تعالےٰ جسکو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اسیوجہ سے کفار ایمان لاتے ہیں تو اس کا بھی ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ جس مردہ کو چاہتا ہے زندہ کر سکتا ہے جس کے وقوع پر یحیی الموتی وغیرہ آیات گواہ صادق ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اکثر محاورات قرآنیہ وغیرہ میں عام طور پر کوئی بات کہی جاتی ہے مگر بلحاظ قرائن اُس کی تخصیص پیش نظر رہا کرتی ہے اس کی نظیریں قرآن شریف میں بکثرت موجود ہیں ایک وہی آیت ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور ایک آیت یہ ہے والملئکۃ یسبحون بحمد ربہم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللہ ہو الغفور الرحیم یعنی فرشتے اللہ کی تسبیح اور حمد کیا کرتے ہیں اور زمین میں رہنے والوں کے گناہوں کی مغفرت اور معافی مانگا کرتے ہیں اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ تمام اہل زمین کے حق میں کہ مشرکین کیلئے بھی

استغفار کیا کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حق تعالیٰ ان کو منع فرما دیتا جیسا کہ مسلمانوں کو منع فرما دیا کما قال تعالیٰ ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ یعنی نبی اور مسلمانوں کو زیبا نہیں کہ مشرکین کی مغفرت کی دعا مانگیں اس سے ظاہر ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں ورنہ صحابہؓ ضرور عرض کرتے کہ جب فرشتوں کو مشرکین کی مغفرت مانگنے کی اجازت ہے تو ہمیں بطریق اولیٰ اُس کی اجازت ہونی چاہیے اس لئے کہ ہم پر تو بہت سے مشرکوں کی قرابت کا حق بھی ہے حالانکہ یہ درخواست کبھی پیش نہ ہوئی اس سے ثابت ہے کہ صحابہؓ نے من فی الارض سے مراد عام اہل زمین نہیں سمجھا بلکہ بقرینۂ آیۂ شریفہ وما کان للنبی والذین اٰمنوا اسکی تخصیص مسلمانوں ہی کے ساتھ کی۔ اسی طرح انہم لا یرجعون سے مراد کل مردے نہیں بلکہ جن مردوں کا زندہ ہونا دوسری آیتوں سے ثابت ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے من فی الارض سے مشرکین مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین یعنی اے بنی اسرائیل میری اُس نعمت کو یاد کرو جو تم کو دی تھی اور یہ کہ فضیلت دی تھی تمکو تمام عالموں پر۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام عالموں میں تمام انبیا اور تمام ملائکہ بھی داخل ہیں پھر کیا ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو ان تماموں پر فضیلت دی گئی تھی ہرگز نہیں۔ غرض کہ جس طرح دوسری آیتوں سے ملائکہ وغیرہ عالمین سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح دوسری آیتوں سے زندہ شدہ مردے لا یرجعون کے حکم میں داخل ہو نہیں سکتے۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے قال فخذ اربعۃ من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءًا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ پرندوں کو ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھدو

جس کی نسبت آیہ شریفہ میں علی کل جبل مذکور ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کل جبل میں تمام روئے زمین کے پہاڑ شامل ہیں مگر بقرینہ عقل کل جبل سے مراد چند مخصوص پہاڑ تھے اسی طرح بقرینہ عقل لایرجعون سے مراد وہی مردے ہیں جن کا زندہ ہونا مشیت الٰہی میں نہیں اس لئے کہ جب خدائے تعالےٰ نے چند مردوں کو زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا اور عقل بھی اس قدرت الٰہی کو جائز رکھتی ہے تو عقل گواہی دیتی ہے کہ جس طرح خدائے تعالےٰ نے خبر دی ہے بیشک وہ مردے زندہ ہوئے تھے اس لئے لایرجعون کے حکم سے وہ خارج ہیں۔

اسی طرح یہ آیہ شریفہ ہے وبدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین یعنی انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا پھر مٹی کی نچوڑ سے یعنی مٹی سے جو ایک حقیر پانی ہے ان کی نسل چلائی اسی طرح خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ جس سے ظاہر ہے کہ کل انسان نطفہ سے پیدا ہوئے حالانکہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مستثنٰی ہیں جس پر یہ آیہ شریفہ دال ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون یعنی مثال عیسیٰ علیہ السلام کی آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ اُن کو مٹی سے بنایا پھر کُن سے پیدا ہو گئے جس طرح اس آیہ شریفہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام آیہ خلق الانسان من سلالۃ کے حکم میں داخل نہیں اور نطفہ سے اُن کی تخلیق نہیں سمجھی جاتی اسی طرح وہ مردے جو زندہ کئے گئے لایرجعون کے حکم میں شریک نہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے لاتحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم یعنی جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف ہو بن کئے پر سو نہ جانو کہ وہ عذاب سے خلاصی پائیں گے بلکہ انکو عذاب دردناک ہوگا" بخاری شریف میں ہے کہ مروان نے ابن عباس سے پچھوایا کہ اگر یہی بات ہو تو ہم سب معذب ہونگے اس لئے کہ یہ صفت ہم سب

میں موجود ہے ابن عباسؓ نے فرمایا والکم ولہذہ انما دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہود فسالہم
عن شئی فکتموہ ایاہ واخبرہ بغیرہ فاروہ ان قد استحمدوا الیہ بما اخبروہ عنہ فیما سالہم وفرحوا بما اوتوا من
کتمانہم الحدیث رواہ البخاری یعنی تم لوگوں کو اس سے کیا تعلق اس سے مراد وہ یہود ہیں جن سے
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پوچھا تھا انہوں نے اصل معاملہ چھپا کر کوئی اور بات
بتلادی اور اسی پر خوش ہو کر اپنی تعریف چاہی اس سے ظاہر ہے کہ الذین عام ہے مگر مراد اس سے
چند مخصوص لوگ تھے۔
الحاصل اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ دوسری آیتوں وغیرہ سے حکم عام کی تخصیص ہوا کرتی ہے یہانتک
کہ یہ مشہور ہے وان من عام الا خص منہ البعض اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب انہم لایرجعون کا
حکم ان زندہ شدہ مردوں پر شامل ہی نہیں تو تعارض کیسا اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب زبردستی
تعارض پیدا کرکے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں اور اگر ظاہری تعارض کے لحاظ سے تاویل کی ضرورت
ہے تو صرف لایرجعون میں تاویل کیوں نہیں کیجاتی جو کسی طرح بے موقع نہیں بلکہ بحسب محاورات
قرآنیہ شائع و ذائع ہے جس کا حال معلوم ہوا کہ خود خدائے تعالےٰ کو یہ تاویل منظور ہے پھر
ایسی تاویل کو چھوڑ کر بدنما تاویلیں کرنا جن کے سننے سے مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں
اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام بگاڑا جاتا ہے کس قدر ایمان سے دور ہے۔
اس تقریر سے ان استدلالوں کا جواب بھی ہوگیا جو مرزا صاحب کی جانب سے پیش ہوتے ہیں
کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وکم اہلکنا قبلہم من القرون انہم الیہم لایرجعون وقولہ تعالےٰ ولا یستطیعون
توصیۃ ولا الی اہلہم یرجعون کیونکہ زندہ شدہ مردے خود بخود رجوع نہیں کرسکتے بلکہ حق تعالیٰ نے
ان کو زندہ کیا اور اگر مطلق رجوع مراد لی جائے تو دوسری آیتوں کی شہادت سے وہ لایرجعون
میں داخل ہی نہیں اور جس طرح فہم لایومنون سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی

کا فر ایمان لایا ہی نہیں اسیطرح لایرجعون سے بھی یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ کوئی مردہ زندہ ہوا ہی نہیں۔
اور اس آیہ شریفہ سے جو استدلال کیا جاتا ہے انکم یوم القیٰمۃ تبعثون کہ اس وعدہ میں کبھی تخلف نہ ہوگا معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے یہ توکسی نے نہیں کہا کہ قیامت میں مُردے نہ اٹھیں گے البتہ مرزا صاحب اس کے قائل ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ مُردے سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جاتے ہیں اور پھر نہیں نکل سکتے جس سے ظاہر ہے کہ بعث و نشر کی ضرورت ہی نہیں۔
شاید ان حضرات نے ہمارا مذہب یہ سمجھا ہے کہ زندہ شدہ مردوں کو کبھی موت نہیں جس سے یہ لازم آئے کہ اُن کے بعث کی ضرورت نہیں دراصل ہمارا مذہب یہ نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جن مردوں کو حق تعالےٰ نے زندہ کیا اُس سے صرف قدرت نمائی مقصود تھی پھر جب تک چاہا ان کو زندہ رکھا اور مثل دوسروں کے وہ بھی مر گئے اور قیامت میں سب کے ساتھ ان کا بھی حشر ہوگا اور یوم القیٰمۃ تبعثون کے حکم میں شریک ہو جائینگے۔
اس استدلال میں لطف خاص یہ ہے کہ انکم یوم القیٰمۃ تبعثون میں مخاطبوں کی تخصیص ہے اور اُس سے استدلال یہ ہو رہا ہے کہ گزشتہ بعض افراد قبل قیامت زندہ نہیں کئے گئے۔ گو خدائے تعالےٰ نے اُن کی زندگی کی خبر دی ہے۔
اور اس حدیث شریف سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ بعد شہادت جابر رض نے حق تعالےٰ سے درخواست کی کہ پھر دنیا میں رجوع کرنے کی اجازت ہو تا کہ دوبارہ درجۂ شہادت حاصل کریں اس پر ارشاد ہوا انی قضیت انہم لایرجعون اور ایک روایت میں ہے قد سبق القول منی انہم لایرجعون یعنی میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوں کہ وہ لوگ نہ لوٹینگے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حق تعالےٰ نے یہی قاعدہ اس عالم میں مقرر فرمایا ہے

کہ کوئی مرا ہوا زندہ نہیں ہوتا اور یہی عادۃ اللہ اور سنۃ اللہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ کسی مصلحت سے عادت کو کبھی بدلدینا ممکن ہے یا نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ اکثر عادتوں کے خلاف بھی کیا ہے مثلاً تمام روئے زمین پر وقت واحد میں ایسا طوفان ہو جانا کہ کل پہاڑ تک غرق ہو جائیں بالکل خلاف عادت ہے اور نوح علیہ السلام کے وقت ایسا ہی ہوا کہ طوفان سے کل آدمی اور حیوان مر گئے عادۃً آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے مگر ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہو گئی لاٹھی سانپ بن جانا اور اُس کے مارنے سے دریا پھٹ کر اُس میں راستے ہو جانا اور ایک مار سے پتھر میں بارہ چشمے جاری ہو جانا خلاف عادت ہے مگر موسیٰ علیہ السلام سے وہ سب وقوع میں آئے مچھلی کے پیٹ میں آدمی کا زندہ رہنا خلاف عادت ہے مگر یونس علیہ السلام اُس میں ایسے رہے جیسے کوئی گھر میں رہتا ہے بغیر مرد کے عورت کو اولاد ہونا محال سمجھا جاتا ہے حالانکہ عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش ایسی ہی ہوئی۔

چاند کا شق ہونا خلاف عقل وخلاف عادت ہے باوجود اس کے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو واقع کر دکھایا جس کے مرزا صاحب بھی قائل ہیں ان کے سوا صدہا خوارق عادات قرآن وحدیث سے ثابت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی خاص مصلحت سے عادت کے خلاف بھی کرتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر کسی کی درخواست پر عادت بدلدیا کرے۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست میں کوئی عمومی مصلحت نہ تھی بلکہ تلذذ کی وجہ سے انکا ذاتی شوق تھا کہ زندہ ہو کر پھر راہ خدا میں شہید ہوں اگر یہ درخواست منظور ہو جاتی

تو ہر شہید یہی تمنا کرتا اور خلاف عادت اللہ عادت ہو جاتی جس سے اعلیٰ درجہ کا خارق عادت عادتی امور میں داخل ہو جانیکا سخت اندیشہ تھا اور اُس سے بڑا مقصود فوت ہو جاتا کہ اعلیٰ درجہ کا خارق عادات عادات میں شریک ہو جاتا حالانکہ وہ ممکن نہیں کیونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا غرض کہ مصلحت آلٰہی مقتضی نہ ہوئی کہ وہ زندہ کئے جائیں اس لئے صاف جواب ملگیا کہ یہ امر عادت اور قانون فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدائے تعالےٰ کو خرق عادت پر قدرت نہیں یا کبھی نہیں کیا اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ بادشاہ مقتدر اپنے ملک میں کوئی دستور مقرر کر دے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ اُس دستور کے خلاف درخواست کرے مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ کیسی ہی خاص مصلحت اور ضرورت ہو بادشاہ خلاف قانون نہ کریگا بلکہ عند الضرورت اپنے شاہی اقتدار سے کسی فقرہ کے خلاف عمل کرنا انسب سمجھا جائیگا اور کسی کو یہ پوچھنے کا حق نہ ہو گا کہ خلاف قانون کیوں کیا گیا۔

الحاصل جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ خدائے تعالےٰ نے بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کیا ہی نہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود اپنے کلام پاک میں خبر دے رہا ہے کہ کئی مردوں کو ہم نے زندہ کیا۔

ایک قادیانی صاحب نے القول العجیب میں لکھا ہے کہ اگر ان چاروں مقاموں میں یعنی فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ وغیرہ میں حقیقی احیائے موتے مراد ہوتا تو خدائے علیم اموات کے ترکہ کی تقسیم کے احکام تفصیلاً نہ فرماتا اور عورتوں کے شوہر مرنے پر عدت اور خانہ نشینی کی ہدایت نہ فرماتا بلکہ نکاح ثانی کا حکم نہ بھیجتا بلکہ یوں حکم کرتا کہ خبردار میت کے مال کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ ہم اُس کو قریب میں واپس کرنے والے ہیں اور عورتونکو تاکیدی

ارشاد ہوتا کہ زنہار غیر سے نکاح نہ کر لینا عنقریب ہم تمہارے خاوندوں کو تمہاری طرف لوٹانے والے ہیں اور اس قسم کی بہت سی تفریعات و لوازم لکھے جن کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے تعالٰی نے احیائے اموات کی خبریں جو قرآن شریف میں دی ہیں کہ عزیر علیہ السلام وغیرہ کو ہم نے زندہ کیا تھا اگر اُن کا یقین کر لیا جائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ اب نہ کسی کا مال متروکہ بعد موت تقسیم ہو سکے نہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت ملے۔ کیونکہ عزیر علیہ السلام زندہ ہوئے تھے۔ اگر یہ استدلال صحیح ہو جائے تو بڑی دقتیں لاحق ہونگی جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا سامنا ہو جائیگا اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اہلکنا القرون الاولیٰ یعنی پہلے زمانہ والوں کو ہم نے ہلاک کیا اس لئے اب نہ کسی کو کھانا سوجھے نہ پینا نہ نکاح وغیرہ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی کہنا پڑیگا کہ آگ سرد ہے اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سرد ہو گئی تھی مگر کوئی عقلمند اس قسم کے استدلال کو جائز نہ رکھیگا اس لئے کہ گزشتہ کا خاص کوئی واقعہ بیان کرنا اسکو مقتضی نہیں کہ ہر وقت اس قسم کے واقعات ہوا کریں خصوصاً ایسے واقعات کا جن کا خارق عادت ہونا مسلم ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر مردہ کو زندہ کیا کرتا ہے غرضکہ احیائے اموات کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم میراث وغیرہ کی اجازت ہے اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اب بھی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے مگر ہمارے دین میں احتمال پر واقعی آثار مترتب نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے گو ہر وقت آدمی کو موت کا احتمال لگا ہوا ہے مگر اس احتمال پر یہ حکم نہیں ہو سکتا کہ اُس کا مال ترکہ میں تقسیم کر دیا جائے یا اُس کی عورت عدت میں بیٹھے اور نکاح ثانی کر لے۔ غرضکہ جب تک آدمی نہ مرے نہ اُس کا مال ترکہ ہو سکتا ہے نہ اُس کی عورت بیوہ اسیطرح جب تک مردہ زندہ نہ ہو نہ اُس کے مال سے ورثہ محروم ہو سکتے

نہ اُس کی عورت عدت و نکاح سے ممنوع۔

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ کوئی مردہ اس عالم میں زندہ نہیں ہو سکتا سو علاوہ اس کے کہ قرآن شریف کی کئی آیتیں اس دعوے کی تکذیب کر رہی ہیں احادیث اور واقعات سے بھی اس کا رد ہو رہا ہے چنانچہ ان روایات سے ظاہر ہے۔ علامہ قسطلانی رہ نے مواہب لدنیہ ج ۲ میں اور ملا علی قاری نے شرح شفائے قاضی عیاض رہ میں دلائل بیہقی سے نقل کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا رجلا الی الاسلام فقال لا اؤمن بک حتی تحیی لی ابنتی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارنی قبرہا فاراہ ایاہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فلانۃ فقالت لبیک وسعدیک فقال صلی اللہ علیہ وسلم اتحبین ان ترجعی فقالت لا واللہ یا رسول اللہ انی وجدت اللہ خیرا لی من ابوی و وجدت الآخرۃ خیرا من الدنیا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعوت اسلام کی اُس نے کہا کہ جب تک میری لڑکی کو آپ زندہ نہ کروگے میں ایمان نہ لاؤنگا آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے اس نے قبر دکھلادی حضرت نے اُس لڑکی کا نام لیکر پکارا اُس نے جواب دیا حضرت نے فرمایا کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ پھر دنیا میں لوٹے اُس نے قسم کھا کر کہا یا رسول اللہ میں یہ نہیں چاہتی میں نے خدا کو اپنے ماں باپ سے اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ۔

روی ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیہقی وابو نعیم عن انس رض قال کنا فی الصفۃ عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتتہ عجوز عمیاء مہاجرۃ معہا ابن لہا قد بلغ فلم یلبث ان اصابہ وباء المدینۃ فمرض ایاما ثم قبض فغمضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر ای انسا بجہازہ فلما اردنا ان نغسلہ قال یا انس ائت امہ فاعلمہ فاعلمتہا فجاءت حتی جلست عند قدمیہ فاخذت بہما ثم قالت انی اسلمت الیک طوعا وخلعت الاوثان زہدا وہاجرت الیک رغبۃ اللہم لا تشمت عبدۃ الاوثان ولا تحملنی فی ہذہ المصیبۃ ما لا طاقۃ لی بحملہ فواللہ ما انقضی کلامہا حتی حرک قدمیہ والقی

الثوب عن وجہہ وطعم وطعمنا معہ وعاش حتّٰی قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہلکت امہ ذکرہ الزرقانی فی شرح المواہب اللدنیہ یعنی انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر تھے کہ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کرکے اپنے جوان فرزند کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں تھوڑے دن نہیں گذرے تھے کہ اُن کا لڑکا وبا سے بیمار ہوا اور چند روز میں انتقال کیا حضرت نے اُسکی آنکھیں بند کرکے انسؓ کو اسکی تجہیز وتکفین کا حکم دیا جب ہم نے اُس کے غسل کا ارادہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ اُس کی ماں کو خبر کردو چنانچہ سنتے ہی وہ آئیں اور اپنے لڑکے کے پیروں کے پاس بیٹھکر اُس کے دونوں قدم پکڑیں اور کہنے لگیں یا اللہ میں خوشی سے اسلام لائی تھی اور بے رغبتی سے بتوں کو چھوڑ دیا تھا اور کمال رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی یا اللہ الیا مت کر بت پرست دشمن ہنسیں اور اس مصیبت میں وہ بار مجھپر مت ڈال جسکے اُٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں انسؓ کہتے ہیں کہ ہنوز یہ کلام پورا نہیں ہوا تھا کہ اُس لڑکے نے پاؤں ہلائے اور کپڑا منہ سے ہٹا دیا اور ہمارے ساتھ اُس نے کھانا کھایا اور حضرت کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اس اثنا میں اُس کی ماں کا بھی انتقال ہوگیا۔

در منثور میں امام سیوطیؒ نے لکھا ہے واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب من عاش بعد الموت عن معاویۃ بن قرۃ قال سالت بنو اسرائیل عیسٰی فقالوا ان سام بن نوح دفن ہٰہنا قریبا فادع اللہ یبعثہ لنا فہتف فخرج اشمط یعنی بنی اسرائیل نے عیسٰے علیہ السلام سے درخواست کی کہ سام بن نوح کی قبر یہاں سے قریب ہے اُن کے زندہ ہونے کی دعا کیجئے آپنے اُن کو پکارا اور وہ قبر سے نکل آئے اس حالت میں کہ دو موے تھے یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ ابن ابی الدنیا رہ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے واخرج اسحٰق بن بشر وابن عساکر من طرق

عن ابن عباسؓ قال کانت الیہود یجتمعون الی عیسےٰ۔ الی ان قال فمر ذات یوم بامراۃ
قاعدۃ عند قبر وہی تبکی فسالہا فقالت ماتت ابنۃ لی ولم یکن لی ولد غیرہا فصلی عیسی رکعتین
ثم نادی یا فلانۃ قومی باذن الرحمن فاخرجی فتحرک القبر ثم نادی الثانیۃ فانصدع القبر ثم نادی الثالثۃ فخرجت وہی
تنفض راسہا من التراب الحدیث یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک عورت پر ہوا جو
قبر کے پاس روتی بیٹھی تھی آپنے حال دریافت فرمایا اُس نے کہا کہ میری ایک لڑکی تھی جس کے سوا
میری کوئی اولاد نہیں وہ مرگئی آپنے دو رکعت نماز پڑھکر اُسکو پکارا کہ خدا کے حکم سے
کھڑی ہوجا اور نکل آاس کے ساتھ ہی قبر کو حرکت ہوئی پھر دوسرے بار پکارا جس سے
قبر شق ہوئی پھر تیسرے بار کے پکارنے پر وہ لڑکی سر سے مٹی جھٹکتی ہوئی نکل آئی۔

اور یہ روایت بھی درمنثور صفحہ ۳۶ ج (۲) میں ہے جسکی تخریج ابن جریر اور ابن
عساکر نے ابن عباسؓ سے کی ہے یہ روایت طولانی ہے ماحصل اس کا یہ ہے کہ
ایک شاہزادہ مرگیا تھا اُس کے باپنے عیسےٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ زندہ
کیا جائے آپنے دعا کی اور وہ زندہ ہوگیا اور یہ روایت بھی درمنثور صفحہ ۳۵ جلد ۲ میں ہے

واخرج احمد فی الزہد عن خالد الحذاء قال کان عیسےٰ بن مریم اذا سرح رسلہ یحیون الموتی
یقول لہم قولوا کذا وکذا فاذا وجدتم قشعریرۃ ودمعۃ فادعوا عند ذالک یعنی عیسےٰ علیہ السلام
جب اپنے رسولوں کو بھیجتے تو ان کو مردوں کے زندہ کرنے کی تدبیر بتلادیتے کہ یہ
کلمات کہا کرو اور جب جسم پر رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اشک بہنے لگیں تو اسوقت
دعا کرو۔

اور یہ روایت بھی درمنثور صفحہ (۳۵) جلد (۲) میں ہے واخرج احمد
فی الزہد عن ثابت قال انطلق عیسے علیہ السلام یزور اخالہ فاستقبلہ انسان
فقال ان اخاک قدمات فرجع فسمعت بنات اخیہ برجوعہ عنہن فاتینہ وقلن یا

یارسول اللہ رجوعک اشد علینا من موت ابینا قال فانطلقن فارینی قبرہ فانطلقن

حتے ارینہ قبرہ قال فصوت بہ فخرج الحدیث یعنی عیسے علیہ السلام اپنے کسی بھائی کی ملاقات کو گئے ایک شخص نے کہا کہ اُن کا انتقال ہوگیا آپ نے لوٹنا چاہا آپ کے بھتیجیوں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو کہنے لگیں کہ آپ کا واپس جانا ہمارے باپ کے انتقال سے زیادہ ہم پر شاق ہے فرمایا آپنے باپ کی قبر دکھلاؤ وہ ساتھ ہوئیں اور قبر کی نشاندہی کی آپنے صاحب قبر کو پکارا چنانچہ وہ قبر سے نکل آئے۔

بہجۃ الاسرار صفحہ (۱۳۶) میں شیخ نورالدین علی اللخمی نے لکھا ہے کہ شیخ ابوبکر شبلی ایک بار اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سو سے زیادہ پرندے وہاں اتر آئے شیخ کو اُن کی آوازوں سے تشویش ہوئی اور غصے سے اُن کی طرف دیکھا فوراً سب مر گئے شیخ کو اُن پر رحم آیا اور کہا الٰہی میرا مقصود یہ نہ تھا فوراً زندہ ہوکر اڑ گئے۔

اور اسی صفحہ (۱۹۵) میں لکھا ہے کہ ایک روز بطیحہ میں سات شخصوں نے بہت سے پرندوں کا شکار کیا مگر سب مردار ہو گئے تھے شیخ عثمان بطائحیؒ نے اُن سے کہا اس شکار سے تمہیں کیا فائدہ نہ خود کھا سکتے ہو نہ کسی کو کھلا سکتے ہو اُن لوگوں نے کہا کیوں فرمایا اس لئے کہ وہ تو سب مردار ہیں کسی نے بطور استہزار کہا کہ اگر آپ سے ہو سکتا ہے تو زندہ کردیجئے آپ نے کہا بسم اللہ اللہ اکبر اللھم احیھا یامحی العظام وھی رمیم یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہوکر اڑ گئے۔

اور اسی صفحہ (۲۳۵) میں ہے ایکبار شیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ تشریف رکھے تھے ایک شخص نے آکر کہا میری خواہش یہ ہے کہ یہ مرغابیاں جو اڑ رہی ہیں اُن میں سے ایک اور دو روٹیاں اور ٹھنڈا پانی میرے روبرو ہو آپنے قبول کیا چنانچہ وہ سب چیزیں فراہم ہوگئیں جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو آپ نے اُس مرغابی کی ہڈیاں لیکر کہا اذہبی بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب کہتے ہی وہ زندہ ہوکر اڑ گئی۔

اور اُسی صفحہ (۶۵) میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیا آپ نے اُسکو مجاہدہ اور سلوک میں مشغول فرمایا ایک روز وہ عورت آئی اور دیکھا کہ حضرت کے روبرو مرغ کا گوشت ہے اور اپنے لڑکے کے روبرو سوکھی جو کی روٹی یہ اُس کو ناگوار ہوا حضرت نے اُس مرغ کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھکر فرمایا اٹھ اللہ کے حکم سے وہ فوراً زندہ ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا پھر اُس عورت سے فرمایا جب تیرے لڑکے میں یہ بات پیدا ہو گی اُس وقت وہ مرغ کھا سکتا ہے۔

اور اسی صفحہ (۱۵۷) میں شیخ علی بن ہیتی رح کے حال میں لکھا ہے کہ کسی گاؤں میں ایک شخص قتل ہوا تھا اور قاتل کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ دو گاؤں کے لوگوں میں کشت وخون ہو شیخ رح وہاں چلے گئے اور مقتول کے سر کے بال پکڑ کر پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا وہ اُٹھ بیٹھا اور شیخ کی طرف دیکھکر باواز بلند فصیح زبان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا چنانچہ سب نے سنا اور اسی کے قول پر فیصلہ ہوگیا۔

اور اسی صفحہ (۲۲۷) میں لکھا ہے کہ ایکبار سید احمد رفاعی رح اپنے مریدوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے آپنے فرمایا کہ اسوقت مچھلی کا گوشت کھانا جی چاہتا ہے یہ کہتے ہی اقسام کی مچھلیاں کنارے پر آگئیں اور کثرت سے شکار ہوا اور کڑاہیوں میں تلی گئیں جب سب کھانے سے فارغ ہوئے اور چند قتلے باقی رہ گئے اس طور پر کہ کسی کا سر ہے تو کسی کی دم وغیرہ اس وقت ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت شخص متمکن کی کیا صفت ہے فرمایا کہ تمام خلائق میں اُسکو عام تصرف دیا جائے اُس نے کہا اس کی علامت کیا ہے فرمایا اگر وہ ان مچھلیوں سے کہدے کہ چلی جائیں تو وہ چلی جاویں پھر اُن قتلوں کی طرف

خطاب کر کے فرمایا اے مچھلیو اللہ کے حکم سے تم اٹھو اور چلی جاؤ یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہوگئیں اور دریا میں کود پڑیں۔

یہ روایتیں بہجۃ الاسرار میں ہیں چونکہ اس کے مصنف شیخ نورالدین علی رح محدثین سے ہیں اس لئے ہر روایت کو بطرز حدیث بسند متصل بیان کیا۔ فتح المبین صفحہ (۱۱۱) میں فیما یتعلق بتریاق المحبین میں صاحب بہجۃ الاسرار کے حال میں لکھا ہے قال الامام الذہبی المشہور الذی ہو من اعظم علماء الحدیث واکابرہم الذی یقال عنہ انہ محک الرجال ومعیارہم العارف باحوال اہل الحدیث والروایۃ فی کتابہ طبقات المقربین فی ترجمۃ مصنف البہجۃ مانصہ علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد المصری نورالدین شیخ القرا بالدیار المصریۃ ابوالحسن تصدر للاقراء والتدریس بالجامع الازہر وقد حضرت مجلس اقرائہ واستانست بسمتہ وسکونہ۔ دیکھئے امام ذہبی جیسے شخص مصنف بہجۃ الاسرار کو الامام الاوحد یعنی امام یگانہ روزگار کہتے ہیں اور اُن کی مجلس کی حضوری کو باعث فخر سمجھتے ہیں تو کس درجہ کے معتمد علیہ شخص ہونگے۔

اور نیز فتح المبین صفحہ (۱۱۵) میں محمد بن محمد الجزری صاحب حصن حصین کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کتاب بہجۃ الاسرار میں نے مصر میں کامل پڑھی اور شیخ عبدالقادر جو اکابر مشائخین مصر سے تھے ان سے اُس کی اجازت لی؟ اس سے بہجۃ الاسرار کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے کہ محدثین اسکو سبقاً سبقاً پڑھا کرتے تھے اور مثل صحاح ستہ کے اُسکی بھی اجازت لیا کرتے تھے۔ جب نقاد حدیث نے اس کتاب کے مصنف کو امام اوحد کہدیا اور محدثین کے درس وتدریس میں وہ کتاب رہی تو اب کسکی مجال ہے کہ اُسکی روایتیں میں چون وچرا کرسکے

امام یافعی رح نے روض الریاحین صفحہ (۱۴۳) میں لکھا ہے کہ شعبی رح کا چشمدید واقعہ ہے ایک جماعت یمن سے جہاد کیلئے آئی اُن میں سے ایک شخص کا گدھا مرگیا ہر چند رفقائے اُنکی

سواری کے لئے اپنے گدھے پیش کئے مگر اُنہوں نے قبول نہ کیا اور وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ الٰہی تیری راہ میں تیری رضامندی کے لئے میں جہاد کے واسطے نکلا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمام مردوں کو تو قبروں سے اُٹھائیگا الٰہی میں تجھسے یہ طلب کرتا ہوں کہ میرے گدھے کو زندہ کردے یہ کہکر گدھے کو مارا وہ کان جھٹکتا ہوا فوراً کھڑا ہوگیا وہ اس پر سوار ہوے اور اپنے رفقا سے جا ملے۔

اور اسی صفحہ (۲۰۹) میں لکھا ہے کہ ایک روز چند پرندے بریان شیخ مفرج رح کے دستر خوان پر لائے گئے آپ نے اُن سے کہا کہ اُڑ جاؤ وہ سب زندہ ہوکر اڑ گئے۔

فتاوائے حدیثیہ میں مذکور ہے کہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رح سے سوال کیا گیا کہ کرامت معجزہ کے درجے کو پہونچ سکتی ہے یا نہیں اور اُن دونوں میں کیا فرق ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ اہل سنت وجماعت کے کل فرقے یعنی فقہا اصولیین اور محدثین وغیرہم سب کرامت کے وجود کے قائل ہیں معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ پھر اہل سنت کے دلائل احادیث سے بیان کئے اور لکھا کہ کرامت اور معجزے میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ معجزہ دعوے نبوت کی تصدیق کے لئے ہے اور کرامت ولی سے صادر ہوتی ہے جو نبوت کا دعوے کر ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ دعوے کرتے ہی ولایت کرامت اسکی سلب ہوجائیگی اور وہ کافر ہوجائیگا اسکے بعد کئی واقعات احیائے اموات کے بیان کئے جو بطور کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوئے ہیں چنانچہ چند واقعات کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ عبد اللہ تستری رح جہاد کے لئے جارہے تھے رستہ میں اُن کی سواری کا گھوڑا مرگیا اُنہوں نے دعا کی کہ الٰہی یہ گھوڑا مجھے اُس وقت تک عاریت دے کہ میں اپنی بستی تستر کو پہنچ جاؤں اسیوقت گھوڑا کھڑا ہوگیا اور اس سفر میں پوری رفاقت دی اور

جب تستر کو پہنچے تو خوگیر اتارتے ہی وہ مرگیا۔

اور ایک اعرابی کے اونٹ کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی اسی قسم کا نقل کیا ہے اور لکھا ہے عن سہل التستری انہ قال الذاکر اللہ علی الحقیقۃ لو ہم ان یحیی الموتے یفعل سہل تستری کہتے ہیں حقیقی طور پر جو اللہ تعالےٰ کا ذکر کیا کرے اگر وہ مردہ کو زندہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ شیخ اہدل ابو الغیث رحؒ کے پاس ایک بلی پلی ہوئی تھی خادم نے اسکو مار ڈالا اور جب شیخ نے اُس کا حال کئی روز کے بعد پوچھا تو اپنی لاعلمی ظاہر کی شیخ نے حسب عادت بلی کو پکارا فوراً زندہ ہوکر آگئی۔

اور لکھا ہے کہ شیخ ابو یوسف وہمانی رح کے کسی مرید کا انتقال ہوا جس سے اُس کے قرابت دار نہایت مغموم تھے آپ وہاں تشریف لیگئے اور قم باذن اللہ تعالےٰ اس سے کہا فوراً وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک مدت تک زندہ رہا۔

نفحات الانس صفحہ (۴۶۸) میں مولانا جامی رحؒ نے عین القضاۃ ہمدانی کے حال میں لکھا ہے کہ آپ سے اعلیٰ درجہ کے خوارق عادات مثل احیا و اماتت ظہور میں آئے چنانچہ ایک روز سماع کی مجلس میں ابو سعید ترمذی رحؒ نے ایک بیت پڑھی جسپر آپ کو وجد ہوا ابو سعید نے کہا مجھے مرنیکی آرزو آتی ہے۔ آپ نے کہا مرجاؤ وہ فوراً بیہوش ہوکر گرے اور مرگئے مفتی شہر بھی اُس مجلس میں حاضر تھے پوچھا کہ آپنے زندہ کو تو مار ڈالا کیا مُردہ کو بھی زندہ کرسکتے ہو کہا کون مردہ ہے کہا فقیہ محمود آپنے کہا الٰہی فقیہ محمود کو زندہ کردے اُسی ساعت وہ زندہ ہوگئے۔

یہ چند واقعات جو دو چار کتابوں سے لکھے گئے ان کو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہئیے اگر تمام کتب سیر و تواریخ وغیرہ میں تلاش کیے جائیں تو اور بہت سے واقعات مل سکتے ہیں اور یہ تو ابھی معلوم ہوا کہ ابن ابی الدنیا رح جو اکابر محدثین سے ہیں اُنھوں نے

ایک کتاب ہی مستقل زندہ شدہ مردوں کے حال میں لکھی ہے اس سے ان کا یہی مقصود تھا کہ احیائے اموات کا ذکر قرآن شریف میں جو کئی جگہہ واقع ہے مختلف اوقات اور متعدد مقامات میں اُس کا وقوع معلوم ہونے سے کوئی استبعاد باقی نہ رہے۔ حق تعالیٰ ان علماء کی سعی مشکور فرمادے کہ ہم آخری زمانے والے مسلمانوں کے ایمان کو مستحکم کرنیکی غرض سے کیسی کیسی محنتیں گوارا کرکے ایک ذخیرہ معلومات کا ہمارے لئے فراہم کردیا جس کی شکر گذاری ہم پر واجب ہے۔

ان تمام واقعات کو دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اس سے یہی مراد نہیں کہ صرف زبانی وعظ ونصیحت علما کا کام ہے بلکہ مقتضائے کمال تشبہ یہ ہے کہ جسطرح انبیا نے احیائے اموات وغیرہ کا خوارق عادات سے کام لیا تھا سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس باب میں بھی اُن سے پیچھے نہ رہے چنانچہ علماء باللہ قدس اللہ اسرارہم نے اسکو بھی کر دکھایا۔

ہمیں اس کا یقین ہے کہ یہ تو کیا اگر کئی جزو ان واقعات کے پیش کئے جائیں تو بھی مرزا صاحب اور اُن کے پیرو ایک نہ مانیں گے اور جس طرح مرزا حیرت صاحب کو حضرت امام حسینؑ کے واقعہ شہادت کی روایات اور تواتر کا انکار ہے ہمارے مرزا صاحب بھی انکار ہی فرماتے رہینگے اسلئے یہاں ہمارا روئے سخن مرزا صاحب کی طرف نہیں ہے بلکہ ہم اُن حضرات کو توجہ دلاتے ہیں کہ جو فقہا اور محدثین اور اولیاء اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ورنہ مخالفین اہل سنت وجماعت کے روبرو ان حضرات کے اقوال پیش کرنا ایسا ہے جیسے پادریوں کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو پیش کرنا جس سے سوائے تضیع اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں معتزلہ اور اُن کے ہمخیال لوگوں کو اصل کرامت ہی کا انکار ہے اور ہونا بھی چاہئیے اس لئے کہ مادرزاد نابینا مثلاً اگر خط وخال وحسن وجمال اور جملہ الوان وانوار کا انکار کرے تو

کیا کرے اُس کی عقل میں صلاحیت ہی نہیں کہ ان چیزوں کا تصور کر سکے۔ اسی طرح معتزلہ نے دیکھا کہ آخر ہم بھی مسلمان ہیں اور کبھی کرامت کی صورت بھی نہ دیکھی اس لئے اُن کی عقلوں نے اصل کرامت ہی کا انکار کر دیا انہوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ اس میں اپنا ہی قصور ہے کرامت کا مدار تو کمال ایمان پر ہے اور وہاں نفس ایمان میں کلام ہے۔ کیا یہ مقتضائے ایمان ہے کہ کھلی کھلی آیات واحادیث کو اپنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نہ مان کر اُن میں اقسام کی تاویلیں کیجائیں۔ کرامت کا درجہ تو فقط ایمان لانے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ایسی حالت نہ پیدا ہو جس سے خالق کی خوشنودی کے مستحق ہوں پھر ایسا عظیم الشان درجہ بغیر تمام آیات واحادیث پر ایمان لانے کے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔

الحاصل جس طرح معتزلہ کے انکار کرامت سے اہل سنت وجماعت کرامت کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح مرزا صاحب کے انکار احیائے اموات سے وہ لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے معتزلہ کو تو صرف قیاس ہی نے روکا تھا اُس میں اُن کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی مرزا صاحب کی تو ذاتی غرض بھی اس انکار سے متعلق ہے ایسے موقع میں اُن کی بات کیونکر قابل اعتبار ہو سکے۔

حق تعالے عزیر یا ارمیا علیہ السلام کے مر کے زندہ ہونے کا واقعہ جو قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے مرزا صاحب اُس کی نسبت ازالۃ الاوہام صفحہ (۶۶۵) میں لکھتے ہیں قصہ عزیر وغیرہ

جو قرآن میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم وغشی بھی آیا ہے

دیکھو قاموس اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک

الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے

اور اُس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اُس میں جان ڈالتا ہے ماسوا اس کے کسی

آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے

صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی نہیں تھی ورنہ اُس کے بعد ضرور اسکی موت کا ذکر ہوتا

یہ قصہ قرآن شریف میں اس طرح مذکور ہے قولہ تعالے اوکالذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا

قال انی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض

یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنہ وانظر الی حمارک ولنجعلک

آیۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزہا ثم نکسوہا لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ

علی کل شئے قدیر حاصل مضمون اس آیۂ شریفہ کا جو احادیث سے ثابت ہے جنکو ابن جریر رح

نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطی رح نے درمنثور میں اور دوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے یہ ہے

اور سیاق وسباق سے بھی ظاہر ہی کہ جب بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے نوخیز اور سنے

خیال کے لوگ خدا و رسول سے بے خوف ہوگئے اور فسق وفجور حد سے زیادہ ہوگیا ارمیا علیہ السلام

پر وحی ہوئی کہ اب یہ بستی غارت اور ویران کر دی جائیگی۔ ہرچند اُنہوں نے لوگوں کو

بہت کچھ سمجھایا اور وعظ ونصیحت کی مگر جب ایمان ہی نہو تو کیا اثر ہوسکتا ہے۔ غرض کہ

کسی نے نہ مانا آخر بخت نصر نے اُس پر چڑھائی کی اور قتل عام کرکے اُسکو ایسا تباہ کیا کہ تمام

مکانات وعمارات منہدم کر دئے جس سے پوری بستی ایک تودۂ خاک مثل پہاڑ نظر آتی

تھی۔ ارمیا علیہ السلام وہاں سے جاتے ہوئے کسی پہاڑ کے کنارے کھڑے ہوگئے اور

کمال افسوس سے کہا کہ اب یہ بستی کہاں آباد ہوسکتی ہے کما قال تعالے اوکالذی مر علی قریۃ

وہی خاویۃ علی عروشہا قال انی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا اور ایک روایت میں ہے کہ عزیر علیہ السلام

کا اس پر گذر ہوا اور اُنہوں نے یہہ کلمہ کہا۔ بہرحال خدائے تعالے کو منظور ہوا کہ نبیِ وقت

کا استبعاد دفع کردے۔ ملک الموت کو حکم ہوا کہ اُن کی روح قبض کرلیں۔ چنانچہ

روح قبض کرلی گئی جس کی خبر حق تعالے قرآن شریف میں دیتا ہے کہ فاماتہ اللہ اور انکا

لاشہ وہیں پڑا رہا یہاں تک کہ جب ستر برس گذرے تو کسی بادشاہ کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو
پھر آباد کرے چنانچہ تیس سال میں وہ بالکل آباد ہوگیا اُس وقت جبکہ پورے سو برس اُنکی
موت سے گذرے تھے حق تعالیٰ نے اُن کو زندہ کیا کما قال تعالیٰ فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم
بعثہ اور زندہ ایسے طور پر کئے گئے کہ جو خدشہ اُن کے دل میں تھا اُس کا جواب ساتھ ہی
ہو جائے یعنی ابتدار آنکھیں بنائی گئیں اور پہلے پہل جس پر نظر پڑی وہ بیت المقدس تھا جسکی
آبادی محال سمجھی گئی تھی دیکھا کہ اُس کی اب یہہ حالت ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خوش نما اور
خوش منظر ہے کیونکہ کل عمارتیں جدید بنی ہوی تھیں جن میں نام کو کہنگی نہ تھی۔ جب انہوں نے
اپنے سوال کا جواب عملی طور پر پالیا تو ارشاد ہوا کہ اب بتاؤ کہ تم یہاں کتنے روز رہے ہو کما قال تعالیٰ
قال کم لبثت کہا ایک روز یا اس سے بھی کم قولہ تعالیٰ قال لبثت یوماً او بعض یوم اس لئے
کہ اس عالم سے غائب ہونے کا وقت صبح کا تھا اور اب غروب کا وقت ہے فرمایا یہ نہیں
بلکہ سو برس گذر چکے ہیں قولہ تعالیٰ قال بل لبثت مائۃ عام اب غور کرو کیا ممکن ہے کہ اتنی مدت کھانے
پینے کی چیزیں از قسم فواکہ محفوظ رہ سکیں دیکھو یہ چیزیں بلا تغیر تمہارے سامنے رکھی ہیں اور گدھا بھی
بحال خود موجود ہے۔ یہ وہی اشیاء ہیں جو تمہارے ساتھ تھیں کما قال تعالیٰ فانظر الی طعامک و
شرابک لم یتسنہ وانظر الی حمارک اس سے اُن کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ خراب کو
آباد اور درست کرتا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو چاہتا ہے خرابی سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے
اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ان کارروائیوں سے پہلا مقصود یہ تھا کہ تمہارے خدشہ کا جواب
مع شئی زائد ہو جائے اور یہ بھی غرض تھی کہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانی بتائیں کما قال تعالیٰ
ولنجعلک آیۃ للناس چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ اپنے گھر گئے تو پوتے بوڑھے تھے اور
ان کی وہی عمر تھی جو انتقال کے وقت تھی۔ چنانچہ درمنثور میں ہے۔ وقال ابن عباس

فکان کما قال اللہ ولنجعلک آیۃ للناس یعنی لبنی اسرائیل وذالک انہ یجلس مع بنی بنیہ

وہم شیوخ وہو شباب لانہ کان مات وہو ابن اربعین سنۃ فبعث اللہ شابا کہیئتہ یوم مات

مختصراً غرض کہ جب مجلس میں وہ اپنے پوتوں کے ساتھ بیٹھتے تو حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا کہ دادا تو چالیس برس کے اور پوتے سو سو برس کے یہاں یہ نکتہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ بیت المقدس خرابی کے بعد از سر نو آباد ہوا جسکو نیا شہر باعتبار تعمیر کے کہہ سکتے ہیں۔ اور فواکہ میں خرابی اور تغیر آیا ہی نہ تھا بلکہ وجود اُن کا بحالت سابقہ مستمر رہا۔ اور عزیر علیہ السلام کا وجود نہ مثل فواکہ مستمر رہا نہ بیت المقدس وجود سابق و لاحق میں ایسی مغایرت ہوئی جس سے نئے عزیر کہلائیں بلکہ وجود سابق کے ساتھ وجود لاحق ایسا متصل کیا گیا کہ گویا وجود سابق ہی مستمر ہے اسی وجہ سے اُن کے پوتوں نے اپنا دادا تسلیم کر لیا۔ غرضکہ عزیر علیہ السلام کو ویران شہر کے آباد ہونے ہی میں کلام تھا حق تعالیٰ نے اُس سے بڑھکر قابل استبعاد بلکہ محال چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا کیونکہ عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ میوہ بغیر تغیر کے سو سال تک محفوظ رہے یا اعادہ معدوم کا ہو سکے۔ اُس کے بعد معدوم کو موجود کرنے کا طریقہ دکھلایا گیا چنانچہ ارشاد ہے وانظر الی العظام کیف ننشزہا ثم نکسوہا لحما یعنے اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کیسی جمع ہو رہی ہیں اور کس طرح ہم ان پر گوشت پہناتے ہیں جب اُنھوں نے تمام واقعات بچشم خود دیکھ لئے اور اچھی طرح ان پر یہ امر ظاہر ہو گیا کما قال تعالیٰ فلما تبین لہ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ اعلم ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ویران بستی کا آباد کرنا تو کیا معدوم کو دوبارہ موجود کر سکتا ہے وغیر ذلک۔

یہ ملخص اُن احادیث کا ہے جو اس باب میں بکثرت وارد ہیں اور جن کا نقل کرنا موجب تطویل ہے درمنثور میں یہ روایت بھی ہے اخرج عبد ابن حمید وابن المنذر

وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیہقی فی شعب الایمان عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی قولہ تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ الی ان قال فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ فاول ماخلق اللہ منہ عیناہ فجعل ینظر الی عظامہ الحدیث واخرج اسحٰق بن بشر وابن عساکر من طرق عن ابن عباس رض وکعب والحسن ووہب فقال انی یحیی ہذہ اللہ بعد موتہا فلم یشک ان اللہ یحییہا ولکن قالہا تعجبا فبعث اللہ ملک الموت فقبض روحہ فاماتہ اللہ مائۃ عام الحدیث ماحصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ نبی حقیقۃً مر گئے تھے جن کی روح ملک الموت نے قبض کی اور پہلے اُن کی آنکھوں میں جان آئی جن سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے یہی دو روایتیں مسلمانوں کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رض وغیرہ اکابر صحابہ وتابعین جب ان کی حقیقی موت کے بعد زندہ ہونیکے قائل ہیں اور صراحۃً قرآن شریف میں بھی اُن کی موت کا ذکر موجود ہے تو اب مرزا صاحب کا مجرد بیان کہ اُن کی موت ثابت نہیں اور وہ بھی ایسا کہ جس سے اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اُس کی طرف توجہ کرے۔

مرزا صاحب کی جہاں غرض متعلق ہوتی ہے تو فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف بھی اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اُس کا موضوع ہونا تو ثابت نہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا اور ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۵۶) میں لکھتے ہیں کہ جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اُس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے اب دیکھئے یہ حدیثیں تو ضعیف بھی نہیں بلکہ خود محدثین نے صحت کی تصریح کی ہے اور اُن میں کسی محدث نے جرح بھی نہیں کی اور قرآن کو اور بھی بسط سے بیان کر رہی ہیں کہ ملک الموت نے اُن کی روح قبض کی اور زندہ ہونیکے وقت پہلے آنکھیں بنائی گئیں۔ تو بقول مرزا صاحب

وہ بھی قابل قبول ہیں جس سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ موت یہاں نوم وغشی کے معنی میں نہیں ہے
اور جب احادیث اور آیت قرآنی سے اس عالم میں موت کے بعد زندہ ہونا ثابت ہوگیا تو
لا یرجعون سے مرزا صاحب نے جو مطلب نکالا تھا کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا وہ غلط ہوگیا
اور وہ بات صادق آگئی جو خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۵۵۷) میں تحریر فرماتے
ہیں۔ اور بباعث اس کے کہ اُن لوگوں کے یعنی نیچریوں کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول
کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات اُن کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اسکو محالات اور
ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں قانون قدرت بیشک حق اور باطل کے آزمانے کیلئے آلہ ہے
مگر ہر ایک قسم کی آزمایش کا اسی پر مدار نہیں۔ اس فلسفی قانون قدرت سے ذرا اوپر چڑھکر
ایک اور قانون قدرت بھی ہے جو نہایت دقیق اور غامض اور بباعث دقت وغموض موٹی
نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ جو عارفوں ہی پر کھلتا ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ فرقہ بھی
اسلام میں پیدا ہوگیا جس کا قدم دن بدن الحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے
مرزا صاحب نیچریوں کی چنگال سے مسلمانوں کو اس وجہ سے نکال رہے ہیں کہ وہ
مرزا صاحب کی عیسویت کو نہیں مانتے چنانچہ اسی تقریر کی ابتدا صفحہ (۵۵۵) میں لکھتے ہیں
کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی
بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنیکی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ
تمام خبریں ہی غلط ہیں ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوے
کی تحقیر کرکے اسکو باطل ٹھیرایا جائے۔ اس موقع میں تو ماشاءاللہ مرزا صاحب نے حدیثوں کی
خوب ہی طرفداری کی مگر جب کوئی حدیث اُن کے مخالف ہوتی ہے (اور ہمیشہ
یہی ہوا کرتا ہے) تو خواہ وہ بخاری کی حدیث ہو یا مسلم کی صاف فرما دیتے ہیں

کہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو مفید ظن ہے والظن لایغنی من الحق شیئاً یعنی حدیث سے کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی اور مرزا صاحب کی توجہ حدیث کی طرف ایسی ہوتی ہے جیسے اتھم صاحب کے بھاگے بھاگے پھرنے کا نام انہوں نے رجوع الی الحق رکھدیا تھا اب بیچارے نادان مسلمان اگر نیچروں کے پنجہ سے نکلے بھی تو مرزا صاحب کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور مجبوراً اُن کو بھی کہنا پڑیگا کہ کوئی حدیث قابل اعتبار نہیں۔ اور بزبان حال کہہ رہے ہیں (چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی) مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہی بات اگر سمجھ کے کہتے تو اس کے نتائج ہی کچھ اور ہوتے۔

مرزا صاحب نے اگرچہ احتمال قائم کردیا ہے کہ موت کے معنی لغت میں نوم و غشی کے ہیں مگر وہ موت ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۳۶۵) میں لکھتے ہیں اگر اُن آیات کو اُن کی ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی کرشمہ قدرت نے ایک لحہ کیلئے عزیر علیہ السلام کو زندہ کرکے دکھلادیا تاکہ اپنی قدرت پر اسکو یقین دلا دے مگر اُنکے مرید صاحب نے تو موت کا انکار ہی کردیا چنانچہ القول العجیب میں لکھا ہے کہ یہ ایک خواب تھی جو اللہ نے نبی کو دکھلائی تھی۔ اُن کو خیال پیدا ہوا کہ ہڈیوں کو کیونکر زندہ کرسکتا ہے تب اللہ نے اُن کی تسلی کیلئے ان پر خواب طاری کی اور خواب میں اُن ہڈیوں وغیرہ اور غیر آباد زمین کو سو سال کے اندر آباد ہوتے دکھلایا پھر جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو اللہ نے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی دیر رہے انہوں نے جواب دیا ایکدن اللہ نے کہا تو نے تو سو سال تک اس نظارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر جب ان کو تردد پیدا ہوا کہ کیا میں سو سال تک سوتا پایا تب اللہ نے ان کے رفع شک کیلئے فرمایا کہ وہ بات تو خواب کی یعنی عالم مثال کے سو سال تھے کیونکہ تم اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھو اس پر کوئی سال نہیں گذرے اپنے گدھے کو دیکھو کھڑا ہوا ہے۔ ماحصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ناحق اقرار کرلیا

کہ وہ ایک لمحہ کے لئے مرے تھے در اصل وہ مرے ہی نہیں اور اللہ تعالےٰ نے جو
فاماتہ اللہ فرمایا ہے وہ بھی کچھ ایسی ہی بات ہے در اصل نہ وہ مرے نہ سو برس پڑے
رہے بلکہ صرف تین چار پہر سوتے رہے اور سو برس تک خواب دیکھا کئے یہ فاماتہ اللہ
مائتہ عام کا مطلب ہوا پھر جب خدا نے اُن سے پوچھا کم لبثت اس کا مطلب یہ کہ
کتنی دیر خواب دیکھا کئے پھر اُنہوں نے دیکھا تو سو برس مگر کہدیا ایک روز۔ خدا نے
کہا نہیں بل لبثت مائتہ عام یعنی تم سو برس تک خواب دیکھا کئے اس پر بھی ان کو اعتبار
نہ آیا اور نہ یہ بات یاد آئی کہ سو برس خواب دیکھا کئے آخر خدا کو یہ بات ثابت کرنیکی
ضرورت ہوئی کہ وہ واقعہ ایک ہی روز کا تھا اس لئے ان کے کھانے پینے
کی چیزیں اور گدھے کو دکھلانے کی ضرورت ہوئی اور اُنہوں نے جو خود اقرار کیا تھا
کہ ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا وہ قابل اعتبار نہوا۔

یہ جو مضمون قرآن شریف کا بیان کیا گیا ہے کیا کوئی غبی یا ذکی عبارت
قرآن سے نکال سکتا ہے ہرگز نہیں اور نہ یہ مضمون کسی تفسیر میں ہے نہ حدیث میں
اسی کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں جس کی نسبت مرزا صاحب نے بھی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیا ہے
ادنیٰ فراست سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب مرزا صاحب کو دعویٰ فصاحت اور بلاغت
اور اعجاز بیانی ہے تو مرزا صاحب کے کلام میں اور کلام الٰہی میں ضرور فصاحت
اور بلاغت کا موازنہ ہوگا اور یہ بات ثابت کردیجائیگی کہ خدا کا کلام تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ مقصود
کچھ ہے تو الفاظ کچھ ہیں اور مرزا صاحب کے کلام میں اس قسم کی رکاکت ثابت نہو سکیگی
اور اُن کی بھی خصوصیت کیا ہر ایک ادنےٰ منشی جو کچھ لکھتا ہے اپنا مافی الضمیر
الفاظ میں پورا بیان کردیتا ہے۔ جس سے اسکو دیکھنے والا مقصود اس منشی کا

سمجھ جاتا ہے پھر اس موازنہ پر جو کچھ تفریعات اور آثار مرتب ہونگے وہ محتاج بیان نہیں
القول العجیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر تفسیریں فاماتہ اللہ کے معنی یہی لکھے
ہیں فانامہ اللہ یعنی اللہ نے اسکو سلادیا دیکھو معالم وغیرہ" ہمنے معالم کو دیکھا اُس کی
عبارت یہ ہے فالقی اللہ علیہ النوم فلما نام نزع اللہ منہ الروح مائۃ عام فلما مضت المائۃ
احیی اللہ منہ عینیہ وسائر جسدہ ثم احیا جسدہ وھو ینظر الیہ یعنی خدائے تعالے نے
ان پر نیند غالب کردی جب وہ سو رہے تو اُن کی روح قبض کرلیگئی۔ پھر جب سو برس
پورے گذرے تو اللہ نے پہلے اُن کی آنکھیں زندہ کیں پھر تمام جسم کو زندہ کیا جسکو
وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اگر صاحب معالم نے فاماتہ اللہ کے معنی فانامہ لیا ہے
تو فلما نام نزع اللہ منہ الروح مائۃ عام میں نزع روح کس لفظ سے نکالا جائیگا۔
شاید نزع روح سے معمولی غفلت سمجھی گئی مگر وہ بھی صاحب قول عجیب کے مقصود
کے خلاف ہے کیونکہ سو برس کی نیند کے وہ قائل نہیں پھر آنکھوں اور جسم کا زندہ کرنا کیسا۔
موت تو آئی نہ تھی شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ پہلے آنکھیں بیدار ہوئیں اُس کے بعد جسم بیدار
ہوا جسکو وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے مگر اس میں بھی یہ بات قابل توجہ ہے کہ آنکھوں کیسے
جسم کی بیداری کیونکر نظر آئی اگر جسم کی بیداری سے مراد حرکت ہے تو یہ نہیں ہوسکتا اس لئے
کہ نیند میں بھی جسم کی حرکت باقی رہتی ہے جو کروٹ بدلنے سے ظاہر ہے اور اگر حس
مراد ہے تو وہ آنکھوں سے محسوس نہیں اس لئے کہ ہر عضو کا حس جدا ہے بالجملہ صاحب
معالم کا یہ مذہب ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر علیہ السلام ایک سو برس سوتے رہے البتہ انہوں
نے ایک نئی بات بتلائی کہ نزع روح حالت بیداری میں نہیں ہوا بلکہ نیند کی حالت میں ہوا
اس مقام میں ہم صاحب قول عجیب پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتے کہ انہوں نے

معالم کا مطلب سمجھا نہیں بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اُن کو صرف قرآن کی تحریف منظور ہے اس لئے التقی اللہ علیہ النوم کو اماتہ اللہ کے معنی قرار دیکر نزع اللہ روحہ وغیرہ کو قصداً ترک کر دیا جس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود ہے کیا ان کارروائیوں کے بعد بھی حسن ظن کیا جائیگا کہ ان حضرات کو کلام الٰہی پر ایمان ہے کیا وہ تمام باتیں جو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کفر والحاد ہے اور جھوٹ کہنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ صدق دل سے کہی گئی ہونگی ان کارروائیوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ بھی ایک حکمت عملی ہے جس پر اُن کی اصل بھی عمل ہو رہا ہے اب مرزا صاحب کی پیش بندیوں کو دیکھئے کہ قرآن کی تحریف کے واسطے کیسا طریقہ نکالا احادیث وتفاسیر کو پہلے ہی ساقط الاعتبار کر دیا پھر جب مطلق العنان ہو گئے تو کون روکنے والا ہے مجاز کا دروازہ کھلا ہوا ہے آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی مجازاً کہہ سکتے ہیں پھر موت کو نیند اور نیند کو موت کہدینا کون بڑی بات ہے جتنے نبوت کا دعوے کرنیوالے گزرے ہیں سب کا یہی طریقہ رہا ہے کہ قرآن کی تحریف کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا کہ قرآن ہی سے استدلال کر کے بعضوں نے مردار اور خون اور خنزیر کو مباح کر دیا تھا۔ اگر آخری زمانہ والے مسلمان مرزا صاحب کے اس طریقہ کو جائز رکھیں تو بس دین کا خاتمہ ہو گیا جب آدمی کے معنی گدھا اور گدھے کے معنی آدمی مجازاً ہو سکتے ہیں تو کونسا لفظ ایسا ہوگا جسکے مجازی معنی اپنے مقصود کے موافق نہ لے سکیں۔

یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کسی لفظ کے مجازی معنی لینا تو درست ہے مگر نہ شرعاً عام طور پر اس کی اجازت ہے نہ لغۃً نہ عرفاً نہ عقلاً کہ جہاں چاہیں حقیقی معنی چھوڑ کے مجازی معنی لیا کریں بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ بن سکتے ہوں اور معنی مجازی پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو۔ دیکھ لیجئے اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے شیر دیکھا تو

اُس سے یہی سمجھا جائیگا کہ اصلی شیر دیکھا کیونکہ مجازی معنی پر کوئی قرینہ نہیں اور اگر یہ کہے کہ میں نے ایک شیر دیکھا جو بندوق چلا رہا تھا تو بندوق چلانیکے قرینہ سے جوانمرد شخص سمجھا جائیگا کیونکہ اصلی شیر میں بندوق سر کرنیکی صلاحیت نہیں۔ چونکہ الفاظ حقیقی اور مجازی معنی میں برابر مستعمل ہوا کرتے ہیں اور حقیقی اور مجازی معنی کا اشتباہ ہمیشہ فہم مضامین میں خلل انداز ہونیکا باعث تھا اس لئے اکابر اہل لغت نے اسکا بندوبست یہ کر دیا کہ ہر لفظ کے حقیقی معنی کی تصریح کر دی جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اُس معنی کے سوائے جس معنی میں وہ لفظ مستعمل ہو مجاز ہوگا اور اُس کے لئے قرینے کی ضرورت ہوگی تاکہ کسی کو یہ موقع نہ ملے کہ کسی لفظ کو مجازی معنی میں مستعمل ہوتے دیکھکر جہاں چاہے وہی معنی مراد لے۔ اب دیکھئے علامہ زمخشری رہ نے اساس البلاغۃ میں موت کے حقیقی معنی وہی لکھے ہیں جو مشہور ہیں اُس کے بعد لکھا (ومن المجاز) احیاء اللہ البلد المیت واخذتہ الموتۃ الغشی ومات فوق الرحل اذا استثقل فی نومہ اور اس کے سوائے بہت سے مجازی استعمال لفظ موت کے بیان کئے اور لسان العرب میں لکھا ہے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور سمی النوم موتا لانہ یزول منہ العقل والحرکۃ تمثیلا لا تحقیقا حاصل مطلب یہ ہوا کہ نیند کو موت جو کبھی کہتے ہیں تو وہ بطور تشبیہ و تمثیل کے ہوتا ہے حقیقی معنی اُس کے وہ نہیں۔

الحمد للہ کہ اکابر اہل لغت کی تصریح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ موت کے حقیقی معنی وہی ہیں جسکو ہر شخص جانتا ہے اور بیہوشی اور نیند کے معنی میں جو یہ لفظ مستعمل ہے وہ بطور مجاز ہے اسی وجہ سے اگر مات فلاں کہا جائے تو یہی سمجھا جائیگا کہ وہ مر گیا اور غشی یا نیند کے معنی میں مستعمل ہو تو اُسی کے لئے قرینۂ حالیہ یا مقالیہ کی ضرورت ہوگی جو علامت مجاز ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب موت کے حقیقی معنی بیہوشی اور نیند کے جو کہتے

ہیں جیساکہ ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۴۲) میں لکھتے ہیں کہ اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بیہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اہل لغت کی تصریح سے ثابت ہوا کہ غلط ہے۔ اگر یہ فرماتے کہ اماتت سلانے اور بیہوش کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو البتہ قابل تسلیم تھا۔ مگر وہ تو صاف کہہ رہے ہیں کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بیہوش کرنیکے ہیں جس کی تکذیب کتب لغت سے ہو رہی ہے اگر یہ بیان ان کا صحیح ہوتا تو کسی لغت کی کتاب کی عبارت نقل کر دیتے کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بیہوش کرنیکے ہیں جیسے ہمنے لغت سے ثابت کر دیا کہ یہ معنی مجازی ہیں۔

جب لغت سے اُن کی یہ خلاف بیانی ثابت ہوگئی تو اُس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ اپنی غرض کے وقت جھوٹ سچ کی کچھ پروا نہیں کرتے اسلئے اُن کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ پھر اُنہوں نے جو کہا تھا کہ جھوٹ کہنا شرک ہے تو اُس سے سوائے دھوکہ دہی کے اور کیا تصور کیا جائے۔ اور ابھی یہ بات معلوم ہوئی کہ اماتہ اللہ کی تفسیر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام اُسوقت مر گئے تھے تو معلوم ہوا کہ نہ بحسب لغت اماتت کی تفسیر بیہوشی اور خواب ہو سکتی ہے نہ بحسب حدیث اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے تفسیر کی ہے اور خود ہی ازالۃ الاوہام صفحہ (۳۲۸) میں لکھتے ہیں کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے اب اُن کو کیا کہنا چاہیئے۔ اور حدیث شریف میں ہے قال النبی صلعم من تکلم فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء رواہ ابو داؤد والترمذی وفی روایۃ عن ابی داؤد وقال النبی صلعم من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار کذا فی تفسیر روح المعانی صفحہ (۶) جلد (۱) یعنی فرمایا نبی صلعم نے جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات بنائے اگر صواب بھی ہو تو اس نے خطا کی اور جو شخص قرآن میں بیعلمی سے کوئی بات بنائے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اب

دیکھئے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق مرزا صاحب کیسی کیسی وعیدوں کے
مستحق ہو رہے ہیں اس صورت میں مسلمانوں کو اُن کی رفاقت دینے کی معلوم نہیں کونسی
ضرورت ہے۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ (۲۴۷) میں لکھتے ہیں کہ تفسیر معالم میں زیر تفسیر آیت
یا عیسٰی انی متوفیک لکھا ہے کہ علی بن طلحۃ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے
یہ معنی ہیں کہ انی ممیتک یعنی میں تجھکو مارنے والا ہوں آپ نے دیکھ لیا کہ ابھی اماتت کے معنی
سلانے کے تھے اور یہاں مارنے کے معنی لے رہے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ تفسیر
بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اُن کے اعتراف سے ثابت ہے کہ اماتت
کے معنی سلا دینے کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ متوفیک کے معنی ابن عباس نے
ممیتک کرکے سلا دینے کے معنی اُس کے بھی لئے ہیں اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ
توفی کے معنی سلا دینے کے ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے اللہ یتوفی الانفس
حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا یعنی توفی موت اور سونے کے وقت ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی
طرف سے ہے یعنی اللہ ہی مارتا ہے اور سلاتا ہے وقولہ تعالےٰ وہو الذی یتوفکم باللیل
یعنی اللہ ہی تمکو رات میں سلا دیا کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ توفی کے معنی سلا دینے
کے بھی ہیں اور مرزا صاحب کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اماتت کے معنی بھی سلا دینے
کے ہیں اس صورت میں متوفیک اور ممیتک دونوں کے معنی سلا دینے کے ہوے جو
ہمارا مقصود ہے اور مرزا صاحب جو ازالۃ الاوہام صفحہ (۹۴۳) میں لکھتے ہیں کہ توفی کے
حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں سو خود کلام الٰہی سے اُس کی تکذیب
ہوگئی۔ اور معلوم ہو گیا کہ توفی جیسے قبض روح سے ہوتی ہے نیند سے بھی ہوتی ہے
علامہ زمخشری نے اساس البلاغہ میں توفی کے حقیقی معنی استکمال لکھا ہے

کما قال وتوفاہ استکملا وس کے بعد لکھا ہے و (من المجاز) توفی فلاں وتوفاہ اللہ
اور کتہ الوفات اور لسان العرب میں لکھا ہے تقول قد استوفیت من فلان وتوفیت منہ مالی

علیہ تاویلہ ان لم یبق علیہ شئی۔ واما توفی النائم فہو استیفاء وقت عقلہ وتمیزہ الی ان نام
وقال الزجاج فی قولہ قل یتوفاکم ملک الموت قال ہو من توفیۃ العدد تاویلہ ان یقبض
ارواحکم اجمعین فلا ینقص واحد منکم الحاصل اس سے ثابت ہے کہ توفی کے حقیقی معنی
استکمال اور استیفاء کے ہیں کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ توفی کے حقیقی معنی موت کے
ہیں اس صورت میں یا عیسےٰ انی متوفیک کا مطلب یہ ہوا کہ اے عیسےٰ ہرچند کفار تمکو قتل کرنا چاہتے
ہیں مگر یہ نہوگا ہم تمہاری عمر کامل کرینگے اور تمکو اپنی طرف اٹھالینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ
حقتعالےٰ نے اُن کی عمر دراز کی جس کی ظاہری تدبیر یہ ہوئی کہ اُن کے دشمنوں میں سے
اُن کو آسمان کی طرف اُٹھالیا اور قیامت کے قریب تک زندہ رہینگے جیساکہ احادیث
صحیحہ سے ثابت ہے یہ مطلب آیت شریفہ کا توفی کے حقیقی معنے لینے پر تھا۔ اور اگر مجازی
معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم تمہیں سلاکے یا بیہوش کرکے اُٹھالینگے اور توفی
کے معنی سلانے کے تو خود کلام آلہی سے ثابت ہیں بہرحال متوفیک کے حقیقی معنی لیں
یا مجازی دونوں صورتوں میں وہ معنی اچھی طرح بنجاتے ہیں جو مسلمانوں میں ابتدا سے
ابتک متعارف ومشہور ہیں اور جن کی تصدیق صدہا احادیث وآثار سے ہورہی ہے اور اسکی
کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ عیسےٰ سے مایوس ہوکر مرزا صاحب ہی پر قناعت کرلیجائے
گو جتنی باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں شان عیسویت کے سراسر خلاف اور مضر ہیں۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے موت اور توفی کے معنی میں لغت کی طرف رجوع
کی تو اکابر اہل لغت نے اُن کی تکذیب کردی پھر قرآن کی طرف رخ کیا تو خدائے تعالیٰ کے

کلام قدیم سے صاف اُن کا جھوٹ ثابت ہوگیا اور احادیث کے تو وہ اسی وجہ سے دشمن ہیں کہ حدیثیں ہمیشہ اُن کی تکفیر و تفسیق وغیرہ کرتی ہیں۔

اہل انصاف اس مقام میں اچھی طرح غور کریں کہ مرزا صاحب نے خیال کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت یاعیسیٰ انی متوفیک سے گویا ثابت ہوگئی اور دوبارہ زندہ ہونیکا احتمال جو فاماتہ اللہ مائۃ عام سے ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ مثل عزیر علیہ السلام کے وہ پھر زندہ ہوجائیں اُس کے باطل کرنے کی غرض سے اس آیت شریفہ کے معنی میں تحریف و تصرف کیا۔ مگر بفضلہ تعالےٰ انہی کی تقریر سے ثابت ہوگیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں اسلئے کہ ابن عباس کی تفسیر جو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ متوفیک کی تفسیر اُنہوں نے (ممیتک کی ہے) اُس سے اُن کی موت ثابت نہیں جیسا کہ اماتہ اللہ سے عزیر علیہ السلام کی موت بقول مرزا صاحب ثابت نہیں۔ اور اگر عیسیٰ کی موت ثابت کرنیکی غرض سے ممیتک جو تفسیر متوفیک میں واقع ہے اُس سے حقیقی موت مرادلیں تو فاماتہ اللہ سے عزیرؑ کی حقیقی موت ثابت ہوگی جس سے ان کا وہ مطلب فوت ہوجائیگا کہ کوئی شخص اس عالم میں دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ سے عزیر علیہ السلام کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہے بہرحال اُن دونوں دعووں سے ایک دعوے الکافر باطل ہوگیا اس کے بعد احیائے موتیٰ سے متعلق کل آیتوں میں جو وہ تحریفیں کررہے ہیں جیسا کہ ازالہ الاوہام صفحہ (۹۴۳) میں لکھتے ہیں کہ تمام قرآن میں جو احیائے موتیٰ کے متعلق آیات ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا اُن میں صرف اماتت کا لفظ ہے توفی کا لفظ نہیں اُس میں یہی بھید ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں لیکن اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بیہوش کرنا بھی اُوسمیں

داخل ہے" اس سے اُن کو کچھ فایدہ نہیں سوائے اس کے کہ غضب الٰہی کا استحقاق حاصل ہو۔
ایک واقعہ احیائے موتے کا قرآن شریف میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے مقتول زندہ ہوا اور اپنے قاتل کا نام بتلا دیا یہ واقعہ سورۂ بقر میں آیۂ شریفہ واذ قتلتم نفسا فادٰرءتم الآیۃ میں مذکور ہے جس میں حق تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا حال ظاہر فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہ وہ قدرت خدا تھی نہ معجزہ بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے اُس مردہ کو حرکت ہو گئی تھی معاذ اللہ۔ مرزا صاحب کو عیسویت کے دعوے نے کہاں تک پہنچا دیا۔ قرآن کی تکذیب کی خدا کی قدرت کا انکار کیا انبیا کو ساحر قرار دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کمال درجے کے یقین کی تعریف احادیث میں وارد ہے کہ یقین کی وجہ سے وہ پانی پر چلتے تھے مسیح موعود میں کم از کم ایمان تو ہونا چاہیے۔ مگر یہاں تو ایمان ہی ندارد کا مضمون صادق آرہا ہے۔ اب بھلا مرزا صاحب کو اہل ایمان مسیح موعود کس طرح تصور کریں۔ اس آیۂ شریفہ کی تفسیر اور مرزا صاحب کے شبہات پیشتر لکھی جا چکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

اور ایک واقعہ احیائے موتیٰ کا آیۂ شریفہ واذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ میں مذکور ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے وقوع میں آیا۔ مرزا صاحب نے اُسکو بھی مسمریزم کہکر ٹال دیا جسکا حال پیشتر مذکور ہوا۔

اور حقتعالیٰ نے قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کا معجزۂ احیائے اموات کئی مقاموں میں بیان فرمایا ہے اور اُن کے احیائے اموات کے واقعات احادیث سے ابھی معلوم ہوئے۔ مگر مرزا صاحب کی رائے ہے کہ نہ کوئی واقعہ صحیح ہے نہ خدا تعالیٰ کا

خبر دینا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دراصل وہ قریب الموت آدمی کی روح میں مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے گرمی پہنچا دیتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ نعوذ باللہ عیسے علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے۔ جو مسمریزم میں مشاقی حاصل کرکے قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دیتے جس سے دھوکا دینا مقصود تھا کہ ہم مردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور حق تعالےٰ نے اُن کی بڑائی کی غرض سے اصل واقعہ چھپا کر اُس قابل نفرت کارروائی یعنی عمل مسمریزم کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ سچ مچ وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور اُس دھوکے کو باذن اللہ کہکر اور بھی مستحکم کر دیا کہ جب خدا کے حکم و اجازت سے یہ کام کرتے تھے تو مسلمان یہی سمجھیں کہ فی الواقع وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ کیا اب اس کے بعد بھی کوئی درجہ باقی ہے جسکا انتظار رہے۔ مسمریزم کی ایجاد کو ابھی پورے سو برس نہیں گذرے اگر مرزا صاحب اس صدی کے پہلے ہوتے تو جن آیتوں میں احیائے اموات کو مسمریزمی تحریک قرار دیتے ہیں اُس وقت اُس کی طرف تو خیال کا منتقل ہونا محال تھا۔ اور احیائے اموات کے بھی قائل نہیں معلوم نہیں اُس وقت ان آیتوں کے کیا معنی بیان فرماتے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ جب احیائے اموات بھی نہ ہو اور نہ متشابہ حیات یعنی مسمریزمی حرکت کا احتمال قائم ہو تو بجز اس کے کہ ان آیتوں کا سرے سے انکار ہی کیا جاتا اور کوئی صورت نہ تھی۔ مسمیر صاحب کا احسان سمجھنا چاہئیے کہ اُن کی وجہ سے اس کھلے انکار کی نوبت نہ آئی۔

اور حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف حذر الموت

فقال لہم اللہ موتوا ثم احیاہم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون

یعنی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایکبار ہزاروں آدمی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اللہ نے ان کو کہا کہ تم سب مرجاؤ تو وہ مرگئے پھر ان کو زندہ کیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔ مرزا صاحب یہاں بھی وہی نیند یا بیہوشی موت سے مراد لیتے ہیں کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ اُنہوں نے عام قاعدہ ایسے موقعوں کے لئے بنا دیا ہے کہ جہاں موت کا لفظ آجائے اوس کے معنی بیہوشی یا نیند کیلئے جائیں ۔ مرزا صاحب کی رائے پر اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہزارہا آدمی نیند کے ڈر سے بھاگے سو حقتعالے نے اُن سب کو کہا کہ سو رہو پھر جب سو رہے تو اُن کو جگا دیا ۔ اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے ۔ معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے ۔ پھر خدا تعالی نے سب کو سُلا دیا پھر جگا بھی دیا ۔ نیند تو ستہ ضروریہ میں سے ہے اور عادۃ اللہ جاری ہے کہ ہر رات آدمی سوتا ہے پھر بیدار بھی ہو جاتا ہے گو یہ سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں جس کا بیان اس اہتمام سے فرماتا ہے فقال لہم اللہ موتوا ثم احیاہم ان اللہ لذو فضل علی الناس جسکو تھوڑی بھی عقل ایمان کے ساتھ ہو کیا اس آیت کے یہی معنی سمجھیگا جو مرزا صاحب بتلاتے ہیں کیا یہ حق تعالیٰ کی شان کی بات ہی کہ قرآن میں ایسا واقعہ بیان فرمادے کہ نیند سے یا موت سے بھاگے ہوؤں کو سلا دیا پھر جگا دیا اور بڑا ہی فضل کیا ۔ جب مرزا صاحب نے خدا تعالی کے کلام معجز نظام کو رکیک اور مہمل بنانیکی کچھ پروا نکی تو اب کونسی بات اُن کیلئے دشوار ہے ۔ یہ تو مرزا صاحب کی تفسیر بالرائے تھی ۔ اب اصل تفسیر سنئے امام سیوطیؒ نے درمنثور میں اس آیت کی شان نزول نقل کی ہی کہ ایکبار عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے دو یہودی آئے ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہو نگے عمر رضی اللہ عنہ جب جانے لگے اُن سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے اُنہوں نے کہا کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص لوہے کا سینگ یعنی نہایت قوی ہوگا اور اسکو وہ دیا جائیگا

جو نبی اللہ حزقیل کو دیا گیا تھا جن کی دعا سے مُردے زندہ ہوئے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا
ما نجد فی کتاب اللہ حزقیل و لا احیا الموتے باذن اللہ الا عیسٰی یعنی ہماری کتاب میں نہ حزقیل کا نام ہے
اور نہ یہ کہ سوائے عیسٰی علیہ السلام کے اور کسی نے باذن اللہ مُردے کو زندہ کئے۔ انہوں نے
کہا کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں ہے ورسلا لم نقصصہم علیک یعنی بہت رسولوں کے قصے قرآن
میں نہیں بیان کئے گئے۔ عمرؓ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے انہوں نے کہا کہ حزقیل نے جو مُردے
زندہ کئے تھے اُس کا واقعہ یہ ہے کہ ایکبار بنی اسرائیل میں ایک عام مرض پھیلا تھا جس سے
بہت لوگ بھاگ گئے ایک میل کے فاصلہ پر وہ لوگ ہونگے کہ یکبارگی وہ سب بحکم الٰہی مر گئے
اور ایک مدت تک وہیں پڑے رہے۔ یہانتک کہ اُن کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں اس وقت
حزقیل نبی اللہ کا وہاں گذر ہوا اور انہوں نے اُن کے زندہ ہونیکی دعا کی چنانچہ وہ سب زندہ
ہو گئے اس لئے اُس واقعہ کی تصدیق میں آیۂ شریفہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف
نازل ہوئی۔ اس کے سوا اور بہت سی روایتیں درمنثور میں منقول ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے
عن ابن عباسؓ فی قولہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف حذر الموت قال کانوا اربعۃ
آلاف خرجوا فرارا من الطاعون وقالوا ناتی ارضا لیس بہا موت حتی اذا کانوا بموضع کذا وکذا
قال لہم موتوا فمر علیہم نبی من الانبیاء فدعا ان یحییہم حتی یعبدوہ فاحیاہم یعنی ابن عباس رضؓ
فرماتے ہیں کہ چار ہزار شخص طاعون سے اس غرض سے بھاگے تھے کہ کسی ایسے مقام
میں جا بسیں کہ جہاں موت نہو۔ راستہ میں اُن کو حکم ہوا کہ مر جاؤ اُس کے بعد کسی نبی کا
ان پر گذر ہوا اور انہوں نے دعا کی کہ وہ زندہ ہوں اور عبادت کریں چنانچہ حقتعالیٰ نے
اُن کو زندہ کیا یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ لوگ شاید تھوڑی دیر کے لئے
زندہ ہوئے ہوں گے۔ اس لئے کہ روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ لوگ بہت

روز زندہ رہے چنانچہ درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہی زندہ شدہ لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تھا جسکا ذکر اسی قصہ کے متصل اس آیہ شریفہ میں ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیع علیم۔ غرض کہ ہزارہا مردوں کا زندہ ہونا اور شل اور زندوں کے زندگی کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ مرزا صاحب اگر قرآن و حدیث ہی کو نہ مانیں تو اُس کا علاج نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فبای حدیث بعدہ یؤمنون یعنی جب قرآن ہی پر ایمان نہ لائیں تو اب کاہے پر ایمان لائینگے۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتی نری اللہ جہرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون ثم بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون یعنی یاد کرو جب تم یعنی تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ جب تک ہم خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں کسی طرح تمہاری بات کا یقین نہ کرینگے۔ اس پر تمکو یعنی تمہارے بڑوں کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھا کئے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو جلا اُٹھایا تاکہ شاید تم شکر کروؔ امام سیوطیؒ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے عن الربیع بن انس فی قولہ واذ قلتم یا موسےٰ لن نؤمن لک حتےٰ نری اللہ جہرۃ قال ہم السبعون الذین اختارہم موسیٰ فاخذتکم الصاعقۃ قال ماتوا ثم بعثناکم فبعثوا من بعد الموت لیستوفوا آجالہم۔ یعنی ربیع بن انسؓ سے روایت ہے کہ جن لوگوں پر بجلی گری تھی وہ ستر آدمی تھے جنکو موسیٰ علیہ السلام نے انتخاب کیا تھا۔ وہ سب مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اب اہل اسلام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ہم نے اتنی آیات واحادیث واقوال سلف پیش کردئے جن سے صراحۃً ثابت ہے کہ ہزارہا مُردے زندہ ہو چکے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے جیسا کہ

تفسیر ابن جریرؒ میں روایت ہے عن عبداللہ رضی اللہ قال کان من کفر بحرف من القرآن او باٰیۃ فقد کفر بہ کلہ یعنی قرآن کی ایک آیت یا ایک حرف کا بھی کوئی انکار کرے تو گویا اُسنے تمام قرآن کا انکار کردیا۔ اب ذرا تامل کیا جائے کہ جب ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے تو اتنی آیتوں کا انکار کس طرح جائز ہوگا پھر علاوہ اُن آیات کے احادیث بھی بکثرت اُن کے مؤید ہیں، اور تمام امت خصوصاً اہل سنت وجماعت کا ابتدا سے آج تک اسی پر اتفاق ہے کیکو اُس میں کلام نہیں اور مرزا صاحب نے جو ان تمام آیات واحادیث وغیرہ کا انکار کردیا اُس میں صرف اُن کی ذاتی غرض ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی موت فرض کرکے یہ ذہن نشین کریں کہ کوئی شخص مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوسکتا اور احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی قیامت کے قریب ثابت ہے اس لئے اُن احادیث میں تاویلیں کرکے اور اُن کے ساتھ الہاموں کی جوڑ لگاکر چاہتے ہیں کہ عیسےٰ موعود خود بن بیٹھیں۔

اب ان آیات واحادیث واجماع امت اور واقعات پر اطلاع ہونے کے بعد ہر شخص مختار ہے خواہ قرآن وحدیث اور ہزارہا کتب اہل سنت وجماعت جن میں یہ مسئلہ مذکور اور مسلم ہے سب کی تکذیب کرکے مرزا صاحب کے قول پر ایمان لائے یا اپنے ایمان کو عزیز رکھکر قرآن وحدیث پر ایمان لائے کیونکہ خود حق تعالےٰ نے فرمادیا ہے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے جسکا جی چاہے کافر ہوجائے۔ مگر یاد رہے کہ اسی کے ساتھ حق تعالےٰ نے یہ بھی فرمادیا ہے انا اعتدنا للظالمین نارا۔ یعنی ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

مرزا صاحب کو مسیح موعود ہونے کا تو بہت کچھ شوق ہے لیکن اُس کے لوازم
و آثار کو وہ پورے نہ کر سکے جس کا حال معلوم ہوا بلکہ جو صفات ان میں پائی جاتی ہیں وہ
منافی عیسویت ہیں۔ مثلاً دین کے پیرایہ میں دنیا طلبی وہ بھی کمال بدنما طریقہ سے
اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ وہ عیسیٰ موعود نہیں ہو سکتے دیکھ لیجئے براہین احمدیہ
کی نسبت اُنہوں نے لکھا تھا کہ اُس کی پندرہ جلدیں تیار ہیں - چنانچہ اس کی قیمت
سو سو روپیہ پیشگی وصول کر لی گئی - اور ایک جلد کے اندازہ میں چھاپ کر اُس کا خاتمہ
ایک بات پر کر دیا کہ خدا اپنے دین کا خود حافظ ہے یعنی زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت
نہیں - سراج منیر چھاپنے کے نام سے پیشگی چندہ وصول کر لیا گیا اور کتاب ندارد -
عطائے فرزند وغیرہ کی دعا پر پیشگی اجرت وصول کی جاتی ہے - اپنی اور اپنے متعلقین کی
تصویریں بیچکر روپیہ جمع کیا جاتا ہے - زکوٰۃ اس تدبیر سے وصول کی جاتی ہے کہ ہر
مسلمان کو زیور وغیرہ کی زکوٰۃ دینی ضروری ہے - اور اس وقت اسلام یتیم ہو گیا
ہے اس لئے چاہیئے کہ زکوٰۃ کے روپیہ سے اپنی تصانیف خرید کر کے تقسیم کیجائیں
حالانکہ حق تعالیٰ نے زکوٰۃ کا مصرف جو قرار فرمایا ہے اُس کو ہر طالب علم جانتا
ہے کہ فقرا اور مساکین وغیرہ ہیں - کعبہ جو اپنے گھر میں بنایا اُس سے یہی
غرض ہے کہ حج کی رقم اپنے گھر میں آیا کرے اس کے سوا اُن کی اور بہت سی
کارروائیاں ہیں مثل الحاد و تحریف قرآن اور خدا پر افترا وغیرہ وغیرہ جن میں
سے چند اس کتاب میں بھی مذکور ہوئیں - الحاصل ان امور کے دیکھنے کے بعد
اُن کا دعوے عیسویت بداہۃً باطل ہو جاتا ہے -

تمام شد